جلد دوم

گناہانِ کبیرہ

شہید محراب آیت اللہ سید عبد الحسین دستغیب قدس سرہ

حسن علی بک ڈپو

گناہانِ کبیرہ

جلد دوم

شہید محراب آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب قدس سرہ

حسن علی بک ڈپو

بالمقابل بڑا امام باڑہ۔ کھارادر، کراچی فون ۲۴۳۳۰۵۵

کتاب ---------- گناہان کبیرہ جلد دوم

مصنف ---------- آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب

ترجمہ ---------- ڈاکٹر سہیل بخاری

نظر ثانی ---------- سید فیضیاب علی رضوی

طبع اول ---------- مئی ۲۰۰۰ء

فہرست

عناوین	صفحہ

پہلا باب

عناوین	صفحہ

دوسرا باب (پہلی فصل)

دوسرا باب (دوسری فصل)

دوسرا باب (تیسری فصل)

خاتمہ

۱ جہاد سے بھاگنا

اس شرعی جہاد سے بھاگنا جہاں دشمنوں کی تعداد دوگنی سے زیادہ نہ ہو ستائیسواں گناہ کبیرہ ہے جس کا نص صریح میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے کبیرہ ہونے کی تصریح ان حدیثوں میں کی گئی ہے جو حضرت رسول خداؐ، حضرت امیر المؤمنینؑ، حضرت امام صادقؑ، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ، حضرت امام رضاؑ اور حضرت امام محمد تقیؑ سے ملی ہیں اور اس کے کبیرہ ہونے پر سورۃ انفال کی آیت ۱۶ سے دلیل دی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے: "اے ایمان والو! جب تم ان کفار کے قریب پہنچو جو تم سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہوں تو ان کی طرف پیٹھ مت کرنا (یعنی مت بھاگنا) اور جو کوئی اس وقت بجز جنگی مصلحت اور ہتھیار درست کرنے یا مسلمانوں کی کسی جماعت کی پناہ لینے کی غرض سے ہٹے نہ کہ انہیں پیٹھ دکھائے وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہوگا اور دوزخ میں جائے گا اور وہ واپسی کی بری جگہ ہے۔"

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "جہاد کے میدان سے بھاگنے والے کو جان لینا چاہئے کہ اس نے اپنے خدا کو ناراض اور اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے اور یہ بھی کہ جہاد سے بھاگنے میں خدا کی ناراضگی ہے، ذلت لازمی اور شامت ہے اور ہمیشہ کی خفت ہے اور یہ بھی کہ اس سے اس کی عمر بڑھ نہیں سکتی، اس کے بھاگنے سے موت کا دن رک نہیں سکتا۔ یعنی اگر اس کی موت آگئی ہے تو بھاگنے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کسی دوسری وجہ سے مر جائے گا اور اگر اس کی موت نہیں آئی ہوگی تو جہاد

میں اس کی عمر کی رسی نہیں ٹوٹ سکے گی۔ بے شک ان بری باتوں (خدا کی ناراضگی، ذلت اور شرم) میں گرفتار ہونے سے پہلے کسی شخص کا مرنا جب کہ وہ حق پر قائم ہو اس بات پر رضامند ہونے سے بہتر ہے کہ ان بری باتوں میں پھنسے اور ان پر قائم رہے۔" (وسائل الشیعہ منقول از کافی)

ابتدائی اور دفاعی جہاد

شرعی جہاد دو قسم کا ہوتا ہے ایک ابتدائی اور دوسرا دفاعی۔ ابتدائی جہاد یہ ہے کہ اسلام کی طرف بلانے اور مسلمانوں کا عدل پھیلانے کے لئے کافروں سے لڑائی شروع کی جائے۔ یہ جہاد پیغمبر اکرمؐ یا امامؑ یا ان کے خاص نائب کے حکم کے بغیر نہیں لڑا جاسکتا۔ اس لئے اس غیبت کبریٰ کے زمانے میں اس قسم کے جہاد کی شرعی اجازت نہیں ہے۔

دفاعی جہاد یہ ہے کہ جب کفار اسلامی ممالک پر حملہ کر کے اسلام کی بنیاد اور نشانات کو مٹا دینا چاہیں یا یہ چاہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر حملہ کر کے ان کا مال و دولت لوٹ لیں اور ان کی جان و مال پر زیادتی کریں تو تمام مسلمانوں پر ان کافروں کے حملے سے بچاؤ اور ان کی زیادتیوں کی روک تھام اور ان سے جنگ واجب ہو جاتی ہے۔ جہاد کی اس قسم میں امام یا ان کے نائب کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔

جہاد کے میدان سے بھاگنا جو ہماری گفتگو کا موضوع ہے کیا پہلی قسم سے مخصوص ہے یا دونوں قسموں سے متعلق ہے۔ اس مقام پر دو رائے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ اس جہاد سے مخصوص ہے جو امام یا ان کے نائب کے حکم سے کیا جائے۔ مثلاً شہید کے غسل و کفن کا ترک جو اس قسم سے مخصوص ہے اور بعض نے یہ بھی کہا

ہے کہ اس کا تعلق دونوں قسموں سے ہے۔ چنانچہ اس مسئلے اور جہاد کے دوسرے تمام مسئلوں کی تحقیق کرنے والے فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔(۱)

۱۔ جہاد سے بھاگنے کے سلسلے میں حضرت امیر المومنین کا غزوات میں وہ ثبات قدم بیان کرنا مناسب ہے جو آپ کی ایک خوبی ہے۔ شیعہ یا سنی کسی کی بھی کتاب میں یہ نہیں ملے گا کہ آپ نے کسی لڑائی کے میدان میں پیٹھ دکھائی ہو۔ خصوصیت سے احد کے غزوے میں تو صرف آپ ہی تھے جو نہیں بھاگے تھے جیسا کہ بحار الانوار کی جلد نہم میں آپ کی بہادری کے بارے میں ابن مسعود کی یہ بات بیان کی گئی ہے اور یہ بھی کہ چودہ صحابہ پلٹ کر آئے اور آنحضرتؐ سے ملے جن میں ابو دجانہ، مقداد، طلحہ اور مصعب تھے اور پھر باقی انصار پلٹے۔ "رسول خدا کو میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ گئے اور علی بن ابی طالب کے سوا جو مشرکوں کی ٹولیوں میں گھس گھس کر اپنی تلوار سے ان کے سر کاٹ رہے تھے سب کے سب اصحاب بھاگ کھڑے ہوئے۔" رسول خدا نے احزاب کے غزوے میں آپ کو کرار غیر فرار کہہ کر آپ کی تعریف کی یعنی علی ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ دشمن پر جھپٹ کر حملہ کرتے ہیں اور کبھی دشمن کے سامنے سے نہیں بھاگے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ کی اس صفت کمالی میں شبہ نہیں ہے اسی طرح ابو بکر اور عثمان کے احد، خیبر، حنین اور ذات السلاسل کے غزوات میں بھاگ کھڑے ہونے پر شیعہ و سنی دونوں کو اتفاق ہے۔ ابن ابی الحدید اپنے مشہور قصیدے میں اس بات کا ذکر کرتا ہے۔

ولیس بنکر فی الحنین فرارہ وفی احد قد فر خوفا و خیبرا

یعنی حنین کی لڑائی کے دن ابو بکر کے بھاگنے پر کوئی تعجب نہیں ہے کیونکہ وہ تو احد اور خیبر میں بھی ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

۲ ہجرت کے بعد اعرابی ہونا

اٹھائیسواں گناہ جسے کبیرہ کہا گیا ہے ہجرت کے بعد اعرابی ہو جانا یعنی اسلام لانے کے بعد جاہلیت کی قدیم حالت کی طرف پلٹ جانا ہے۔ اصول کافی میں ابن محبوب کے صحیحہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس (ابن محبوب) نے اپنے خط میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے گناہان کبیرہ کی تعداد دریافت کی تو آپؑ نے اپنے جواب میں گناہان کبیرہ کی فہرست میں لکھا: "والتعرب بعد الھجرۃ" اور محمد بن مسلم بھی حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے تعرب بعد ہجرت کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ امام علی علیہ السلام کی کتاب میں گناہان کبیرہ کے سلسلے میں تعرب بعد ہجرت کا ذکر ہے بلکہ آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اعرابی ہو جانا اور شرک ایک ہی چیز ہے۔ (اصول کافی باب الکبائر)

تعرب بعد الہجرۃ کیا ہے؟

ہجرت کے بعد اعرابی ہو جانا۔ اعرابی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو دیہات میں رہتے ہیں اور دین اور اس کے طور طریقوں سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں اور ہجرت دیہات چھوڑ کر اسلام کے مرکز میں آنے، پیغمبر اکرمؐ یا ان کے وصی کی خدمت میں خدا کا دین قبول کرنے اور دین کے احکام اور مسئلے سیکھنے کو کہتے ہیں اور تعرب بعد ہجرت یہ ہے کہ جو کچھ سمجھنا چاہئے اسے سیکھنے اور یاد کرنے سے پہلے اپنی پچھلی جہالت، نادانی اور دیانت سے غفلت کی حالت پر پلٹ جائے۔

اسلام کے آغاز میں دین کی جو باتیں لازم تھیں انہیں سیکھنے کیلئے پیغمبر اکرمؐ

کی طرف ہجرت کرنا (آنا) واجب تھا اور ایسی صورت میں جب کہ کفار اسلامی رسم و رواج قائم کرنے میں مزاحم ہوتے تھے۔ مثلاً جب مسلمان نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یا ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتے تھے اس وقت کافروں کے علاقوں میں رہنا حرام تھا جیساکہ سورۃ نساء میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (آیات ۹۶ تا ۹۹)

تم نے ہجرت کیوں نہیں کی؟

تفسیر منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ قیس بن فاکہہ اور قیس بن ولید جیسے مسلمانوں پر مشتمل ایک جماعت نے جو ظاہر میں لا الہ الا اللہ کہتی تھی امکان اور طاقت کے باوجود مکے سے مدینے کو ہجرت نہیں کی اور جب قریش کے سردار بدر کی جانب بڑھے تو یہ لوگ کافروں کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچے اور مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے۔ خدا نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: "جب فرشتے ان لوگوں کی جنھوں نے ہجرت نہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا جان لیتے تھے تو انہیں ملامت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ تم اپنے دین کا کونسا کام کر رہے تھے اور مشرکوں اور کافروں کے کس گروہ کے ساتھ تھے تو یہ لوگ عذر پیش کرتے تھے کہ مکے کی سرزمین میں ہم کمزور اور مجبور لوگ تھے اور کفار ہم پر غالب تھے۔ نہ ہم ہجرت کر سکتے تھے اور نہ اسلام کا کلمہ بلند کر سکتے تھے۔ فرشتے انہیں جھٹلانے کو کہتے تھے کیا خدا کی زمین اتنی وسیع نہیں تھی جو تم وہاں سے کسی دوسری طرف ہجرت کر جاتے جس طرح کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کا جن کے پاس ہجرت نہ کرنے کے لئے کوئی معقول عذر نہیں تھا مسکن دوزخ ہے اور یہ ان لوگوں کی واپسی کے لئے بری جگہ ہے۔" اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس جگہ سے ہجرت واجب ہے جہاں اسلامی طریقوں کے مطابق دین قائم نہ ہو سکے۔

حضرت رسول خدا سے روایت ہے کہ جو شخص دین کی خاطر اپنی جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ بھاگ جاتا ہے چاہے وہ ذرا سے فاصلے ہی پر کیوں نہ ہو اس پر بہشت واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے باپ کے دوست ابراہیمؑ اور اس کے پیغمبر محمدؐ ہوں گے۔ (منہج الصادقین)

الا المستضعفین ...... یعنی جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی کمزور ہیں، کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور مدینے کا راستہ اور مکے سے نکلنے کا راستہ نہیں جانتے ان کو شاید خدا معاف کر دے کیونکہ خدا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ مکے میں بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ہجرت کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ جب ہجرت نہ کرنے پر دھمکی دینے والی آیت نازل ہوئی اور ان تک پہنچی تو جندع بن ضمرہ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگرچہ میں بوڑھا اور بیمار ہوں لیکن ان کمزوروں اور مجبوروں میں نہیں ہوں جنہیں حق تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا ہے کیونکہ میں چل سکتا ہوں اور مدینے کا راستا بھی جانتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو میں اچانک مر جاؤں اور ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے میرا ایمان خراب ہو جائے۔ میں جس تختے پر سویا ہوں اسی پر مجھے باہر نکالو۔ اس کے بیٹے اس کے حکم کے مطابق اسے لے چلے۔ جب تنعیم کی منزل پر پہنچے تو جندع پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چنانچہ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کہا: اے خدا! یہ تیرا ہاتھ ہے اور یہ رسول کا ہاتھ ہے۔ میں اسی بات پر تیری بیعت کرتا ہوں جس بات پر تیرے رسول نے تیری بیعت کی ہے۔ (منہج الصادقین) اس کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جب اس کی خبر مدینے میں پہنچی تو کچھ صحابہ کہنے لگے اگر جندع مدینے پہنچ گیا ہوتا تو اس کے حق میں بہتر ہوتا کیونکہ اسے مہاجرت کا ثواب مل جاتا۔

خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سورۃ نساء آیت ۱۰۰) اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول طرف ہجرت کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور پھر راستے میں مر جاتا ہے تو اس کا اجر خدا کے ذمے ہے اور خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ تفسیر منہج الصادقین کا اقتباس ختم ہوا۔

پیغمبر اکرمؐ کے بعد اعرابی ہو جانا

آیتوں کے مطابق احکام دین سیکھنے کے لئے پیغمبرؐ کی طرف ہجرت واجب تھی۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے جو کفر کے علاقوں میں نماز اور روزے جیسی اپنی مذہبی رسوم عبادات انجام نہیں دے سکتے تھے یہ واجب تھا کہ اپنے مقام سے ہجرت کر جائیں ابتدا میں ہجرت نہ کرنا اور ہجرت کرنے کے بعد اپنی پہلی حالت پر پلٹ جانا حرام اور گناہ کبیرہ تھا جسکی سزا آتش جہنم مقرر کی گئی تھی جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔

رسول خداؐ کے بعد ائمہ کی طرف ہجرت واجب تھی تاکہ احکام سیکھیں اور خدا کا دین سمجھیں جس کی اہم چیز امام کی پہچان ہے۔ تعرب امام کی معرفت حاصل کرنے اور ان سے دینی فرائض سیکھنے کی غرض سے امام کی طرف ہجرت نہ کرنے کو کہتے ہیں اور تعرب بعد الہجرت کا مطلب ہے امام کو پہچاننے کے بعد ان سے پھر جانا جیسا کہ صدوق نے حذیفہ بن منصور سے روایت کی ہے کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے تھے: "ہجرت کے بعد اعرابی ہونے والا امام کو پہچاننے کے بعد ان کی ولایت اور پیروی ترک کرنے والا ہے۔" (معانی الاخبار صفحہ ۷۷)

فقیہ کی طرف جانا چاہیے

دو گروہوں پر ہجرت واجب ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو دین کے مسائل اور احکام سے بے خبر ہیں اور جس جگہ رہتے ہیں وہاں کوئی دینی عالم نہیں ہے جس کے

پاس جائیں۔ انہیں ایسی جگہ جانا چاہئے جہاں وہ کسی دینی عالم تک پہنچ سکیں اور اس سے ضروری مسئلے پوچھ اور سیکھ سکیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو کفر کے علاقوں میں آباد ہیں اور کفر و مشرکین کی مزاحمت اور رکاوٹوں کے باعث اپنے دینی فرائض کی انجام دہی سے مجبور ہیں۔ ان کے لئے واجب ہے کہ وہ ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں انہیں دینی آزادی حاصل ہو۔ شیعوں کے فقیہوں نے اس بات کی صراحت کردی ہے۔(۱)

اس سلسلے میں واضح ہے کہ جس طرح پچھلی آیت (الا المستضعفین) کے معنی میں بیان ہو چکا ہے کہ ہجرت اس وقت واجب ہوتی ہے جب ہجرت کی طاقت اور استطاعت موجود ہو اور اگر کسی بیماری یا مفلسی یا بڑھاپے کی شدت کے باعث ہجرت پر قادر نہیں ہے تو ہجرت واجب نہیں ہے۔

ہجرت ہمیشہ واجب رہتی ہے

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا ہجرت واجب رہتی ہے اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہو سکتا جب تک سورج مغرب سے نہ نکلے (یعنی ہجرت کا حکم قیامت تک باقی ہے)(مسالک)۔ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ ہجرت کا حکم جب تک خدا اہل زمین سے اطاعت اور بندگی چاہتا رہے گا اسی حد پر باقی رہے گا جس حد پر رسول خداؐ کے زمانے میں تھا (یعنی جب تک فرض باقی ہے ہجرت کا حکم بھی رہے گا) (والهجرة قائمة على حدها الاول ما كان لله فى اهل الارض من حاجه)۔

۱۔ دیکھئے علامہ کی کتاب قواعد اور منتہی، شہید اول کی کتاب لمعہ، شہید ثانی کی کتاب شرح لمعہ اور مسالک اور محقق کی کتاب جہاد۔

اب مکے سے ہجرت نہیں ہو سکتی

شہید ثانی علیہ الرحمۃ مسالک میں فرماتے ہیں: اس حدیث سے جو پیغمبر سے روایت کی گئی ہے (لا هجرة بعد الفتح) یعنی مکے سے فتح کے بعد ہجرت نہیں ہو گی خاص مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا مراد ہے۔ یعنی جب مکہ مشرکوں کے قبضے سے نکل گیا اور اسلام کا مرکز بن گیا تو اب اس سے ہجرت کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہی البتہ دوسرے علاقوں سے جو کفار کے قبضے میں ہیں اور جہاں مسلمان اپنے مذہبی فرائض انجام نہیں دے سکتے ہجرت بدستور واجب ہے۔ کچھ اور لوگوں نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث فتح مکہ کے بعد وہاں سے ہجرت کی فضیلت سے اسی قدر انکار کرتی ہے جس قدر پچھلے زمانے میں فتح مکہ سے پہلے انفاق اور جہاد کی فضیلت تھی (سورۃ حدید آیت ۱۰) کیونکہ قرآن مجید کی آیات کے مطابق جو لوگ پہلے انفاق اور جنگ کرتے تھے فضیلت رکھتے تھے۔ مزید وضاحت اور افادیت کی خاطر بعض عالموں نے تعرب کے مسئلے کے متعلق جو باتیں کہی ہیں ان میں سے کچھ یہاں بیان کی جاتی ہیں:

واجب، مستحب اور مباح ہجرت

۱۔ علامہ حلی علیہ الرحمۃ کتاب منتہی میں فرماتے ہیں کہ ہجرت کی تین قسمیں ہیں: واجب، مستحب اور مباح۔ ہجرت اس شخص پر واجب ہے جو مسلمان ہو، کفار کے علاقے میں رہتا ہو، کفار کی مزاحمت کی وجہ سے دینی فرائض انجام نہ دے سکتا ہو اور ہجرت کرنے میں بیماری جیسی کوئی رکاوٹ بھی نہ رکھتا ہو جیسا کہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ (سورۃ نساء آیت ۹۶ تا ۹۹، جیسا کہ بیان کیا گیا)۔ ہجرت اس مسلمان کے لئے مستحب ہے جو کفر کے علاقے میں آباد ہے لیکن وہ اپنا دین ظاہر کر سکتا ہے اور اپنے فرائض دینی انجام دے سکتا ہے اور ہجرت میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں رکھتا اور جو

ہجرت کرنے میں کوئی رکاوٹ رکھتا ہے تو اس کے لئے مستحب بھی نہیں ہے (بلکہ مباح ہے)۔

عام علاقوں سے ہجرت نہیں ہو سکتی

۲۔ شرح لمعہ اور جامع المقاصد میں شہید اول سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ: جس طرح کسی مسلمان پر جو کفار کے علاقے میں پھنسا ہوا ہے اور ہجرت کر سکتا ہے واجب ہے کہ ہجرت کرے اسی طرح اس شیعہ پر بھی جو مخالفوں (سنیوں) کے علاقے میں چلا جائے۔ لیکن ان کا قول حتمی نہیں ہے کیونکہ شیعہ کو (ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے اور سر اور پاؤں کا مسح کرنے جیسی) شیعوں کی مخصوص رسوم کو چھوڑ کر مخالفوں کے علاقے میں اسلامی رسوم کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ غالباً مخالفوں کے علاقے میں رہنے سے ان رسوم کا چھوڑ دینا لازم نہیں آتا اور جب عمل کرتے وقت کسی خطرے کے پیش آنے کا شبہ ہو تو تقیہ کر لینا چاہئے اور عام لوگوں کی طرح عمل کرنا چاہئے اس کا عمل ہمارے مذہب کے مطابق بھی صحیح ہوگا۔ ایسی کوئی روایت نظر نہیں آئی جو شہید سے منسوب اس قول کے مطابق ہو بلکہ ائمہ طاہرینؑ سے بہت سے روایتیں ایسی ملی ہیں کہ تقیہ کر لینا چاہئے، عام لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا اور ان کی جماعت میں مل کر رہنا چاہئے۔

شہید کے قول پر بحث

کچھ علماء شہید کے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس حدیث سے دلیل دیتے ہیں جو شیخ، محمد بن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام صادقؑ سے پوچھا کہ ایک شخص اپنے سفر کے دوران میں کسی ایسی جگہ پہنچ گیا ہے جہاں نہ مٹی ہے نہ پتھر اور چاروں طرف برف ہی برف ہے اور اس پر غسل جنابت بھی واجب ہے

اب ایسے میں اس پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: "اسی برف سے تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور آئندہ کے لئے اس کی بہتری اسی میں ہے کہ پھر کبھی ایسی جگہ نہ پہنچے جہاں اس کے دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔" (وسائل الشیعہ کتاب الطھارۃ فی التیمم باب ۹ صفحہ ۱۸۵)

جب اس حدیث میں امام ایسی جگہ جانے سے منع فرماتے ہیں جہاں وضو یا غسل نہیں ہو سکتا تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر ایسے مقام پر بھی نہیں ٹھہرنا چاہئے جہاں شیعہ مذہب کے مطابق وضو یا غسل نہ ہو سکے لیکن یہ دلیل کافی نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ایسے مقام پر جانے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے جہاں یہ یقین ہو کہ ایک خدائی واجب فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا لیکن مخالفوں کے علاقے میں رہنے سے تقیے کا صرف امکان ہے تقیے کی ضرورت یقینی نہیں ہے اور اس کی امکانی صورت میں بھی عمل کا ایک بدل موجود ہے یعنی تقیے کی رو سے عام مذہب کے مطابق عمل کرنا جو تقیے کی دلیلوں کے لحاظ سے صحیح اور کافی ہے البتہ اگر مخالفوں کے علاقے سے ہجرت کر جانے میں زیادہ خوبی ہو تو وہ مستحب ہو سکتی ہے۔ مثلاً اس مقام پر اماموں کی ولایت کا اظہار نہ کر سکتا ہو جو دوسری جگہ ممکن ہو۔

کفر کے علاقوں میں ولایت کی تبلیغ

صماد السمدری نے حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں کفر کے علاقے میں جاتا ہوں اور وہاں ٹھہرتا ہوں مجھ سے بعض مؤمن کہتے ہیں کہ یہ بات اچھی نہیں ہے کیونکہ اگر تو کفر کے مقام پر مر گیا تو تیرا حشر کافروں کے ساتھ ہی ہو گا۔ آپ نے فرمایا: "اے صماد! جب تو غیر اسلامی علاقے میں جاتا ہے تو کیا اس وقت ہم اہلبیتؑ کی ولایت کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کی سچے دین کی طرف رہنمائی کرتا

ہے؟" اس نے کہا: "جی ہاں! وہاں مجھے مکمل آزادی ہے اور وہاں کے لوگ سچ بات سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔" امام نے فرمایا: "اگر تو اسلامی ملک میں رہے کیا تب بھی تجھے یہ آزادی حاصل ہوتی ہے، کیا تو حکم الہی ظاہر کر سکتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتا ہے؟" وہ بولا: "اے مولا! میں نہیں کر سکتا یعنی تقیہ سخت ہے۔ کسی کو آپ اہلبیتؑ کا نام تک لینے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔" امام نے فرمایا: "اگر تو باہر کے ملکوں میں جا کر مر جائے گا تو قیامت میں تو ایک پوری امت کی طرح محشور ہو گا۔ (یعنی ایک شخص جو ایک بہت بڑی قوم کے برابر ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ جو امت واحدہ ہیں) اور اس دن تیری پیشانی تیرے ایمان کے نور سے چمکے گی۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد صفحہ ۴۴۰)

۳۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ شرح کافی میں فرماتے ہیں: خیال یہ ہے کہ تعرب بعد الہجرت اعرابیت اختیار کرنے اور ہجرت واجب ہونے اور اس کا حکم نازل ہونے کے بعد ہجرت نہ کرنے کے برابر ہے جس طرح سود کے حرام ہونے کا حکم اس کا حکم ظاہر ہونے کے بعد۔ بہر حال ابتدا میں ہی ہجرت نہ کرنا یا ہجرت نہ کرنے کے بعد اعرابیت کی طرف پلٹ جانا ایسا گناہ ہے جس کے لئے خدا نے قرآن مجید میں آتش جہنم کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اعرابیت اور تعرب بعد الہجرۃ کے معاملے

اس گفتگو کی ابتدا ہی میں ذکر ہو چکا ہے کہ بدو اور صحرا نشین عربوں کو اعراب کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اسلامی مرکز سے دور ہونے اور مسلمانوں کے معاشرے میں نہ رہنے کے باعث دین کی باتیں جاننے اور مسائل اور احکام کو سننے، سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے محروم رہتے ہیں اس لئے خداوند عالم قرآن مجید میں

ان کی مذمت کرتے اور انہیں جھڑکتے ہوئے فرماتا ہے: "بدو عرب کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ خدا نے جو کچھ اپنے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے اس کے حدود نہ سمجھ پائیں اور خدا تو بڑا دانا حکیم ہے۔" (سورۃ توبہ آیت ۹۷) اور پھر فرماتا ہے: "اور کچھ گنوار دیہاتی ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ صدقہ دیتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں زمانے کی گردشوں کے منتظر ہیں، انہیں پر زمانے کی بری گردش پڑے اور خدا تو سب کچھ سنتا جانتا ہے۔" (سورۃ توبہ آیت ۹۸) مزید فرماتا ہے: "اور کوئی دیہاتی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے خدا کی قربت کا ذریعہ سمجھتا ہے، آگاہ رہو یہ خیرات ضرور ان کے تقرب کا باعث ہے۔ خدا انہیں بہت جلد اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورۃ توبہ آیت ۹۹)

دین کے احکام سے ناواقفیت اعرابیت ہے

ان دونوں آیتوں سے جو اعراب کی مذمت میں ہیں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعرابیت (بدوپن) اپنی جگہ کوئی ناپسندیدہ یا بری بات نہیں ہے بلکہ اس کی مذمت ایمان نہ رکھنے، خدائی احکام نہ جاننے اور ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جیسا کہ تیسری آیت میں بیان ہوا ہے۔ جو اعراب ایمان پر قائم رہے اور جنہوں نے دینی احکام پر عمل کیا ہے ان کی خدا نے تعریف کی ہے اور ان کیلئے رحمت کا وعدہ کیا ہے۔

اس لحاظ سے جو مسلمان دینی باتیں جاننے اور شرعی مسئلے سیکھنے سے گریز کرتا ہے اور جن دینی جلسوں میں دینی مسئلے اور دینی باتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں شرکت سے کتراتا ہے درحقیقت متعرب (اعرابی) ہو گیا ہے اور جو کچھ اعرابی ہونے کی مذمت میں آیا ہے وہ اس پر بھی صادق آتا ہے چاہے وہ شہر میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "دینی مسائل جاننے کی کوشش کرو۔ بے شک تم میں سے جو کوئی دینی باتیں نہیں جانتا وہ اعرابی ہے۔ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس بات کے لئے سفر کیوں نہیں کرتے کہ وہ دینی مسائل کا علم حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرائیں۔ شاید وہ لوگ (خدائی احکام کی مخالفت سے) ڈر بھی جائیں۔ (بحارالانوار کتاب العقل) اس لحاظ سے اعرابی وہ شخص ہے جو اصل ایمان حاصل نہیں کرتا اور دینی فرائض نہیں پہچانتا۔"

آپؑ اپنے اصحاب سے یہ بھی فرماتے تھے کہ خدا کرے تم خدا کے دین سے واقف ہو جاؤ اور اعرابی نہ رہو کیونکہ جس نے دینی احکام کا علم حاصل نہیں کیا خدا قیامت میں اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا اور اس کے عمل کو پاک نہیں کرے گا۔ (منیہ المرید تالیف شہید اول)

سیکھنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنا بھی اعربیت ہے

محدث فیض کتاب وافی میں لکھتے ہیں: کچھ بعید نہیں جو اعرابی کسی ایسے شخص کی بھی تصدیق کر بیٹھے جو شرعی آداب اور سنتیں سیکھ کر انہیں چھوڑ دے اور ان پر عمل نہ کرے اور اس بات کے ثبوت میں وہ حدیث جو حضرت امام صادقؑ سے نقل کی گئی ہے (صفحہ ۱۵۳ التارك لهذا الامر) پیش کرتے ہیں اور مجلسیؒ بھی شرح کافی میں فرماتے ہیں۔ کچھ شیعہ فقیہوں نے کہا ہے کہ ہمارے زمانے میں "تعرب بعد الهجرة" یہ ہے کہ ایک شخص دینی علوم حاصل کرنے لگے پھر اس طرح چھوڑ دے کہ علم دین سے بالکل ہی بے بہرہ ہو جائے۔

امیرالمؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ہجرت کی حالانکہ اس نے ہجرت نہیں کی ہے۔ دراصل ہجرت کرنے والے وہ لوگ

ہوتے ہیں جو گناہوں کو ترک کر دیتے ہیں اور ان کے پاس نہیں پھٹکتے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے خدا کی راہ میں جہاد کیا حالانکہ وہ جہاد کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ دراصل جہاد خدا کی حرام کی ہوئی باتوں سے دور رہنا اور دشمن خدا سے لڑنا ہے۔ کبھی لوگ جہاد میں بھی شامل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا مقصد حکم الہی کی اطاعت اور اس کی رضامندی نہیں ہوتا۔ ان کی نظر صرف لوگوں میں شہرت حاصل کرنے پر ہوتی ہے تاکہ لوگ ان کی بہادری کی تعریف کریں۔ (بحار الانوار جلد ۱۵، باب ترک العجب صفحہ ۱۷۷)

لاعلمی اور جہالت کا ویرانہ

جتنی آیتیں، روایتیں اور فقیہوں کی باتیں بیان ہوئیں ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تعرب سے مراد ہے خدائی تعلیمات اور انسانی کمالات سے ناواقفیت کے ویرانے میں رہنا، ہمیشہ کی نیکی سے محرومی، دنیا کی فنا ہونے والی زندگی پر قناعت، حیوانی خواہشات سے دل خوش کرنا، خدا کی معرفت حاصل کرنے اور نیکی تک پہنچنے کی حالت میں نہ ہونا، کسی گناہ اور ایسے خراب کام سے پرہیز نہ کرنا جو آخرت کے عذاب کا سبب ہو سکتا ہے اور ایسے نیک کام کی طرف توجہ نہ کرنا جس سے ہمیشہ کا ثواب ملتا ہے تعرب ہے۔ ہجرت حقیقت میں اس حالت کی ضد ہے اور تعرب بعد ہجرت آگاہی کے بعد حالت اعرابی کی طرف پلٹ جانا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس نیک عمل سے مدت تک متعلق رہا ہو اسے ترک کر دینا اور منہ موڑ لینا تعرب بعد ہجرت کی ایک قسم ہے البتہ تعرب کی یہ قسم اس صورت میں حرام ہے جب کہ اس نیک کام کو جان بوجھ کر ترک کر دیا ہو سستی یا رکاوٹوں کی وجہ سے نہ چھوڑا ہو۔

ہاں مناسب یہ ہے کہ انسان جس نیک کام سے کچھ دن تک وابستہ رہا ہے

اسے جہاں تک ہو سکے ترک نہ کرے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جس نیک کام کی مجھے عادت پڑ گئی ہے اسے میں جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے دن میں چھوٹ جاتا ہے تو رات کو اس کی قضا ادا کرتا ہوں اور جو مجھ سے رات میں چھوٹ جاتا ہے تو میں اسے دن میں بجالاتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ایک سب سے اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ جاری رہے۔ واقعی ہفتے بھر کے اعمال ہر جمعرات کو، ہر مہینے کے اعمال اس کے اخیر میں اور سال بھر کے اعمال ۱۵ شعبان کو امام کے حضور میں پیش ہوتے ہیں اس لئے جب تم کسی نیک کام میں مشغول ہوئے ہو تو اسے پورے سال جاری رکھو۔ یعنی کم سے کم ایک سال تک کرتے رہو۔ (بحار الانوار)۔

مذہبی علوم کو چھوڑ بیٹھنا

ایک بار مذہبی علوم کی تعلیم شروع کرنے کے بعد اسے جاری نہ رکھنے کو بعض بزرگوں نے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ "تعرب بعد الهجرت" کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ یہ اس صورت میں حرام ہے جب کہ مذہبی علوم کا حصول اس شخص پر واجب ہو جس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان ہو چکی ہے۔ دوسری صورت میں بھی انسان کو چاہئے کہ آخر عمر تک اسے ترک نہ کرے (۱) اور نیک نیتی اور قربت الی اللہ کے ارادے سے بہترین کام میں مشغول رہے تاکہ دنیا و آخرت میں اس کی عظیم برکتوں سے محروم نہ رہے۔

۱۔ اطلب العلم من المهد الی اللحد۔ گہوارے سے گور تک علم حاصل کرتے رہو۔

۳ ظالموں کی مدد

انتیسواں گناہ کبیرہ دشمنوں کی مدد کرنا ہے جیسا کہ گناہان کبیرہ کی بابت فضل بن شاذان نے حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے جس میں بتایا گیا ہے: "ومعونة الظالمین والرکون الیھم" ظالموں کی مدد کرنا اور ان سے ملاپ رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت امام صادقؑ سے اعمش نے بھی روایت کی ہے: "وترك اعانه المظلومین" یعنی مظلوم پر ہونے والا ظلم دور کرنے میں اس کی مدد نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے پھر تو ظلم کرنے میں ظالم کی مدد کرنا اس سے بھی پہلے گناہ کبیرہ ہوگا۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "ظالم بادشاہوں کے کاموں میں شریک ہونا، ان کی مدد کرنا اور ان کے مقاصد کے حصول میں دوڑ دھوپ کرنا کفر کے برابر ہے ان کو عمداً دیکھنا گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا جہنم ہوگی۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۴۵)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "میں نے شب معراج جہنم کے دروازوں پر لکھی ہوئی باتوں میں سے ایک بات یہ پائی کہ ظالموں کی مدد نہ کرو۔" (وسائل الشیعہ) یعنی اگر تو جہنم میں نہیں جانا چاہتا تو ظالموں کی مدد نہ کر۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کے عوض میں خدا نے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: "جنہوں نے ظلم کیا ہے ان سے نہ ملو کہ ایسا نہ ہو جو دوزخ کی آگ تمہارے دامن تک پہنچے۔ خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست تمہیں عذاب سے نہیں بچا سکتا تو تم بے یار و مددگار نہ رہ جانا۔" (سورۂ ہود آیت ۱۱۳)

تفسیر منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ: "اس آیت میں جس "رکون" سے

منع کیا گیا ہے اس کے معنی کم سے کم توجہ کے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی طرف ذرا سے بھی مائل نہ ہونا جنھوں نے خود اپنے آپ پر اور غیروں پر ظلم کیا ہے کیونکہ ان کا عزت کے ساتھ ذکر کرنا، ان سے خلا ملا رکھنا، ان سے محبت کرنا، ان سے انعامات کا لالچ رکھنا یہ سب ظالم کی طرف میلان میں شمار ہے اور اس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ ان کی طرف زیادہ جھکنا ان کے ظلم و ستم میں ان کی مدد کرنے، ان سے رضامند ہونے اور ان کے ظلم میں شریک ہونے کے برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "جس نے ظالم کو درازی عمر کی دعا دی اس نے زمین پر خدا کی نافرمانی پسند کی۔"

مدارک الاحکام کے مصنف جناب سید محمد کے حالات زندگی کے ذیل میں روضات الجنات میں لکھا ہے: "انہوں نے معالم الاصول کے مصنف جناب شیخ کے ساتھ یہ ارادہ کیا کہ حضرت امام رضاؑ کے مرقد مطہر کی زیارت کے لئے نجف اشرف سے ساتھ ساتھ روانہ ہوں لیکن جب انہیں خبر ملی کہ اس وقت شاہ عباس صفوی مشہد میں مقیم ہے تو انہوں نے زیارت کا سفر منسوخ کر دیا۔" سید بحر العلوم کے حالات میں بھی لکھا ہے: "جس وقت شوستر کے گورنر نے آپ کے لئے اپنی انکساری کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں اس کی طرف جھکاؤ پیدا ہو جانے سے قبل اس کے کہ مجھ پر اس آیت کا اطلاق ہو جائے مجھے بھاگ جانا چاہئے اس لئے وہ دزفول سے عراق میں جا کر اپنی آخر عمر تک وہاں مقیم رہے۔" بعض بزرگان دین کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظالموں سے بات چیت کرنے، خط و کتابت کرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے کہ ظالم کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور ان کی تعریف نہ کریں۔"

کتاب فوائد الرضویہ کے صفحہ ۲۳ پر محدث جزائری سے منقول ہے کہ ایک شخص نے شاہ عباس صفوی کا بہت بڑا قصور کیا تھا۔ اس نے بادشاہ کے ڈر سے امیر المؤمنینؑ کے روضۂ اقدس پر جا کر پناہ لی اور ملا احمد مرحوم (مقدس اردبیلی) سے درخواست کی کہ وہ بادشاہ کو خط لکھ دیں تا کہ وہ میرا قصور بخش دے اور مجھے سزا نہ دے۔ ان مرحوم نے شاہ عباس کو یہ لکھا: "عارضی ملک کے مالک عباس کو معلوم ہو کہ اگرچہ یہ شخص پہلے ظالم تھا لیکن اب مظلوم نظر آتا ہے اس لئے اس کا قصور معاف کردو شاید خدا تمہارے بھی کچھ گناہ بخش دے۔ شاہ ولایت کا غلام احمد اردبیلی۔" ان مرحوم کو بادشاہ کا جواب یہ تھا: "عباس عرض کرتا ہے کہ آپ نے جس خدمت کے لئے فرمایا تھا وہ اس نے جان و دل سے انجام دے دی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس دوست کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ سگِ درگاہ علی عباس۔"

تاریخ خیرہ سے نقل ہے کہ ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی کو آخرت کے مرحلے اور روز قیامت کے حساب کا بہت خیال رہتا تھا اور اس لئے ہمیشہ فکر مند رہتا تھا۔ اس کے باوجود کہ اپنی وزارت کی پوری مدت میں وہ کمزوروں کی فریاد رسی، دانشمندوں کی مدد اور شعائر دینی کی تعظیم کرتا رہا آخر میں اس نے یہ سوچا کہ اس نے اپنی وزارت کے زمانے میں لوگوں سے جو اچھا سلوک کیا ہے اس کے متعلق ایک گواہی نامہ مرتب کرے جس پر بڑے بڑے مسلمان گواہی میں اپنے اپنے دستخط کریں اور وہ اسے اپنے کفن میں رکھوائے۔ ممکن ہے کہ اس طرح اس کی نجات ہو جائے۔ کچھ بزرگوں نے اس کے حسن سلوک کے بارے میں اپنی گواہی لکھ دی لیکن جب گواہی نامے کا یہ کاغذ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے مدرس شیخ ابو اسحٰق کے پاس پہنچا تو اس نے یہ لکھا: "خیر الظلمه حسن. کتبه ابو اسحق" یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ

حسن خواجہ نظام الملک) اچھے ظالموں میں سے ہے۔ جب ابو اسحٰق کی تحریر خواجہ نے پڑھی تو بہت رویا اور بولا: "صحیح اور سچی بات یہی ہے جو ابو اسحٰق نے لکھی ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ ظالموں کی مدد کرنا بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اب جو کچھ ضروری ہے وہ اس کا جان لینا اور ظالم اور ظلم کی قسموں اور ہر ایک کے بارے میں حکم کا سمجھ لینا ہے۔

ظالموں کی قسمیں

ظلم کا مطلب ہے خدا کی لگائی ہوئی پابندیاں توڑ دینا اور ان باتوں کی مخالفت کرنا جو عقل اور شرع نے طے کر دی ہیں اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے:

ا۔ خدا کے بارے میں خدا کی حدود توڑ دینا۔ مثلاً مشرک ہونا جیسا کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے: "سچ مچ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔" (سورۂ لقمان آیت ۱۳) یا خدا کی نشانیوں کو جھٹلانا جیسا کہ وہ فرماتا ہے: "ان سے انکار کرنے والے ظالم ہیں۔" (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۴) اور جس بات پر عقل اور شرع کی رو سے اعتقاد رکھنا واجب ہے اس کو پورے طور پر قبول نہ کرنا اور نہ ماننا ظلم ہے اور خدا کے حکم کو نہ ماننا اور اس پر عمل نہ کرنا اور خدا کی پابندی کی اس حد تک خلاف ورزی کرنا کہ واجب کو ترک کر دے اور حرام کا ارتکاب کر بیٹھے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: "جو لوگ خدا کی پابندیاں توڑ دیں وہ ظالم ہیں۔" (سورۂ لقمان آیت ۲۲۹) غرض ایسے تمام موقعوں پر انسان نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: "یہ لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔" (سورۂ فاطر آیت ۳۲)

۲۔ دوسروں کے بارے میں خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اور وہ ہے دوسرے کو ستانا اور دکھ دینا اس کی ذات کے لحاظ سے جیسے مارنا، مار ڈالنا، اور قید کر دینا

یا عزت و آبرو کے لحاظ سے جیسے گالی دینا، غیبت کرنا، الزام لگانا اور بے عزتی کرنا یا مال کے لحاظ سے جیسے مالک سے اس کا مال کسی استحقاق کے بغیر لے لینا یا اس کا جو حق ثابت ہو چکا ہے وہ نہ دینا اور تمام ناجائز قبضے جن میں سب سے بڑا خلافت کے منصب کا دبا بیٹھنا ہے جو اہلبیتؑ کا واضح حق تھا لیکن ظالم خلیفاؤں، بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں نے دبا لیا اور اس کی مثال انصاف کی کرسی پر عادل مجتہد کے سوا کسی اور کا بیٹھنا ہے۔ ایسا ظالم بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کا پیشہ اور وطیرہ ہی ظلم ہوتا ہے جیسے ظالم حاکم اور رہزن اور دوسرا وہ جس سے دوسرے پر اتفاقاً ظلم ہو جائے۔ مذکورہ بالا ہر قسم کے بارے میں احکام شریعت جاننے کے لئے چار وضاحتیں کی جاتی ہیں:

(ا) ظالم کے ظلم میں شرکت

اس ظالم کے ظلم میں مدد کرنا جس کا پیشہ ہی ظلم کرنا ہے بلاشبہ گناہ کبیرہ ہے۔ مثلاً اس کے ہاتھ میں کوڑا دے دیا جائے کہ مظلوم کو مارے یا اسے قلم دے دیا جائے کہ ظلم کا حکم لکھ دے یا ظلم کے حکم پر دستخط کر دے یا مظلوم کو پکڑ لے تاکہ ظالم اسے مارے یا مار ڈالے یا قید کر لے وغیرہ وغیرہ۔

شیخ انصاری علیہ الرحمہ مکاسب محرمہ میں فرماتے ہیں: "ظالموں کی اس ظلم میں مدد کرنا جو وہ توڑتے ہیں چار قسم کی دلیلوں (قرآن، سنت، عقل اور اجماع) سے ثابت ہوتا ہے اور وہ گناہ کبیرہ ہے۔

عقلی دلیل: ایسی صورت میں جب کہ ظالم کا اگر کوئی مددگار نہ ہو تو وہ ظلم نہ کر سکے عقل حکم دیتی ہے کہ اس شخص کی مدد کرنا حرام ہے اور وہ اسے اور ظالم دونوں کو بد اعمالی، ذمہ داری اور جواب دہی میں برابر سمجھتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ عقل حکم دیتی ہے کہ ظالم جو ظلم کرتا ہے اس میں اس کی مدد کرنا حرام ہے۔

اجماع کی دلیل: فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقیہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے اور اجماعی مسئلہ ہے کہ ظلم کرنے میں ظالم کی مدد کرنا حرام ہے۔

قرآن سے بھی اس کا حرام ہونا ثابت ہے اور اس کے لئے یہ گزری ہوئی آیت کہ: "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا" کافی ہے اور خوب واضح ہے کہ جب ظالم کی طرف ذراسا میلان اور جھکاؤ بھی حرام ہوتا ہے تو ظلم میں اس کی مدد کرنا کہیں بڑھ کر حرام ہوگا کیونکہ ظالم کی مدد کرنا میلان طبع کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ سورۂ مائدہ میں بھی حکم ہے: "ظلم اور گناہ میں مدد نہ کرو اور خدا کے عذاب سے ڈرتے رہو کیونکہ خدا سخت سزا دینے والا ہے۔" (آیت ۲)

ظالم کی مدد اور اہلبیتؑ کی روایتیں

اس بارے میں بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ چنانچہ انصاری نے کتاب ورام سے رسول خداؐ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص یہ جانتے بوجھتے کسی ظالم کی مدد کرنے جاتا ہے کہ وہ ظالم ہے، وہ یقیناً دین سے خارج ہے۔" (من مشی الی ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج عن الاسلام) اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی شخص کو ایمان اور اسلام سے خارج کردیتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے جو ہلاک کردینے والا ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جب قیامت کا دن آئے گا تو منادی آواز دے گا: "ظالم کہاں ہیں؟ ظالموں کے مددگار کہاں ہیں؟ ظالموں سے ملتے جلتے لوگ کہاں ہیں؟ ایسا شخص بھی جس نے ظالموں کے لئے قلم چھیلا ہو یا دوات تیار کی ہو جس سے وہ ظلم کا حکم لکھے۔" پھر وہ سب کے سب لوہے کے ایک تابوت میں بند کر کے

آتش جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔" (وسائل الشیعہ)

حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو کوئی کسی ظالم بادشاہ کو کسی مظلوم کے مارنے کے لئے کوڑا پیش کرے گا خداوند عالم اس کوڑے کو ستر ہزار بالشتوں کے برابر بڑا سانپ بنا کر دوزخ میں اس شخص پر ہمیشہ کے لئے مسلط فرمادے گا۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۱ صفحہ ۵۴۸)

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو شخص ظالم کی دشمنی برداشت کرلے یا اس ظالم کی اس دشمنی میں مدد کرے تو اس کے مرتے وقت موت کا فرشتہ اس پر خدا کی لعنت بھیجے گا اور اسے دوزخ کی خوش خبری سنائے گا اور دوزخ بری جگہ ہے۔ جو شخص ظلم وستم میں کسی ظالم کی رہنمائی کرے گا وہ ہامان (فرعون کے وزیر) کے ساتھ محشور ہوگا اور اس شخص (یعنی ظلم میں رہنمائی کرنے والا) اور ظالم کا عذاب باقی تمام اہل دوزخ سے زیادہ سخت ہوگا۔ جو کوئی اپنے کسی دینی بھائی کے خلاف کسی بادشاہ سے چغلی لگائے (اس مسلمان کے خلاف بادشاہ سے ایسی بات کہے جس سے وہ اس مسلمان سے ناراض ہو جائے) لیکن بادشاہ اس مؤمن کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچائے تو خدا اس چغل خور کے نیک عمل کو باطل فرمادے گا اور اگر بادشاہ کی طرف سے اس مؤمن کو کوئی اذیت یا آزار پہنچا تو خدا اس چغل خور کو جہنم کے اس درجے میں جھونک دے گا جس میں ہامان ہے۔" (وسائل الشیعہ)

ظالم کی تعریف کرنا بھی حرام ہے

اس مسئلے کے تحت ظالم کی ایسی تعریف کرنا بھی آتا ہے جس سے اس کی قوت اور شان میں اضافہ ہو تاکہ وہ زیادہ ظلم کرسکے یا اس میں اس تعریف سے زیادہ جرأت ستم پیدا ہو جائے۔ پچھلی دلیلوں کے علاوہ نہی عن المنکر کی تمام دلیلیں بھی اس

قسم کی مدد کو گناہ کبیرہ بتاتی ہیں۔ خاص طور پر شیخ انصاری پیغمبر اکرمؐ کا قول نقل کرتے ہیں: "جو شخص کسی دنیادار کی عزت کرے گا، اسے بڑا ظاہر کرے گا اور دنیا کے لالچ میں اس سے دوستی رکھے گا خداوند عالم اس پر غضب فرمائے گا اور وہ اسی دنیادار کے ساتھ اس جگہ جہاں قارون ہے آگ کے ایک تابوت میں دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں پہنچے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب التجارت باب ۷۱ حدیث ۱۴)

ظاہر ہے کہ یہ روایت بالکل عام ہے اس بارے میں جب کہ ظالم کی تعریف کی گئی ہو۔ چنانچہ اگر ممدوح ظالم ہو گا تو اس کی تعریف کرنے والا کہیں زیادہ ایسی سزا کا مستحق ہو گا۔

پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: "جو کوئی ظالم بادشاہ کی تعریف کرے گا یا لالچ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو حقیر اور چھوٹا بنائے گا آتش جہنم میں اسی کے ساتھ رہے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب التجارت باب ۷۲ حدیث ۳)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: "جب کسی بدکار کی تعریف کی جاتی ہے تو خدا کا عرش لرز جاتا ہے اور تعریف کرنے والے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۷۷)

ظالم کا کوئی عہدہ قبول نہیں کرنا چاہئے

ظالم کی مدد کا سب سے بڑا کام اس کی طرف سے کوئی مقام و منصب قبول کرنا ہے چاہے اس مقام و منصب میں کسی ظلم کا پہلو نہ بھی ہو جیسے امن و سکون قائم کرنا۔ اس مقام کا تو ذکر ہی کیا جس کا لازمہ ہی ظلم کرنا ہو۔ مثلاً کوئی شخص ظالم کی طرف سے اس لئے مقرر کیا جائے کہ وہ لوگوں سے زبردستی ان کا مال حاصل کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اس دوسری قسم کے منصب پر اس کا گناہ زیادہ شدید اور اس کی

سزا زیادہ سخت اور بڑھی ہوئی ہو گی۔

حضرت امام صادقؑ تحف العقول کی مشہور روایت میں فرماتے ہیں: ”حرام منصب ظالم حاکم کا منصب اور ان لوگوں کا منصب ہے جو اس (ظالم حاکم) کی طرف سے کام کر رہے ہیں پس اس مقام و منصب سے ان کے لئے جو کام کیا جائے گا وہ حرام ہو گا اور اس کام کا عذاب اس شخص پر ہو گا چاہے عذاب زیادہ ہو چاہے کم کیونکہ ہر وہ کام جو اس منصب سے ہو گا ظالم کی مدد ہو گا اور گناہ کبیرہ ہو گا کیونکہ ظالم کی جانب سے حکومت قبول کرنے سے حق ختم ہو جاتا ہے، باطل بروئے کار آجاتا ہے، ظلم و ستم ظاہر ہو جاتا ہے اور آسمانی کتابوں کی بربادی، پیغمبروں کے قتل، مسجدوں کی بربادی اور خدائی احکام کی تبدیلی کا سبب پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسی مجبوری کی حالت کے سوا جیسے خون اور مردار کھانے کی ضرورت ان لوگوں کے ساتھ کام کرنا اور ان کی مدد کرنا حرام ہے۔“ (تحف العقول)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: ”ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے ظالموں کے لئے کام کرنا قبول کر لیا ہے وہ کم سے کم معاملہ جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن ظالموں کے مددگاروں کو اس وقت تک آگ کے پاس رکھے گا جب تک کہ سب لوگوں کا حساب نہیں ہو جائے گا۔(۱)

۱۔ روایت ابن زیادہ بن ابی سلمہ کے آخر میں دار السلام عراقی برزخ کے جو مکاشفے لکھتا ہے ان میں ایک مکاشفہ جلیل القدر سید محمد علی عراقی کا ہے۔ ان کا ذکر ان لوگوں میں گزرا ہے جنھوں نے حضرت حجتؑ کی زیارت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اپنی جوانی کے دنوں میں عراق کے ایک مشہور گاؤں (کزہرود) میں تھا کہ ایک شخص نے جسے میں نام و نسب سے پہچانتا تھا وفات پائی۔ لوگ اس کا جنازہ لائے اور اس مقبرے میں جو ہمارے گھر کے سامنے تھا دفن کر گئے۔ چالیس دن تک یہ کیفیت رہی کہ جب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا اس کی قبر سے ایک شعلہ بلند ہوتا تھا اور قبر سے ایک دل ہلا دینے والی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ظالم کی طرف سے حکومت قبول کرنا ظلم کی بہت بڑی مدد کرنا ہے اس کے علاوہ اس کا لازمی نتیجہ ظلم کرنا ہوگا اور وہ اس طرح کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ منصب رکھتے ہوئے کوئی ظلم یا گناہ نہ کرے جیسا کہ داؤد بن زربی کی صحیحہ میں ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت امام سجادؑ کے ایک دوست دار نے مجھے اطلاع دی اور کہا کہ میں نے ان حضرت سے عرض کیا کہ آپ مدینے کے حاکم داؤد بن علی یا حکومت کے کسی کارندے سے سفارش کر دیجئے کہ مجھے حاکم بنا دے۔ حضرت نے فرمایا: "میں یہ کام نہیں کروں گا۔" وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ امامؑ کے ایسا نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ انہیں مجھ سے ظلم و ستم کے ارتکاب کا اندیشہ ہے۔ پھر میں آپ کے پاس گیا۔ قسمیں کھائیں اور عہد کیا کہ ظلم نہیں کروں گا اور انصاف سے ہٹ کر کبھی

گزشتہ سے پیوستہ:

چیخ سنائی دیتی تھی بلکہ ابتدا میں تو ایک رات کو وہ شخص اتنا چیخا پکارا کہ میں سہم گیا اور اتنا کانپنے لگا کہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور بے ہوش ہونے لگا۔ کچھ لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ مجھے اٹھا کر گھر لے گئے۔ کافی دیر بعد میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے جو اس شخص کی حالت دیکھی تھی اس پر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ مجھے اس کی زندگی کا پتا نہیں تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے علاقے کے انتظام حکومت کا نگراں تھا اور ایک سید سے انتظامی خرچہ مانگتا تھا لیکن وہ سید اس کے ادا کرنے سے مجبور تھا تو اسے قید کر دیا اور محصول کی وصولیابی کے لئے اسے کافی عرصے تک اپنے گھر کی چھت میں باندھ کر لٹکائے رکھا۔

ایک معتبر شخص نے بیان کیا ہے کہ اب سے کچھ پہلے کاشان میں ایک شخص تھا۔ اس کا نام آقا محمد علی تھا۔ پنساریوں کا لیڈر اور ان کے معاملات کا منتظم تھا۔ اس نے تاکید کر دی تھی کہ کوئی شخص آئندہ سے پنساری کے مال کی خرید و فروخت نہ کرے۔ ایک غریب سید نے ایک من لسن حاصل کر کے کسی شخص کو فروخت کر دیا۔ اس ظالم شخص کو جو خبر ہوئی تو اسے بھرے بازار میں کافی گالیاں دیں اور اس کے منہ پر چند تھپڑ بھی رسید کئے۔ وہ غریب وہاں سے یہ کہتا ہوا چلدیا کہ میرے جد تجھے سزا دیں گے۔ اس ظالم نے جو یہ سنا تو بگڑ کر اپنے ملازم سے کہا: "اس سید کو واپس لے آ" اور پھر کچھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کوئی کام نہیں کروں گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تو آسمان پر چلا جا کہ وہ اس کام سے آسان ہے۔" بظاہر امام کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ تو ظلم نہ کرے اور ہمیشہ اور ہر حال میں انصاف ہی کرتا رہے۔

وہ مواقع جب حکومت قبول کرنا جائز ہے

ظالم کی طرف سے حکومت قبول کرنا دو موقعوں پر جائز ہے بلکہ کچھ موقعوں پر واجب بھی ہو جاتی ہے چنانچہ پہلا موقع تقیہ یا مجبوری ہے کہ اگر قبول نہ کرے تو جان، مال اور عزت خطرے میں پڑ جائے۔ اس قسم کی (مجبوری کی) حکومت کے حق میں بہت سی عام اور خاص دلیلیں دی گئی ہیں۔ مثلاً پیغمبر اکرمؐ کا فرمان: "جس بات پر میری امت مجبور ہو جائے یا کر دی جائے تو پھر اس کی کوئی ذمہ داری، پوچھ گچھ یا مضائقہ نہیں ہے۔" (قول آنحضرتؐ حدیث الرفع میں خصال صدوق) اور حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "خدا نے مجبور کے لئے ہر شے حلال کر دی ہے۔" (مامن شئ الا وقد احله الله لمن اضطر اليه)

وسائل الشیعہ میں حضرت امام رضاؑ سے کتنی ہی روایتیں منقول ہیں کہ آپ نے مامون رشید کی ولی عہدی تقیے کی رو سے قبول کی تھی۔

حضرت امام صادقؑ سے ظالم بادشاہ کی طرف سے کام کرنے کے متعلق

گزشتہ سے پیوستہ:
گھونے تھپڑ مار کر بولا: "جا اور اپنے جد سے کہہ دے کہ میرا بازو اکھاڑ دیں۔" دوسرے دن اس ظالم کو بخار چڑھ آیا۔ رات کو اس کے بازوؤں میں درد ہونے لگا۔ دوسرے دن بازو کافی سوج گئے اور اس کے بازوؤں سے مادہ جاری ہو گیا۔ چوتھے دن تمام جراحوں نے مل کر اس کے بازوؤں کا اس قدر گوشت چھیل ڈالا کہ ہڈیاں باہر نکل آئیں اور ساتویں دن وہ مر گیا۔ "با آل علی هر كه در افتاد ور افتاد" یعنی جو علی کی اولاد سے الجھا وہ بری طرح گرا۔ (خزائن نراقی)

پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس میں اتنی روزی کمانے کی بھی طاقت باقی نہ رہے کہ کھائے پیے اور زندہ رہ سکے اور کوئی دوسرا راستہ نہ رہے۔ جب روزی حاصل کرنا صرف بادشاہ کی حکومت قبول کرنے ہی پر منحصر ہو جائے تو جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجبوری کی صورت میں مضائقہ نہیں ہے۔ پھر اگر ظالم حاکم کا کچھ مال اس کے ہاتھ لگے تو اسے چاہئے کہ اس کا خمس اہلبیتؑ کو پہنچا دے۔(وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۴۸)

جواز کے موقعوں کی دوسری قسم بعض ایسے مقام و منصب کا قبول کرنا ہے جن سے کسی ظلم و ستم کا واسطہ نہ ہو۔ مثلاً کچھ فوجی اور ملکی عہدے جن کا فرض انتظام و سکون کا قیام، راستوں کی حفاظت اور غیروں سے مسلمانوں کے علاقوں کا دفاع وغیرہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے فائدوں، مظلوموں کی فریادرسی، مؤمنین کی امداد اور مالکوں کو ان کا حق پہنچانے کے لئے ان کے قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظالم کی طرف سے اس قسم کے منصب مؤمنوں کے ساتھ انصاف اور احسان کرنے کے ارادے اور نیت سے قبول کرنا جائز بلکہ بہتر اور اچھا ہے۔

زیادۃ بن ابی سلمہ کا کہنا ہے کہ میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: ”کیا تم حکومت کے کسی شعبے میں ملازم ہو؟“ میں نے جواب دیا: ”جی ہاں۔“ آپ نے پوچھا: ”کیوں؟“ میں نے عرض کیا: ”میں شریف انسان ہوں، (ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتا ہوں کیونکہ میں اپنی طبیعت سے ایسا کرنے پر مجبور ہوں) اور بال بچوں والا بھی ہوں اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں رکھتا جس سے اپنے اخراجات پورے کرسکوں۔“ آپؑ نے فرمایا: ”اے زیادۃ! اگر مجھے اونچے پہاڑ کی چوٹی سے پھینک دیں جس سے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تب بھی ایسے

لوگوں کے کام نہ کروں بلکہ کسی ایسے شخص کے پاس بھی نہ پھٹکوں۔ البتہ ایک صورت میں یہ ممکن ہے۔ کیا تم جانتے ہو وہ کیا صورت ہے؟" میں نے جواب دیا: "آپؑ کے قربان جاؤں! میں نہیں جانتا۔" آپ نے فرمایا: "صرف مؤمنوں کی پریشانی اور دکھ دور کرنے یا کسی مؤمن کو قید سے چھڑانے یا کسی مؤمن کا قرض چکانے کے لئے۔" پھر آخر میں آپؑ نے فرمایا: "اے زیادہ! اگر تم ظالموں کی طرف سے کسی کام پر تعینات ہو گئے ہو تو اپنے دینی بھائیوں سے نیکی کرو تاکہ یہ نیکی اس گناہ کی تلافی کرے جو ان ظالموں کے کاموں کی انجام دہی میں تم سے سرزد ہوا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب التجارت باب ۷۵) فضل بن عبدالرحمٰن کہتا ہے میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو لکھا کہ مجھے حکومت کے کام کرنے کی اجازت دیجئے۔ امام نے فرمایا: "کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ تم خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرو اور خدا کی کسی پابندی کو ساقط نہ کرو۔ تمہارے عمل کا کفارہ تمہارے دینی بھائیوں کی حاجت برآری ہے۔" (مستدرک الوسائل)

علی بن یقطین نے جو ہارون رشید کا وزیر اعظم تھا، حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کو لکھا: "مجھے اس منصب سے استعفیٰ دینے کی اجازت دیجئے۔" حضرت نے جواب دیا: "تمہارے لئے میں یہ بات مناسب نہیں سمجھتا کہ حکومت سے باہر آؤ کیونکہ ظالموں کے دربار میں حق کی خاطر بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سبب سے خدا اپنے دوستوں سے برائی کو دور کر دیتا ہے اور ان لوگوں کو خدا نے آتش جہنم سے آزاد کر دیا ہے اس لئے اپنے دینی بھائیوں کی خاطر خدا کے عذاب سے بچے رہو۔" (مستدرک الوسائل باب ۳۹)

محمد بن اسماعیل بزیع جو ہارون رشید کا ایک وزیر تھا اور جس نے حضرت امام

موسیٰ کاظم، حضرت امام رضا اور حضرت امام محمد تقی علیہم السلام کو دیکھا تھا اور حضرت امام محمد تقیؑ سے آپ کا کرتا اپنے کفن کے واسطے لے لیا تھا، حضرت امام رضاؑ سے روایت کرتا ہے: "ظالموں کے درباروں میں خدا کے ایسے بندے رہتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ اپنی حجت واضح کرتا ہے۔ انہیں شہروں میں اس لئے باثر بناتا ہے کہ ان کے ذریعے سے اپنے دوستوں کی مشکلات دور کرے ان کے وسیلے سے مسلمانوں کے کام بنائے۔ مؤمن مصیبت میں ان کا سہارا لیتا ہے۔ ہمارے ضرورت مند شیعہ ان کی طرف رخ کرتے ہیں اور خدا ان کے وسیلے سے ظالموں کے گھر میں مؤمن کا خوف و ہراس دور کرتا ہے۔ یہی سچے مؤمن ہیں۔ یہی خدا کی زمین میں اس کے امانت دار ہیں۔" پھر آپ نے فرمایا: "ان لوگوں کو ایسے مقامات اور درجات قبول کر لینا چاہئیں" پھر فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی ایسے مقامات پر پہنچنا چاہتا ہے تو کیا ہونا چاہئے؟" محمد کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: "قربان جاؤں! وہ کس لئے ان درجات تک پہنچ سکے گا؟" آپ نے جواب دیا: "ظالموں کے ساتھ رہے تو ہمارے دوستوں (شیعوں) کو خوش کر کے ہمیں خوش رکھے۔ پس اے محمد! تو ان جیسا ہی ہو جا۔" (بحار جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۳ و سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۳۱۶)

ایک صورت میں واجب ہے

کبھی کبھی حکومت کے بعض عہدے قبول کرنا کچھ لوگوں کے لئے واجب ہو جاتا ہے اور وہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کسی شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ فلاں عہدہ قبول کر لیتا ہے تو دین کی ایک بہت بڑی خرابی دور کر سکتا ہے یا کوئی ایسی بات روک سکتا ہے جسے شرع نے ممنوع قرار دیا ہے لیکن ایسے موقعے بہت کم آتے ہیں کیونکہ ان کی بنیادی شرط اس دلی اطمینان کا حاصل ہونا ہے کہ یہ منصب قبول کر

لینے کے بعد اس سے کسی قسم کا ظلم و گناہ سرزد نہیں ہوگا اور وہ انصاف اور خدائی فریضے کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس اطمینان کا حاصل ہونا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ حکومت میں بڑے بڑے خطرات پوشیدہ رہتے ہیں جن سے اپنے آپ کو بچانا کٹھن ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے اہواز کے حاکم عبداللہ نجاشی کے خط کا یہ جواب دیا تھا: "میں نے سنا ہے کہ تم اہواز کی حکومت میں پھنس گئے ہو۔ اس خبر سے مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ خوشی اس امید پر ہوئی کہ خدا تمہاری بدولت آل محمدؑ کی دوستوں کو پریشانیوں سے بچائے گا، تمہارے ذریعے سے ان کے بے عزتوں کو عزت بخشے گا، ننگوں کو لباس عطا کرے گا، کمزوروں کو قوت دے گا اور تمہارے سبب سے ان سے دشمنوں کی مخالفت ختم کر دے گا اور رنج اس اندیشے سے ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ تم سے ہمارے کسی محبّ کو ایسی تکلیف اور رنج پہنچ جائے جو تم بہشت کی خوشبو نہ سونگھ سکو۔"(۱)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص قومی حکومت میں کسی عہدے پر مامور ہوگا وہ قیامت کے میدان میں اس طرح آئے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں زنجیر سے بندھے ہوں گے۔ اگر اس نے لوگوں سے خدائی احکام کے مطابق عمل کیا ہوگا تو خدا اسے آزاد کر دے گا اور اگر ظلم کیا ہوگا تو اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور وہ بری جگہ ہے۔

اور جو شخص قومی ریاست کا عہدہ دار ہو کر لوگوں سے انصاف اور نیکی نہیں کرے گا تو اسے اپنی حکومت کے ایک ایک دن کے عوض ہزار ہزار سال تک جہنم

۱۔ شیخ انصاری کی کتاب مکاسب میں پوری روایت نقل کی گئی ہے۔

کے کنارے اس طرح کھڑا رکھا جائے گا کہ اس کے دنوں ہاتھ اس کی گردن میں حمائل ہوں گے۔ اگر اس نے لوگوں سے خدائی احکام کے مطابق عمل کیا ہے تو اسے آزاد کردیا جائے گا اور اگر ظالم رہا ہے تو دوزخ میں ستر سال تک گرتا چلا جائے گا۔(وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۴)

حضرت امام صادق فرماتے ہیں کہ جو شخص عوام کے کسی کام پر حکومت کی طرف سے مامور ہو اگر لوگوں سے انصاف کرے گا، اپنے گھر کا دروازہ فریادی کے لئے کھلا رکھے گا، فریادیوں کی دادرسی میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور لوگوں کے کاموں کی نگرانی کرے گا تو خدا اسے قیامت میں خوف و ہراس سے محفوظ رکھے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔(وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۵ صفحہ ۵۵۰)

واضح رہے کہ مستثنیٰ موقعوں کے لئے بھی بہت سی فروعی باتیں ہیں جن کا ذکر اختصار کی غرض سے نہیں کیا گیا۔ خواہش مند حضرات فقہ کی کتابیں مطالعہ فرمائیں۔

(۲) ظلم کے علاوہ معاملات میں ظالم کی مدد

ظلم کے علاوہ ظالم کی دوسری باتوں مثلاً خدمت گزاری یا کپڑوں کی سلائی یا ظالم کے لئے مکان بنانے یا اس کا خزانچی بننے، اس کے مال کی حفاظت کرنے اور ایسے ہی اور کاموں میں مدد کرنے کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ کبھی یہ کام حرام کا پہلو لئے ہوتے ہیں۔ مثلاً ظالم ایسی زمین پر معمار کو عمارت بنانے کا حکم دیتا ہے جس پر ناجائز قبضہ کرلیا گیا ہے یا درزی کو سینے کے لئے ایسا کپڑا دیتا ہے جو لوگوں سے زبردستی چھینا ہے یا لوگوں کا مال زبردستی حاصل کر کے اپنے لئے نگہبان سے اس کی نگہبانی کرواتا ہے۔ اس قسم کی مدد کے حرام ہونے میں کوئی

شک نہیں ہے کیونکہ غصب کی ہوئی چیز پر تصرف کرنا اس شخص کے لئے حرام ہے جو جانتا ہے کہ یہ چیز غصب کی ہوئی ہے چاہے وہ شخص خود غصب کرنے والا ہو چاہے کوئی اور ہو۔

۲۔ بہت سی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے کام بھی حرام ہوتے ہیں جن میں حرام کا تو کوئی پہلو نہ ہو لیکن ان کی یہ صورت ضرور ہو کہ اگر ظالم کی طرف سے کوئی انہیں قبول کرلے تو بظاہر ظالموں کے مددگاروں میں شمار ہوگا۔ ظالم کی قوت اور شوکت کا سبب ہوگا۔ اس کا نام ظالموں کی فہرست میں لکھا جائے گا اور وہ لوگوں کے حقوق چھیننے والوں میں شامل سمجھا جائے گا۔

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ جو کوئی اپنا نام بنی عباس کی حکومت میں درج کرائے گا خدا اسے قیامت میں سور کی شکل میں اٹھائے گا۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۱ صفحہ ۵۴۷)

آپؑ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ وہ کالی صورت میں محشر میں آئے گا اور آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ظالموں کی مدد مسجد بنانے میں بھی نہ کرو۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۱ صفحہ ۵۴۷)

ابن ابی یعفور کہتا ہے: میں حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شیعہ آیا اور اس نے امام سے عرض کیا: "میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں! کبھی کبھی ہم میں سے کسی کو تنگدستی اور افلاس سے سابقہ پڑ جاتا ہے۔ ایسے میں بنی عباس کی طرف سے اسے کام دیتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی عمارت بنادو یا نہر کھود دو یا زراعت کردو۔ اس بارے میں آپؑ کیا فرماتے ہیں؟" حضرتؑ نے جواب دیا: "میں نہیں چاہتا کہ ان کے لئے ایک گانٹھ بھی لگاؤں یا مشک یا تھیلی کا منہ بھی باندھوں چاہے وہ اس کے

بدلے میں مجھے مدینہ اور جو کچھ مدینے میں ہے سب کچھ دے دیں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی اتنی سی بھی مدد کروں جتنی روشنائی قلم کی نوک میں لگ جاتی ہے واقعی قیامت میں جب تک خدا اپنے تمام بندوں کا حساب کتاب نہیں کرلے گا اس وقت تک ظالم لوگ آگ کے نزدیک رہیں گے۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۱)

محمد بن عذافر سے روایت ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے میرے باپ (عذافر) سے فرمایا: "مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو ابو ایوب اور ابو الربیع کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے پھر جب تو ظالموں کے مددگاروں میں گنا جائیگا تو تیرا کیا حال ہوگا؟" میرا باپ امام کی یہ بات سن کر غمگین ہوا جب آپؑ نے اسے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا: "اے عذافر! واقعی خدا نے جس بات سے مجھے ڈرایا ہے اسی سے میں نے تجھے ڈرایا ہے۔" پھر میرا باپ مرتے دم تک ہمیشہ غمگین اور ملول رہا۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۱)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ خدا تمہیں ضرور اس جماعت کے ساتھ محشور کرے گا جس کی دنیا سے تم فائدہ اٹھاتے ہو اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت امام موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے ان میں سے کچھ نے اپنے دل میں کہا کہ ہم فرعون کے لشکر میں چلتے ہیں اور اس کی دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جیسے ہی حضرت موسیٰ فرعون پر فتح یاب ہوئے جیسی کہ ہمیں امید ہے ہم موسیٰ علیہ السلام کی طرف آجائیں گے۔ جب حضرت موسیٰؑ ان لوگوں کے ساتھ جو ان پر ایمان لاچکے تھے فرعون کے یہاں سے بھاگے تو وہ جماعت بھی سوار ہو کر جلدی سے روانہ ہوئی کہ ان تک جا پہنچیں۔ بس خدا نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے ان کی سواریوں کے منہ موڑ دیئے اور انہیں فرعون کے لشکر میں پلٹا دیا جس کے ساتھ وہ بھی ڈوب گئے۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۳ منقول از کافی)

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرتے رہو اور اپنے دین کو تقیے، بے لوثی اور خدا کی بخشش اور مہربانی سے مضبوط کرو۔ صاحب حکومت سے حاجت طلب نہ کرو کیونکہ جو کوئی صاحب حکومت یا اپنے مذہب کے مخالف کے سامنے اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینے کے لئے جھکتا ہے خدا اسے حقیر اور پست کر دیتا ہے اور اسے دشمن گردان کر اپنے آپ سے دور کر دیتا ہے۔ پھر اگر اس شخص سے اسے کوئی چیز ملتی بھی ہے تو اس کی برکت ختم کر دیتا ہے اور پھر اس کے حج کرنے، غلام آزاد کرنے اور خیرات کرنے کا کوئی ثواب اس کو نہیں بخشتا۔ (کافی اور تہذیب از کلینی اور شیخ طوسی)

علی بن ابی حمزہ نے کہا ہے: بنی امیہ کا ایک منشی میرا دوست تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں حضرت امام صادقؑ سے اس کی ملاقات کرادوں۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے سلام کیا اور بولا: "قربان جاؤں! میں بنی امیہ کی حکومت میں ملازم تھا۔ ان کی دنیا کا بہت سامال میں نے کمایا اور وہ مال کمانے میں میں نے حرام اور حلال کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔" حضرت نے فرمایا: "اگر بنی امیہ کے پاس ایسے لوگ نہ ہوتے جو ان کی خاطر منشی گیری کرتے، مال غنیمت جمع کرتے، ان کے دشمنوں سے لڑتے اور ان کی جماعت میں حاضر ہوتے تو وہ ہمارا حق کبھی نہیں مار سکتے تھے کاش لوگ انہیں اسی مال کے ساتھ چھوڑ دیتے جو ان کے پاس تھا اور جو ان کے پاس نہیں تھا وہ ان کے ہاتھ نہ لگتا۔" اس پر وہ شخص کہنے لگا: "قربان جاؤں! میں نے جو کچھ کیا ہے کیا مجھے اس سے چھٹکارا مل سکتا ہے؟" حضرت نے فرمایا: "اگر میں تجھ سے کچھ کہوں تو کیا تو اس پر عمل کرے گا؟" وہ بولا: "ضرور۔" آپ نے فرمایا: "تو نے جو کچھ بنی امیہ کی منشی گیری سے کمایا ہے وہ الگ کر دے۔ حقداروں میں سے جس جس کو پہچانتا ہے اس اس کا حق ادا کر دے اور جسے نہیں پہچانتا اسے صدقہ کر دے

(خدا کی راہ میں اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کردے) تاکہ میں اس بات کی ضمانت دوں کہ خدا تجھے بہشت عطا کردے گا۔" علی ابن ابی حمزہ نے کہا کہ وہ جوان بڑی دیر تک سر جھکائے رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا: "آپ پر فدا ہو جاؤں آپ نے جو حکم دیا ہے میں اسے بجالاؤں گا۔" چنانچہ وہ میرے ساتھ کوفے آیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا اور جس طرح حضرت نے فرمایا تھا اس کے مالک کو لوٹا دیا اور باقی ماندہ کو صدقہ کردیا یہاں تک کہ جو کپڑے پہنے ہوئے تھا وہ سب بھی اس نے دے ڈالے۔ پھر میں نے اپنے دوستوں سے کچھ رقم لے کر اس کے لئے کپڑے خریدے اور اسے خرچہ بھیجا۔ چند مہینے گزرے تھے کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ میں ایک دن اس کی مزاج پرسی کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ جانکنی کی حالت میں ہے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور بولا: "اے علی بن ابی حمزہ! خدا کی قسم تمہارے دوست نے جو شرط کی تھی وہ پوری کردی۔" اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم نے اس کا کفن دفن کردیا۔ اس کے بعد میں حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں مدینے پہنچا تو آپ نے فرمایا: "اے علی! خدا کی قسم ہم نے تمہارے دوست سے جو شرط کی تھی وہ پوری کردی۔" میں نے کہا: "قربان جاؤں! آپ سچ فرماتے ہیں۔ اس نے خود مجھ سے یہی بات اپنے مرتے وقت کہی تھی۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۷۶ صفحہ ۵۵۱)

(۳) مدد جو حرام نہ ہو، ظلم کو تقویت نہ دے نہ اس کے نظام میں شمار ہو

تیسری قسم ان کاموں کی ہے جن کا کوئی پہلو حرام نہیں ہے۔ ان سے ظالم کو تقویت بھی نہیں ملتی اور ان کی وجہ سے کوئی ظالم کی تنظیم میں برائے نام بھی شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً اپنی کارانہیں ٹھیکے پر دیتا ہے پاک اجناس خوردنی ایک شہر سے

دوسرے شہر کو لے جانے کے لئے ان سے کرائے پر لیتا ہے یا مثلاً وہ مزدور اور کاریگر جو کسی ظالم کا گھر بنانے کا کام کرتے ہیں اور مزدوری لیتے ہیں۔ اگرچہ اس تیسری قسم کے کاموں کو سب لوگ حرام نہیں مانتے جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے لیکن ان کے ترک کر دینے میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ اول تو اس قسم میں پچھلی روایتیں وغیرہ شامل ہو جاتی ہیں اور دوسرے ان موقعوں پر انسان کا دل ظالم کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور بڑے خطرے میں گرفتار ہو سکتا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی صفوان جمال سے فرمائش

صفوان بن مہران جمال کوفی، حضرت امام صادقؑ اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کا صحابی تھا۔ پرہیزگار انسان تھا اور کرائے پر اونٹ چلا کر زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے اونٹ تھے۔ وہ کہتا تھا کہ ایک دن میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا: "کیا تم اپنے اونٹ اس شخص کو کرائے پر دیتے ہو؟" میں نے عرض کیا: "میں نہ لالچ سے، نہ دولت میں اضافے کی خاطر، نہ شکار کھیل کود اور سیر تماشے کے لئے دیتا ہوں۔ خدا کی قسم چونکہ وہ حج کے سفر کے لئے مانگتا ہے اس لئے میں دے دیتا ہوں۔ میں خود بھی اس کی خدمت نہیں کرتا بلکہ اس کے ہمراہ اپنے غلام روانہ کر دیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "تم کرائے کی رقم نقد لیتے ہو یا وہ اس پر اور اس کے رشتے داروں پر ادھار رہتی ہے؟" میں نے عرض کیا: "جی ہاں! وہ وعدے پر لیتے ہیں کہ واپسی پر ادا کر دیں گے۔" آپؑ نے فرمایا: "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب تک تمہارا کرایہ بیباق نہ ہو جائے ہارون اور اس کے رشتے دار زندہ رہیں؟" میں نے کہا: "جی ہاں۔" آپ نے فرمایا: "جو ان کی زندگی چاہتا ہے وہ انھیں میں سے ہے اور جو ان میں شمار ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت

باب ۷۱ صفحہ ۵۴۸) صفوان نے کہا: "امام کے ایسا فرمانے کے بعد میں نے اپنے تمام اونٹ بیچ ڈالے۔" یہ خبر ہارون رشید کو بھی پہنچی اس نے مجھے بلا کر پوچھا: "میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنے اونٹ بیچ ڈالے ہیں؟" میں نے جواب دیا: "ہاں! میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ میں خود اونٹ نہیں ہانک سکتا اور میرے ملازم جیسی چاہئے ویسی ان کی خبر گیری اور نگہبانی نہیں کر پاتے۔" ہارون نے کہا: "نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس کام پر مجبور کیا گیا ہے، یہ کام موسیٰ کاظم کے اشارے پر ہوا ہے۔" میں کہا: "مجھے امام موسیٰ کاظم سے کیا کام؟" وہ بولا: "تم جھوٹ بولتے ہو اگر میرے ساتھ تمہارے اچھے چلن کا حق نہ ہوتا تو میں تمہیں مروا ڈالتا۔"

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "جو ظالموں کی زندگی چاہتا ہے وہ گویا یہ چاہتا ہے کہ زمین پر خُدا کی نافرمانی باقی رہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۴۳)

آپؑ نے فرمایا کہ آیت: "ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ جہنم میں جاؤ گے" کے معنی یہ ہے کہ جو شخص بادشاہ کے پاس آتا ہے وہ اس کا اس قدر زندہ رہنا پسند کرتا ہے جس قدر رقم وہ اسے تھیلی میں سے نکال نکال کر دیتا رہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۴۳) غرض یہ ہے کہ ظالم کی بقا کی اتنی کم خواہش بھی ظالم کی طرف میلان ہے۔

(۴) غیر عادی ظالم کی مدد

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ایسے ظالم کے ظلم میں مدد کرنا بھی حرام ہے جو ظلم پیشہ نہ ہو بلکہ اتفاقاً کسی ایک یا کئی موقعوں پر کسی شخص پر ظلم کر بیٹھے، کسی کو ناحق مار بیٹھے یا اس کی آبروریزی کرے، یا اس کا مال بے سبب چھین لے، یا اس کا حق ادا نہ کرے۔ یعنی جب کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ فلاں شخص اس موقع پر ظالم ہے اور اس

کے باجود وہ اس کی مدد کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ظلم کا مقصد حاصل کرلے تو بے شک یہ مدد حرام بلکہ گناہ کبیرہ ہے کیونکہ خود ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ایسا گناہ ہے جس کی سزا میں خدا نے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ بھڑکائی ہے جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور اگر پیاس ظاہر کرکے پانی مانگیں گے تو نہایت گرم اور کھولتا ہوا پانی ان کو دیا جائے گا جسے وہ اپنے منہ کے پاس لے جائیں گے تو وہ ان کے چہروں کا گوشت جلا دے گا۔ وہ برا پانی ہے جو انہیں دیا جائے گا اور وہ بری جگہ ہے جہاں وہ رکھے جائیں گے۔" (سورۂ کہف آیت ۲۹) ظلم میں ظالم کی مدد کرنے والا بھی گناہ میں ظالم کے برابر کا شریک ہے جیسا کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں۔ ظلم کرنے والا، اس کی مدد کرنے والا اور جو کوئی اس کے ظلم پر رضامند ہو تینوں اس ظلم میں برابر شریک ہیں۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۴۲) یعنی برابر کے گناہگار ہیں۔ اسی سے ملتے ہوئے مضمون کی حضرت امام باقرؑ سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو امامؑ کی بیعت توڑ ڈالتا ہے یا گمراہی پھیلاتا ہے یا جس نکتے کا ظاہر کرنا واجب ہو اسے چھپاتا ہے یا کوئی مال ناحق دبا لیتا ہے یا کسی ظالم کی یہ جانتے ہوئے ظلم میں مدد کرتا ہے کہ وہ ظالم ہے وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔" (مستدرک الوسائل کتاب تجارت ابواب مایکتسب باب ۳۵)

معراج کی حدیث میں ان جملوں کے سلسلے میں جو جہنم کے دروازوں پر لکھے ہوئے ہیں آپؐ فرماتے ہیں: "جہنم کے چوتھے دروازے پر یہ تین جملے لکھے ہوئے ہیں۔ خدا اس شخص کو ذلیل کرتا ہے جو اسلام کو ذلیل کرتا ہے، جو اہلبیت پیغمبر اکرم کو ذلیل کرتا ہے اور جو ظالم کو اس ظلم میں مدد پہنچاتا ہے جو وہ لوگوں پر روا رکھتا

ہے۔" (مستدرک الوسائل کتاب تجارت ابواب مایکتسب باب ۳۵)

غرض آیتوں اور روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلم گناہ کبیرہ ہے اور ظالم کے ظلم میں اس کی مدد کرنے والا بھی گناہ میں اس کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اس کے علاوہ ظالم کے مددگار نے نہی عن المنکر کو بھی ترک کردیا ہے جو خدا کا سب سے بڑا واجب التعمیل حکم ہے بلکہ درحقیقت وہ منافق ہو گیا ہے کیونکہ اس نے منکر کا حکم دیا ہے اور یہ منافقوں کی خصوصیت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے: "بعض منافق مرد اور عورتیں کچھ لوگوں کو منکر کا حکم دیتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں۔" (سورۃ توبہ آیت ۶۷)

ظلم سے روکنا چاہئے

جب کوئی مسلمان یہ دیکھے کہ کوئی ظالم کسی شخص پر ظلم کر رہا ہے تو ایسی صورت میں کہ نہی عن المنکر کی شرائط موجود ہوں اس پر واجب ہے کہ اسے روکے جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" جب کہا گیا کہ اے رسول خدا! جب اس پر ظلم ہو تب تو ہم اس کی مدد کردیں لیکن جب وہ ظلم کرے تو ہم اس کی مدد کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا: "اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو اور ہرگز نہ چھوڑو جو وہ ظلم کرے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھو حقیقت میں تم نے اس کی مدد کی ہے۔" (انوار نعمانیہ جلد ۳ صفحہ ۴۴) یعنی تم نے اسے گناہ کی کثافت میں آلودہ ہونے سے بچالیا ہے۔

غیر عادی ظالم کی ظلم کے علاوہ مدد کرنا

ایسے ظالم کی تمام جائز پہلوؤں میں مدد کرنا بھی اس وقت حرام ہو جاتا ہے جب اس سے اس شخص میں ظلم دہرانے یا ظلم میں شدت اختیار کرنے کی جرأت پیدا

ہو جائے یا کئے ہوئے ظلم سے اس کے توبہ نہ کرنے اور اس پر شرمندہ نہ ہونے کا سبب بن جائے۔ غرض نہی عن المنکر کے واجب ہونے کی رو سے تمام باتوں میں ظالم کی مدد حرام ہو جاتی ہے لیکن اس وقت حرام نہیں ہوتی جب ظلم کے علاوہ کسی اور معاملے میں اس کی مدد کا اس کے ظلم کرنے پر (مثبت اور منفی۔ شروع میں اور مستقل طور پر) ذرا سا بھی اثر نہ پڑتا ہو اس لئے ظلم کے علاوہ دوسرے معاملات میں ظالم کی مدد اگر وہ نہی عن المنکر کے حکم میں نہ آتا ہو حرام نہیں ہے۔

گناہ میں بھی مدد نہیں کرنا چاہئے

اس گناہگار کی مدد کرنا بھی حرام ہے جس کا گناہ دوسرے پر ظلم کرنے کے علاوہ کچھ اور ہو جیسے نماز روزہ ترک کرنا، شراب نوشی، زناکاری، جوا کھیلنا وغیرہ۔ اس گفتگو کے شروع ہی میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ آیتوں اور حدیثوں میں ہر گناہگار کو ظالم کہا گیا ہے اور اس کا نام اپنی ذات پر ظلم کرنے والا رکھا گیا ہے اس لئے جو کوئی دوسرے کے گناہ میں مدد کرتا ہے گویا اس نے ظالم کی مدد کی اور وہ مدد یقیناً حرام ہے اور وہ مددگار اس گناہگار کے گناہ اور اس کی سزا میں شریک ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے: "نیکی (عبادتوں اور معاملوں میں خدا سے بندوں پر احسان اور ایمان) اور تقویٰ (دوسرے کو ضرر سے بچانے یا ضرر پہنچانے سے روکنے) میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ کرنے اور ظلم کرنے (اثم وہ گناہ ہے جو دوسرے تک نہیں پہنچتا اور عدوان وہ گناہ ہے جو دوسرے تک پہنچتا ہے) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ یقیناً خدا سخت سزا دینے والا ہے۔"(۱)

۱۔ سورۂ مائدہ آیت ۲: خدا کے سخت سزا دینے کے متعلق جس کا ذکر کیا گیا حدیث میں ہے کہ اگر اہل دوزخ کو دنیا کی آگ میں رکھیں تو انہیں اتنا سکون ملے کہ وہ سو جائیں اور آرام پائیں۔

نہی عن المنکر کے واجب ہونے کی تمام دلیلیں جو اس کے ترک کرنے سے متعلق آئی ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں اور اس موقع سے مناسبت رکھتی ہیں:

گناہ میں مدد کرنے کی دو قسمیں ہیں

۱۔ جو کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ابتدائی کام کرنا مثلاً شراب بنانے والے کو شراب بنانے کے لئے اپنے انگور فروخت کرے۔

۲۔ کوئی شخص حرام کام کے ابتدائی لوازمات تو مہیا کر دیتا ہے لیکن اس کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ وہ شخص فعل حرام کا ارتکاب کرے اس کے باوجود صورت کچھ ایسی ہے کہ اگر یہ انتہائی لوازمات فراہم نہ کرے تو فعل حرام واقع نہ ہو۔ مثلاً انگور والا شرب بنانے والے کو اپنے انگور بیچ دیتا ہے اور اس کی یہ نیت بھی نہیں ہوتی کہ وہ شراب بنائے لیکن شراب ساز کا انگور فروش پر دارومدار ہے کہ اگر وہ انگور نہ بیچے تو یہ بیکار ہو جائے۔ (اس لئے کہ دوسری جگہ انگور نہیں ہیں یا لوگ انگور نہیں بیچتے یا اسے دستیاب نہیں ہیں) ایسی صورت میں بھی انگور بیچنا قطعی حرام ہے چاہے انگور فروش کی یہ نیت نہ بھی ہو کہ وہ شراب سازی کے لئے انگور بیچے کیونکہ ایسی صورت میں انگوروں کو فروخت عرف عام میں شراب سازی کی مدد ہو گی۔

گناہ سے ہٹ کر گناہگار کی مدد کرنا

ایسے کاموں میں گناہگار کی مدد کرنا جن میں گناہ کا پہلو نہیں ہے۔ مثلاً کسی شرابی یا نماز نہ پڑھنے والے کو قرض دے یا ضرورت پڑنے پر کسی کی فریادرسی کرے یا لوگوں کے لئے اور بھی کچھ کرے۔ ایسے موقعوں پر فرض کی نشان دہی کرنا بہت مشکل ہے کہ کیا کرنا چاہئے کیونکہ ایک طرف تو یہ حکم ہے کہ گناہگاروں سے منہ

پھیر لو جیسا کہ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ گناہگاروں سے ملتے وقت رکھائی سے پیش آؤ (وسائل الشیعہ) اور حضرت امام صادقؑ نے اپنے بعض اصحاب کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا ہے: "تمہیں لازم ہے کہ جب تم شیعوں میں سے کوئی گناہ کرے تو اسے نہ روکو نہ اسے چھوڑو اور نہ اسے تکلیف پہنچاؤ تاکہ وہ گناہ ترک کردے۔" (۱)

بعض خاص گناہوں کے بارے میں سخت روایتیں ملتی ہیں۔ مثلاً جو کوئی نماز نہ پڑھنے والے کی روٹی کے ایک ٹکڑے یا لباس سے مدد کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے ستر پیغمبروں کو قتل کیا ہو جن میں سے پہلے حضرت آدمؑ اور آخری حضرت محمدؐ ہوں۔ (لئالی الاخبار باب ۸) پیغمبر اکرمؐ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی نماز نہ پڑھنے والے کو ایک گھونٹ پانی پلاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے مجھ سے اور تمام پیغمبروں سے جنگ کی ہے۔ (لئالی الاخبار باب ۸ صفحہ ۳۹۵) آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو کوئی نماز نہ پڑھنے والے سامنے ہنستا ہے اس کی مثل ایسی ہے جیسے اس نے سو بار خانہ کعبہ ڈھایا ہو۔ (لئالی الاخبار باب ۸ صفحہ ۳۹۵) اس مضمون کی اور بھی روایتیں ہیں اور اسی طرح شرابی، قطع رحم کرنے والے اور جھوٹے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور تعلقات رکھنے کے بارے میں بھی بہت زیادہ تنبیہیں ملتی ہیں۔

دوسری طرف بہت سی ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن میں مؤمن، اہلبیتؑ کے دوستدار، سادات، پڑوسی وغیرہ کے حقوق کی رعایت رکھنے کا حکم ہے اور ان سے محبت کرنے اور ملنے جلنے کو واجب قرار دیا ہے اور ان روایتوں میں بظاہر اہل تقویٰ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے یعنی چاہے کوئی اہل تقویٰ نہ بھی ہو قطعی طور پر اس کا حق

۱۔ اس سلسلے میں ملنے والی باقی روایتیں نہی عن المنکر میں بیان ہوں گی۔

رحم واجب اور اس سے قطع رحم حرام ہے بالکل اسی طرح جس طرح والدین سے قطع رحم اور ان کی نافرمانی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چاہے والدین کافر یا بدکار ہوں ان کی نافرمانی اور قطع رحم حرام ہے اور سادات کے لئے بھی آیا ہے کہ: "ان کے نیکوں پر خدا کے لئے اور ان کے بدوں پر میری خاطر احسان کرو۔" (کلمہ طیبہ مصنفہ نوری صفحہ ۳۳۰ و درة الباہرہ و فضائل السادات)

آل محمدؐ کے دوستوں کے بارے میں حضرت امام رضا فرماتے ہیں: "آل محمدؐ کو دوست رکھو چاہے وہ فاسق ہوں اور ان کے دوستوں کو بھی دوست رکھو چاہے وہ فاسق ہوں۔" (دار السلام جلد ۲ صفحہ ۲۰۳) ہمسائے کے بارے میں آیا ہے: "مسلمان ہو تو اس کے دو حق ہیں اور جو رحم ہو تو تین حق۔ پڑوسی چاہے کافر ہو اس کے پڑوس کا حق قائم ہے۔" (کتاب حج مستدرک باب ۷۲ صفحہ ۷۹)

اس لئے اہلبیتؑ کے دوستوں کو دوست رکھنا چاہئے چاہے، ان کی مدد کرنا چاہئے اور ان کی ضرورت پوری کرنا چاہئے وہ حاجت مند نہ ہوں اور سادات کی عزت کرنا یا رحم کا لحاظ رکھنا چاہئے چاہے وہ گناہگار ہوں۔

سب بیک وقت ورنہ زیادہ اہم

کئی حقوق اور مختلف فرائض تصادم میں سب سے پہلے ہو سکے تو بیک وقت سبھی کی ادائیگی کرے اور اگر سب جمع نہ ہو سکیں اور مجبوری ہو تو ایک کو بجالائے اور دوسرے کو چھوڑ دے اور اس میں زیادہ اہم اور کم اہم کا لحاظ رکھے یعنی دو فرائض میں سے اس فریضے کو دوسرے پر مقدم کرے جو شارع مقدس کے نزدیک زیادہ اہم ہے۔ مثلاً ایک شخص واجب روزے سے ہے اور کوئی بچہ پانی میں اس طرح ڈوب جاتا ہے کہ اس کا بچانا اس شخص کے پانی میں غوطہ مارے بغیر ممکن نہیں ہے ایسی صورت میں دو

مختلف فرائض جو اکٹھے ادا نہیں ہو سکتے اس شخص پر آپڑے ہیں۔ ایک تو روزہ ہونے کی وجہ سے پانی میں سر ڈبونا حرام اور سر کو غوطہ زنی سے بچانا واجب ہے اور دوسرے ایک قابل احترام زندگی کو بچانا بھی واجب ہے جو پانی میں غوطہ مارنے پر منحصر ہے چنانچہ ایک ہی عمل ایک لحاظ سے واجب اور ایک لحاظ سے حرام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شارع کی نظر میں زندگی کا ہلاکت سے بچ جانا روزہ توڑنے سے زیادہ اہم اور اس پر مقدم ہے کیونکہ اس کی تلافی (قضا رکھ کر) ہو سکتی ہے۔ اس لئے اسے غوطہ لگا کر بچے کو بچا لینا چاہیے جس سے اس کے ذمے کوئی گناہ بھی نہیں ہو گا بلکہ حکم کے مطابق عمل کر کے ثواب بھی پائے گا۔

نہی عن المنکر زیادہ اہم اور مقدم ہے

جب یہ بات سمجھ لی گئی تو معلوم ہو گا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آیتوں اور روایتوں کی رو سے خدا کے اس قدر اہم واجبات ہیں کہ بعض واجب حقوق سے ٹکرانے کی صورت میں ان کے مقدم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ مثلاً جب باپ، ماں، بیٹا یا دوسرا کوئی عزیز نماز نہیں پڑھتا یا کوئی گناہ کرتا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کی جائے یا انہیں ضرورت پڑنے پر مدد نہ دی جائے تو وہ اپنا برا عمل چھوڑ دیں گے یا نماز پڑھنے لگیں گے ایسی صورت میں نہی عن المنکر کی رو سے واجب ہو جاتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی نہ کی جائے اور رحم کی رو سے ان کی مدد نہ کی جائے۔

مثلاً ایک سید شراب پیتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ احسان کرنا چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی شراب نوشی چھوڑ دے گا۔ یہی صورت حال پڑوسی اور اہلبیت علیہم السلام کے دوستوں کی ہے۔ جس حالت میں احسان نہ کرنا مفید ہوتا ہے قطعی طور پر واجب ہو

جاتا ہے اور اگر نیکی اور مدد نہ کرنے سے اسے کوئی تنبیہ نہ ہو اور وہ گناہ چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اور معلوم نہ ہو کہ اس صورت میں احسان اور مدد حرام ہو جاتی ہے یا نہیں کیوں کہ گناہگار کی مدد اس وقت حرام تھی جب اس کی مدد نہ کی جاتی اور وہ بھی گناہ ترک کر دیتا (یعنی نہی عن المنکر کے لحاظ سے حرام تھی) لیکن جب مدد کرنا اور نہ کرنا، احسان کرنا اور نہ کرنا گناہ نہ چھوڑنے میں یکساں طور پر بے اثر ہیں تو نہی عن المنکر کی رو سے احسان اور امداد کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے یعنی یہ باتیں حرام نہیں رہتیں اور کسی دوسرے لحاظ سے ان کی حرمت معلوم نہیں ہے۔ مثلاً نماز نہ پڑھنے والے کی امداد جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس صورت میں حرام ہوتی ہے جب اس کی مدد نہ کرنا اس کے نماز پڑھنے کا سبب بن جائے تو جب کسی کے والدین یا عزیز نماز نہیں پڑھتے اور ان پر احسان نہ کرنے سے بھی وہ نماز خواں نہیں بنتے ایسی صورت میں ان کی نافرمانی اور قطع رحم بدستور حرام رہے گا۔

مراتب کا لحاظ کرنا چاہئے

واضح رہے کہ نہی عن المنکر کی رو سے امداد اور احسان ترک کرنا باقی تمام حقوق مثلاً حق رحم، سیادت اور پڑوس وغیرہ پر مقدم ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ سب سے پہلے تو نہی عن المنکر کے واجب ہونے کی شرائط موجود ہوں جن میں سے ایک تاثیر کا امکان ہے اور دوسرے امداد ترک کئے بغیر فائدہ نہ ہو کیونکہ نہی عن المنکر میں اس تفصیل کے مطابق جو آگے آرہی ہے مراتب کا لحاظ ہونا چاہئے یعنی جہاں تک ممکن ہو زیادہ آسان درجے پر عمل کیا جائے اور زیادہ شدید درجے سے آگے نہ بڑھا جائے اس لئے کسی ایسے موقع پر جب وہ مدد اور احسان کی بدولت زیادہ جلد گناہ سے بچ جاتا ہے بلاشبہ امداد اور احسان سے نہی

عن المنکر کی جائے۔ مثلاً اگر کسی کا باپ یا بیٹا نماز نہیں پڑھتا لیکن محبت اور احسان کی بدولت جیسا کہ زیادہ تر ہوتا ہے کیونکہ انسان احسان کا بندہ ہے اس کا زیادہ امکان ہو کہ اسے چھوڑ بیٹھنے اور اس کی امداد روک دینے سے پہلے ہی وہ نماز پڑھنے لگے تو اس موقع پر نیکی اور مدد کرنا واجب ہے۔

غرض یہ ہے کہ جس صورت میں احسان اور مدد کا اس شخص کے گناہ سے کوئی تعلق نہ ہو یعنی چاہے احسان اور مدد کی جائے چاہے نہ کی جائے یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے یا نہیں بلکہ بعض معاملات میں وہ مدد اور احسان واجب ہیں اور ان کا ترک کرنا حرام ہے۔

۴ مظلوموں کی مدد نہ کرنا

تیسواں گناہ کبیرہ جس کی تصریح کی گئی ہے مظلوموں کی مدد نہ کرنا اور ان پر ستم رانی کا نہ روکنا ہے جیسا کہ اعمش نے حضرت امام صادقؑ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ "وترك معونة المظلومين" یعنی مظلوموں کی مدد نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

حقیقت میں مظلوم کی مدد کرنا عملی نہی عن المنکر ہے۔ اس لئے جو کوئی مظلوم کی مدد نہیں کرتا اس نے گویا خدا کا سب سے بڑا واجب حکم چھوڑ دیا۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے کسی دینی بھائی کو اس کے کچھ حالات میں اپنے پاس پناہ دے سکتا ہے (مثلاً اس سے ظلم دور کرنے کے لئے پناہ دینا) لیکن اسے پناہ نہیں دیتا اور قوت سے اس کی مدد نہیں کرتا اس نے خدا کی مدد سے اپنے آپ کو دور کر لیا ہے۔" (کافی) یعنی خدا جو ہر مؤمن کا ولی ہے مؤمن کی مدد ترک کرنے والے کا ولی نہیں ہے اور وہ اسے اسی کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو مؤمن کسی دوسرے مؤمن کی اس وقت بھی مدد نہیں کرتا جب کہ وہ مدد کر سکتا ہے اسے خداوند عالم دنیا اور آخرت میں ذلیل کرے گا۔ (بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۸۹ منقول از امالی صدوق) حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایسی جگہ موجود ہو جہاں کوئی ظالم بادشاہ کسی مظلوم کو مار رہا ہے یا ناحق قتل کر رہا ہے یا اس پر ظلم کر رہا ہے تو تمہیں مظلوم کی مدد کرنا چاہئے کیونکہ مؤمن پر مؤمن کی مدد کرنا بشرطیکہ وہ موجود ہو اللہ کی جانب سے ایک واجب حق ہے البتہ جب موجود نہ ہو تو پھر اس پر یہ فرض عائد نہیں

ہوتا۔(سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۵۹۰)

عمرو بن قیس کہتا ہے کہ میں اپنے چچیرے بھائی کے ساتھ قصر بنی مقاتل میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے آپؑ کو سلام کیا، آپؑ نے (مختصر سی گفتگو کے بعد) فرمایا: "کیا تم اس لئے آئے ہو کہ میری مدد کرو؟" میں نے جواب دیا: "میں بال بچوں والا ہوں اور میرے پاس لوگوں کی چیزیں بھی امانت رکھی ہیں۔ نہ معلوم نتیجہ کیا نکلے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ کسی شخص کی امانت برباد کر ڈالوں۔" میرے چچیرے بھائی نے بھی امامؑ کے جواب میں کچھ ایسی باتیں کہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا: "تم جو میری مدد نہیں کر رہے ہو تو اس بیابان سے دور چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم میری فریاد سنو اور مجھے نہ دیکھ سکو۔ دراصل جو کوئی بے کسی کی آواز سے گا یا ہمیں دیکھ لے گا اور ہماری مدد نہیں کرے گا تو خدا پر واجب ہوگا کہ وہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم کے قبر میں عذاب کے ایسے کوڑے مارے گئے جن سے اس کی قبر میں آگ بھر گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک دن وضو کئے بغیر نماز پڑھ لی تھی اور ایک مظلوم کے پاس سے گزر گیا لیکن اس کی مدد نہیں کی تھی۔ (سفینۃ البحار جلد ۲)

جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں: "مؤمن چاہے ظالم ہو چاہے مظلوم اس کی مدد کرنا چاہئے اگر ظالم ہو تو اسے ظلم کرنے سے روکو اور اگر مظلوم ہے تو ظالم سے اس کا حق دلوانے میں اس کی مدد کرو۔ نہ اس کا حق چھوڑو نہ ظالم کو معاف کرو۔" (دار السلام نوری جلد ۲ صفحہ ۱۹۷)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو مؤمن اپنے دینی بھائی کی ایسی صورت

میں بھی مدد نہیں کرے گا جبکہ وہ مدد کر سکتا ہے تو خداوند عالم اسے چھوڑ بیٹھے گا اور دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا۔" (بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۸۸)

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے کہ: "جس کے سامنے کسی مؤمن بھائی کی برائی بیان کی جاتی ہے لیکن وہ اس کی حمایت نہیں کرتا اور اس کی برائی دور نہیں کرتا جب کہ وہ ایسا کرنے کے قابل بھی ہو تو خداوند عالم اسے دنیا اور آخرت میں رسوا کرے گا۔"

اس حدیث سے اور دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی حمایت کا واجب ہونا اس کے مال اور جسم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کی آبرو کے لحاظ سے بھی واجب ہے کیونکہ مؤمن کی آبرو بھی اس کے خون اور مال کی طرح قابل احترام ہے۔ جس طرح اس کا خون بہانا اور اس کا مال لوٹنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی آبرو ریزی بھی حرام ہے۔ روایتوں میں اس کے بارے میں سخت تنبیہیں کی گئی ہیں۔(کافی) جس طرح مؤمن کو قتل سے بچانے میں اس کی مدد واجب ہے اسی طرح اس کے مال کو لوٹ مار سے بچانا واجب ہے اور اسی طرح اس کی عزت بچانے میں مدد کرنا بھی واجب ہے۔

جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے دینی بھائی کی برائی سنتا اور اسے دور کرتا ہے خدا دنیا اور آخرت میں اس کے سامنے برائی کے ہزار دروازے بند کر دیتا ہے اور جو اس کی برائی کی کاٹ کرنے کے قابل ہوتے ہوئے اسے رد نہیں کرتا اسے چغل خور سے ستر گنا گناہ ملتا ہے۔ (مکاسب محرمہ شیخ انصاری)

شیخ انصاری فرماتے ہیں اس بات کا سبب کہ اس کا گناہ چغل خور سے ستر گنا زیادہ ہوتا ہے شاید یہ ہے کہ سننے والے کا خاموش ہو جانا اور اس کی رد نہ کرنا نہ صرف

اس گناہ پر بلکہ اور گناہوں پر بھی غیبت کرنے والے کی جرأت بڑھا دیتا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ غیبت رد کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف غیبت سے ہی روکے بلکہ دینی بھائی کی مدد کرے یعنی اس نے جو عیب مؤمن پر لگایا ہے اسے کوشش کر کے دور کرے۔ مثلاً اگر وہ عیب دنیاوی باتوں کا ہو تو کہے کہ یہ تو کوئی برائی نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی گناہ تو نہیں کیا ہے البتہ خدا نے جس بات کو حرام فرمایا ہے وہ عیب ہے اور اگر کہے کہ فلاں شخص نے نماز نہیں پڑھی تو جواب میں کہے کہ غالباً بھول گیا ہوگا یا یہ کہ پڑھی تو ہے تم نہیں سمجھ پائے یا وہ کہے کہ فلاں شخص نے شراب پی ہے تو کہے وہ غالباً شراب نہیں تھی اور اگر صحیح واقعے کا گمان نہ ہو تو کہہ دے کہ مؤمن معصوم تو نہیں ہوتا کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتا ہے اس کے لئے استغفار کرنا چاہئے اور ہمدردی کرنا چاہئے نہ کہ اس کی پیٹھ پیچھے اسے ملامت کرو۔ یہ بات تفصیل سے غیبت کی گفتگو میں بیان کی جائے گی۔

مدد مانگنے والے پر مدد منحصر نہیں ہے

جاننا چاہئے کہ مظلوم کی مدد کا واجب ہونا اس مظلوم پر منحصر نہیں ہے کہ وہی کسی شخص سے مدد طلب کرے بلکہ جسے بھی پتا چلے اور جو کر سکتا ہو کہ مؤمن کے سر سے ظلم دور کر دے اس پر واجب ہوتا ہے۔ ہاں اگر اس مظلوم نے مدد مانگی تو مدد لازمی طور پر واجب یعنی واجب موکد ہو جائے گی۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی شخص کی یہ فریاد سنے کہ اے مسلمانو! میری فریاد کو پہنچو اور وہ اسے قبول نہ کرے (اور اس کی فریاد رسی نہ کرے) وہ مسلمان نہیں ہے۔" (جہاد وسائل باب ۵۹ صفحہ ۴۳۶)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جس کسی سے اس کا دینی بھائی حاجت

طلب کرے اور وہ باوجودیکہ اسے پورا کر سکتا ہو پورا نہ کرے تو خداوند عالم اس کی قبر میں (دوزخ کے سانپوں میں سے) ایک بڑا سانپ اسے ڈسنے کے لئے متعین کردے گا (مستدرک) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ چاہے بخش بھی دیا جائے مگر قیامت تک اسی عذاب میں گرفتار رہے گا۔"

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: "جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا ترک کردے گا وہ کسی ایسے شخص کی مدد کرنے میں پھنس جائے گا جس کا اسے کوئی پھل نہیں ملے گا بلکہ اس کو گناہ ہوگا۔" (کافی) اس مضمون کی اور بھی کچھ روایتیں ملتی ہیں۔

حضرت امام سجادؑ فرماتے ہیں: "جو گناہ بلا آنے کا سبب ہوتے ہیں وہ کسی مجبور کی فریادرسی نہ کرنے سے ہوتے ہیں۔" (معانی الاخبار)

آپ اپنی دعا میں خدا سے عرض کرتے ہیں: "اے خدا! اگر کسی مظلوم پر میرے آس پاس ظلم ہوا ہو اور میں نے اس کی مدد نہ کی ہو تو میں تجھ سے اس بات پر معافی مانگتا ہوں۔ میں کسی مجبور اور پریشان شخص کی مدد نہ کرنے پر تیری پناہ مانگتا ہوں۔" (صحیفہ سجادیہ۔ دعا ۳۸)

اس بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں لیکن اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مظلوم کی مدد مؤمن سے ہی مخصوص نہیں ہے

خصوصیت سے مظلوم مؤمن کی ہی مدد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اس موقعے سے متعلق دلیلوں اور نہی عن المنکر کے وجوب کی عام دلیلوں سے امکانی صورت میں مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے چاہے وہ مظلوم شیعہ نہ ہو۔ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں بلکہ کافر (غیر حربی) یا حیوان پر بھی ظلم ہوتا ہو تو نہی عن المنکر کی رو سے واجب ہے کہ مسلمان اس کا سدباب کرے اور اسے دور کرے۔

منتہی الآمال میں لکھا ہے کہ جس سال منصور دوانقی مکہ معظمہ گیا تھا ایک دن قیمتی موتی اس کے پاس بیچنے کو آئے۔ منصور دیر تک ایک موتی دیکھتا رہا اس کے بعد بولا: "یہ موتی ہشام بن عبدالملک کا ہے جو مجھے ملنا چاہئے۔ اس کا محمد نامی ایک بیٹا باقی رہ گیا ہے یقیناً وہی یہ موتی بیچ رہا ہے۔" پھر اس نے اپنے دربان ربیع سے کہا کل نماز صبح کے بعد حکم دے دے کہ مسجد حرام کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد ایک دروازہ کھول دینا اور لوگوں کو ایک ایک کر کے اس دروازے سے نکلنے کی اجازت دینا جس وقت تو محمد بن ہشام کو پہچان لے تو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آنا۔

دوسری صبح کو نماز کے بعد جس وقت مسجد کے دروازے بند ہو گئے اور یہ اعلان ہوا کہ لوگ ایک ایک کر کے فلاں دروازے سے باہر جائیں تو محمد سمجھ گیا کہ یہ اس کی گرفتاری کی اسکیم ہے۔ چنانچہ وہ حیران پریشان ہر طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اس موقع پر جناب محمد بن زید بن علی بن الحسین علیہ السلام (جو سادات دست غیب اور سادات دشتکی کے جد ہیں) اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: "تو کون ہے اور اس قدر پریشان اور خوف زدہ کیوں ہے؟" وہ بولا: "جان کی امان پاؤں تو اپنا تعارف کراؤں۔" آپ نے فرمایا: "ہاں میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے خطرے سے بچالوں گا۔" وہ کہنے لگا: "میں محمد بن ہشام بن عبدالملک مروان ہوں۔ اب آپ بھی اپنا تعارف کرائیے تاکہ میں بھی آپ کو پہچان لوں۔" آپ نے فرمایا: "میں محمد بن زید بن علی بن الحسینؑ ہوں۔ اگرچہ تیرے باپ نے میرے باپ کو شہید کیا ہے لیکن اے بھائی تو اپنی جان کی فکر نہ کر کیونکہ تو میرے باپ کا قاتل نہیں ہے اور تیری جان لینے سے میرے باپ کے خون ناحق کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔ اس وقت میں تجھے کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے اس خطرے سے بچاتا ہوں۔ اس مقصد کو

حاصل کرنے کے لئے میرے ذہن میں ایک منصوبہ آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر عمل کروں بشرطیکہ تو بھی ساتھ دے اور اپنے دل میں کوئی خوف نہ لائے۔ پھر اسے حکم دیا اور اپنے جسم سے چادر اتار کر محمد کے سر اور چہرے پر ڈال دی۔ پھر اسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے جانے لگے اور اسے برابر گھونسے اور تھپڑ لگا رہے تھے۔ جیسے ہی مسجد کے دروازے پر پہنچے اور دربان ربیع کے قریب آئے اسے زور سے مخاطب کر کے فرمایا: "یہ خبیث کوفے کا ایک اونٹ والا ہے اس نے مجھے اونٹ کرائے پر دیا تھا کہ وہ آتے جاتے میرے قبضے میں رہے لیکن بعد میں بھاگ گیا اور اونٹ دوسرے کو کرائے پر دے دیا۔ اپنے وعدے کے ثبوت میں میرے پاس دو عادل گواہ بھی موجود ہیں۔ اپنے دو آدمی میرے ساتھ کر دے تو میں اسے قاضی کے پاس لے جاؤں۔" ربیع نے دو ملازم محمد بن زید کے سپرد کر دیئے اور سب اکٹھے مسجد سے نکل آئے۔ راستے میں محمد بن زید نے محمد بن ہشام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "اے خبیث اب بھی اگر تو میرا حق ادا کرتا ہے تو میں تجھے پولیس اور قاضی کے پاس نہ لے جاؤں۔"

محمد بن ہشام تو اس کا منتظر ہی تھا کہنے لگا: "اے ابن رسول اللہؐ! جیسا آپ فرماتے ہیں ویسا ہی کروں گا۔" اس پر محمد بن زید نے ملازموں سے کہا: "چونکہ اس نے میرا حق دینے کا اقرار کر لیا ہے اس لئے اب تم تکلیف نہ کرو۔" جب ملازم پلٹ گئے تو محمد بن ہشام نے جو نہایت آسانی کے ساتھ موت کے خطرے سے نکل آیا تھا محمد بن زید کے سر اور پیشانی پر بوسے دیئے اور کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا بہتر سمجھتا ہے جس نے آپ کے خاندان کو رسالت عطا کی۔ اس کے بعد اس نے جیب سے وہ قیمتی موتی نکالا اور بولا: "یہ نذرانہ قبول فرما کر میری عزت افزائی کیجئے۔"

محمد بن زید نے فرمایا: "ہم ایسے خاندان سے ہیں کہ نیکی کے کام کا عوض نہیں لیتے۔ میں نے اپنے باپ کا خون ہی تجھے معاف کر دیا تو میں یہ موتی کیا لوں گا۔"

عابد زمین پر اترتا چلا جا رہا ہے

شیخ طوسی حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا عبادت گزار نماز پڑھ رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ دو لڑکوں نے ایک مرغا پکڑ لیا ہے اور اس کے پر نوچ رہے ہیں اور وہ مرغا چیخ چلا رہا ہے، پھر بھی وہ عابد بدستور نماز میں لگا رہا اس نے اس مرغے کو نہیں بچایا اور نہ بچوں کو روکا۔ اس پر خدا نے زمین کو وحی بھیجی اور حکم دیا کہ اس عابد کو نگل جا اور وہ عابد دنیا کے اختتام تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

مؤمن کی مدد کے سبب دنیا اور آخرت میں بڑے ثواب ہیں

مظلوموں کی مدد کرنے اور مؤمنوں کی ضروریات رفع کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کرنے کی اہمیت اور ثواب عظیم کے متعلق بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔ معلومات میں اضافے کے لئے ان میں سے چند بیان کی جاتی ہیں:

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی اپنے مجبور مؤمن بھائی کی سخت پریشانی میں مدد کرے گا، اس کا دکھ بٹائے گا اور اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے گا خدا اس سلوک کے عوض اس کے لئے بہتر رحمتیں واجب فرمائے گا۔ ان میں سے ایک اسے بخش دے گا جس کی بدولت اس کا دنیاوی کاروبار سنور اور سدھر جائے گا اور باقی اکہتر رحمتیں قیامت میں اس کے خوف اور سختیوں کے لئے جمع رکھے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب الامر بالمعروف باب ۲۹)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنے مؤمن بھائی کی حاجت روائی کی

کوشش کرتا ہے اور خدا وہ حاجت اس کے ہاتھ سے پوری کرا دیتا ہے تو خدا اس کے لئے حج، عمرے، روزے اور مسجد الحرام میں دو مہینے کے اعتکاف کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اگر وہ ضرورت اس کی کوشش سے پوری نہیں ہوتی تو اسے ایک حج اور عمرے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔(وسائل الشیعہ کتاب الامر بالمعروف باب ۲۹) آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا نے داؤدؑ کو وحی فرمائی کہ میرا جو بندہ ایک نیکی لے کر میرے پاس آئے گا میں اسے جنت میں بھیج دوں گا۔ انہوں نے پوچھا: "اے خدا وہ کونسی نیکی ہے؟" خدا نے فرمایا: "وہ کسی مؤمن کا غم اور مصیبت دور کر دیتا ہے چاہے وہ ایک چھوارے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔" داؤدؑ نے عرض کیا: "اے خدا! سچ ہے جس نے تجھے پہچان لیا وہ تجھ سے اپنی امید منقطع نہیں کر سکتا۔"(۱)

کتاب فقیہ میں میمون بن مہران سے روایت ہے کہ میں حضرت امام حسنؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: "اے فرزند رسولؐ فلاں شخص کا مجھ پر قرض ہے وہ مجھے جیل بھجوانا چاہتا ہے۔" حضرت نے فرمایا: "میرے پاس رقم نہیں ہے جو تیرا قرض چکا سکوں۔" اس نے کہا: "اس سے کہہ دیجئے شاید مجھے قید نہ

۱۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں نے ایک مرنے والے کی برزخی صورت دیکھی نہایت سیاہ، گندی اور بدبودار۔ میں ڈرا کہ اگر یہ بدنصیب اسی حال میں مر گیا تو اس پر کیا بیتے گی؟ یکایک ایک آواز آئی کہ اے ملک الموت ذرا ٹھہر جا۔ ہم پر اس کا ایک حق باقی ہے جو اس وقت ادا ہو جانا چاہئے۔ اچانک اس پر ایسی روشنیاں پڑنے لگیں کہ اس کی سیاہی سفیدی اور چمک سے اور گندگی اور بدبو خوشبو سے اور بدصورتی خوبصورتی سے بدل گئی اور اس کا برزخی جسم بلور کے ٹکڑے کی طرح دمکنے لگا۔ اس اچھی حالت میں اس کی جان لی گئی۔ میں نے خدا سے سوال کیا مجھے سمجھا دے کہ اس کا تجھ پر کیا حق تھا۔ رات کو میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا تو وہ بولا: "میری بداعمالی تو تو نے دیکھی ہی تھی البتہ ایک دن میں نے ایک مظلوم کو دیکھا جسے لوگ بے قصور مارے ڈال رہے تھے۔ چونکہ حکومت کی انتظامیہ میں میرا رسوخ تھا، میں نے کوشش کر کے اسے چھڑا دیا۔ یہی وجہ ہوئی جو خدا نے نہایت برے حالات میں میری فریاد رسی فرمائی۔"

کرائے۔" حضرت نے اپنے جوتے سیدھے کیے۔ میں نے کہا: "اے فرزند رسولؐ! شاید آپ بھول گئے ہیں کہ آپ اعتکاف میں ہیں۔" (اور آپ کو مسجد سے باہر نہیں جانا چاہیے) آپ نے فرمایا: "جس نے اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کی اس نے گویا نو ہزار سال تک اپنے خدا کی اس طرح عبادت کی کہ دن بھر روزہ دار رہا اور رات بھر نماز گزار۔"

اہواز کے حاکم کے نام حضرت امام صادقؑ کا خط

جس وقت نجاشی اہواز کا حاکم ہو گیا تو اس کے ایک ماتحت نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا کہ نجاشی کے رجسٹر میں میرے ذمے کچھ محصول درج ہے اور وہ مؤمن اور فرماں بردار شخص ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے لئے اس کو ایک خط لکھ دیں۔ حضرت نے لکھا: "اپنے بھائی کو خوش کر دے تاکہ خدا تجھے خوش رکھے۔" (اصول کافی باب ادخال السرور علی المؤمن)

وہ کہتا ہے کہ میں جس وقت نجاشی سے ملنے گیا وہ میٹنگ میں تھا۔ جب اکیلا رہ گیا تو میں نے وہ خط اسے دیا اور کہا کہ خط امام صادقؑ کا ہے۔ اس نے اسے چوما، آنکھوں سے لگایا اور پوچھا: "تمہیں کیا حاجت درپیش ہے؟" میں نے جواب دیا کہ تمہارے رجسٹر میں میرے ذمے کچھ خراج باقی ہے۔ اس نے پوچھا: "کتنا ہے؟" میں نے کہا: "دس ہزار درہم۔" نجاشی نے حساب دار (منشی) کو بلایا اور حکم دیا کہ رقم اس کی طرف سے ادا کر دے اور پھر اس کو دفتر سے باہر لے آیا اور حکم دیا کہ آئندہ سال کے لئے بھی اس (خود نجاشی) کی طرف سے اتنی ہی رقم لکھ دے۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا: "اب تو تو خوش ہوا۔" میں نے جواب دیا: "ہاں قربان جاؤں۔" اس کے بعد مجھے سواری کو ایک گھوڑا، ایک باندی، ایک غلام اور کپڑوں کا ایک جوڑا دلوایا اور ہر

ایک کے دیتے وقت پوچھتا جاتا تھا اب تو خوش ہوا اور میں جواب دیتا تھا کہ ہاں قربان جاؤں اور جس قدر میں ہاں ہاں کہتا جاتا تھا بخشش میں اضافہ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ بخشش سے فارغ ہوا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا: "اس کمرے کے یہ سب قالین بھی جس پر میں بیٹھا ہوں اپنے ساتھ لے جا۔ چونکہ تو نے میرے آقا کا خط مجھ یہاں دیا ہے تو تیری جو حاجت ہو مجھے بتادے۔" پھر میں باہر آیا اور جب حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچا تو سارا حال کہہ سنایا۔ آپؑ نجاشی کے سلوک سے خوش ہوئے۔

میں نے کہا: "اے فرزند پیغمبرؐ! نجاشی نے مجھ سے جو سلوک کیا ہے اس سے اس نے گویا آپ کو خوش کر دیا۔" آپؑ نے فرمایا: "ہاں خدا کی قسم اس نے خدا اور رسول کو بھی خوش کر دیا۔"

علی کے والد یقطین سے منقول ہے کہ اہواز میں ہم پر ایک شخص حاکم ہو گیا جو یحییٰ بن خالد کا منشی رہ چکا تھا اور میرے ذمے بہت سارا محصول باقی تھا جس کے ادا کرنے سے میں اتنا مجبور تھا کہ میری تمام جائیداد اور جاگیر ہی ہاتھ سے نکلی جارہی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ امامت کا قائل ہے اور شیعہ ہے۔ میں ڈرتا تھا کہ میں اس سے ملوں اور وہ شیعہ نہ نکلا تو کیا ہوگا۔ اب اس کے سوا اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ اہواز سے بھاگ کر کے جاؤں۔ جب حج سے فارغ ہوا تو مدینے کی راہ پکڑی اور حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "اے میرے آقا! مجھ پر فلاں شخص حاکم ہو کر آیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ آپ کا دوست ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو میں اس سے ملوں اور وہ شیعہ نہ نکلے اور اس کی ملاقات میں میری تمام ملکیت ہی ہاتھ سے نکل جائے اس لئے اس سے بھاگ کر خدا کی اور آپؑ کی طرف آیا ہوں۔"

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: "تو مت ڈر۔" اور ایک مختصر سا خط لکھ دیا:
"دراصل خدا کے عرش کا سایہ اس پر ہوگا جو اپنے بھائی کا دکھ دور کرے گا، اسے آرام اور سکون پہنچائے گا یا اس کے ساتھ نیکی کرے گا چاہے وہ آدھے چھوہارے یا ذرا سے ریزے کے برابر ہی کیوں نہ ہو اور یہ شخص تیرا بھائی ہے۔" (مجموع الرائق وغیرہ سے منقول کلمہ طیبہ)

پھر اس رقعے پر مہر لگائی اور مجھے دے کر فرمایا: "یہ اس کے پاس لے جا۔" جب میں اپنے شہر کو پلٹا تو رات کو اس کے مکان پر گیا۔ میں نے حاضری کی اجازت مانگی اور کہا کہ مجھے حضرت امام صادقؑ نے بھیجا ہے۔ یکایک میں نے اسے دیکھا کہ وہ ننگے پاؤں باہر نکل آیا اور جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا سلام کیا اور میری آنکھوں کو بوسہ دیا پھر پوچھا: "کیا تمہیں میرے مولا نے بھیجا ہے؟" میں نے کہا: "جی ہاں۔" اس نے کہا: "اگر سچ کہتے ہو تو میں تمہاری آنکھوں کے قربان جاؤں۔" پھر میرا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: "اے محترم! تم نے میرے آقا کو کس حال میں چھوڑا؟" میں نے جواب دیا: "بہت اچھے حال میں۔" اس نے کہا: "کیا سچ؟" میں نے کہا: "خدا کی قسم۔" اس نے یہ بات مجھ سے تین بار کہلوائی۔ پھر میں نے امام کا رقعہ اسے دیا۔ اس نے پڑھا، چوما، اپنی آنکھوں سے لگایا پھر کہا: "اے بھائی! اپنا کام بتا۔" میں نے کہا: "حساب میں میرے ذمے چند ہزار درہم واجب الادا ہیں اور ان کی ادائگی میں میں بالکل ختم ہو جاؤں گا۔" اس نے حساب طلب کیا اور جو کچھ میرے ذمے تھا اسے بیباق کر دیا اور مجھے رقم کی وصولیابی کی رسید دے دی۔ پھر اپنی رقم کے صندوق منگوائے اس میں سے آدھی رقم مجھے دے دی۔ اس کے بعد اپنے گھوڑے منگوائے ان میں سے ایک خود لیتا جاتا تھا اور ایک مجھے دیتا جاتا تھا۔ پھر اپنے لباس کے جوڑے منگوائے ایک جوڑا خود لیتا

جاتا تھا اور ایک مجھے دیتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی پوری ملکیت میں سے آدھی مجھے دے دی اور برابر کہے جاتا تھا: "اے بھائی! تو خوش ہوا؟" میں کہتا تھا: "ہاں ضرور، خدا کی قسم!۔"

جب حج کا زمانہ آیا تو میں نے سوچا کہ میں اس کی تلافی کسی ایسی چیز سے نہ کروں جو خدا اور رسولؐ کے نزدیک بہتر ہو۔ باہر سے حج کرنے جاؤں، وہاں اس کے لئے دعا کروں اور پھر اپنے مولا حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچوں اور مولا کے سامنے اس کی اس طرح شکر گزاری کروں کہ مولا سے اس کے لئے دعا فرمانے کی درخواست کروں۔

مکے سے جب میں حضرت امام صادقؑ کے پاس پہنچا تو میں نے آپؑ کے چہرے پر خوشی دیکھی۔ آپؑ نے فرمایا: "اے یقطین! اس شخص نے تمہارے کام کے بارے میں کیا کہا؟" اس پر میں وہ سب بیان کرنے لگا جو اس نے میرے ساتھ کیا تھا اور حضرت کا چہرہ خوشی سے دمکتا جاتا تھا۔ پھر میں نے پوچھا: "اے میرے آقا! کیا اس نے میرے ساتھ یہ سلوک کر کے آپ کو خوش کیا؟" (خدا اسے خوش رکھے)۔ آپؑ نے فرمایا: "ہاں! خدا کی قسم اس نے میرے بزرگوں کو خوش کر دیا۔ خدا کی قسم اس نے امیر المؤمنینؑ کو خوش کر دیا۔ خدا کی قسم اس نے رسول خداؐ کو خوش کر دیا۔ خدا کی قسم اس نے خدا کو اس کے عرش پر خوش کر دیا۔"

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور علی بن یقطین

ابراہیم شتربان نے علی بن یقطین (وزیر ہارون رشید) سے ملاقات کی اجازت مانگی تو اسے منع کر دیا گیا۔ اسی سال علی بن یقطین نے حج کیا اور مدینے پہنچ کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ملاقات کی اجازت چاہی تو حضرت نے اسے اجازت نہیں دی۔

دوسری صبح وہ آپؑ سے ملا اور عرض کرنے لگا کہ اے میرے آقا! میری کیا غلطی تھی جو آپؑ نے مجھے کل اجازت نہیں دی؟ آپؑ نے فرمایا: "اس لئے کہ تم نے اپنے بھائی کو اجازت نہیں دی تھی۔ خدا تمہاری محنت اور کوشش اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک ابراہیم تم کو معاف نہیں کردے گا۔" (بحار الانوار جلد ۱۱۔ دمعۃ الساکبہ) اس نے عرض کیا: "اس وقت ابراہیم شتربان کہاں ہے جو میں اسے منا سکوں؟ میں مدینے میں ہوں اور ابراہیم کوفے میں ہے۔" آپ نے فرمایا: "جب رات ہو جائے تو اکیلے بقیع میں چلے جانا لیکن تمہارے ساتھیوں کو پتا نہ لگے۔ وہاں ایک سیدھی شریف سے سواری موجود ہوگی اس پر سوار ہو لینا۔" علی بن یقطین نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد ہی اس نے اپنے آپ کو ابراہیم کے دروازے پر پایا۔ دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: "میں ہوں علی بن یقطین۔"

ابراہیم نے گھر میں سے ہی کہا: "علی بن یقطین! میرے گھر کا دروازہ کیوں کھٹکھٹاتے ہو؟" علی نے زور سے کہا: "مجھے ایک بڑا کام ہے اور اسے قسم دی کہ مجھے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے۔" جب وہ اندر آیا تو کہا: "اے ابراہیم! جب تک تو مجھے معاف نہیں کرے گا مولا بھی مجھے معاف نہیں کریں گے۔" ابراہیم کہنے لگا: "خدا تجھے بخشے۔" علی بن یقطین نے اسے قسم دی کہ اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ۔ ابراہیم نے یہ بات نہیں مانی تو اس نے دو مرتبہ اسے پھر قسم دی۔ تب ابراہیم نے مجبور ہو کر ایسا ہی کیا۔ علی بن یقطین کہنے لگا: "اے خدا! تو اس بات کا گواہ رہنا۔ اس کے بعد مرکب پر سوار ہوا اور اس نے اپنے آپ کو حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کے دروازے پر پایا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت نے اسے داخل ہونے کی اجازت دے دی۔
اس واقعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دینی بھائیوں کا حق بہت بڑا ہوتا ہے۔

علی بن یقطین امامؑ کے خاص صحابی تھے اور انہوں نے آپؑ ہی کے حکم سے وزارت قبول کی تھی اور آپؑ ان پر اتنی عنایت فرماتے تھے کہ ایک بقر عید کے دن آپؑ نے فرمایا: آج میرے دل میں سوائے علی بن یقطین کے جس کے لئے میں نے دعا کی اور کسی کا خیال نہیں آیا اس کے باوجود امامؑ نے ان کے ساتھ ایسا عمل کیا کہ جب تک ابراہیم شتربان تم سے نہیں من جائے گا تمہاری کوشش قبول نہیں ہوگی جس پر امامؑ کے اعجاز کی مدد سے علی بن یقطین مسافت طے کر کے کوفے پہنچے اور انہوں نے ابراہیم کو منایا۔ اس لئے ہمیں اپنی زندگی میں روزانہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم سے ہمارے ایمانی بھائیوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

خود اس شخص کی بھی حاجت پوری ہو جاتی ہے

واضح رہے کہ جو شخص کسی مظلوم پر سے ظلم دور کرنے یا مؤمنوں کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے ثواب آخرت ملنے کے علاوہ اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی حاجتیں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں اور شواہد ملتے ہیں لیکن صرف ایک قصے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ایک حدیث پر بھی مشتمل ہے۔

کتاب محاسن کے مصنف عالم اجل احمد بن محمد بن خالد البرقی نے جنہوں نے حضرت امام حسن عسکریؑ کا زمانہ دیکھا ہے اور جو غیبت صغریٰ میں بھی موجود تھے فرمایا ہے کہ میں "رے" پہنچا اور کوتکین کے منشی ابوالحسن مادرانی کا مہمان ہوا۔ اس سے مجھے دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا جو میں کاشان میں واقع ایک موضع کی مالگزاری سے محسوب کر لیتا تھا۔ مجھ سے محصول کا مطالبہ ہوا اور وہ کچھ کاموں کی وجہ سے میری طرف توجہ نہیں کر پا رہا تھا۔ ایک دن جب میں سخت فکر و پریشانی میں مبتلا تھا

یکایک میرے پاس شیخ عفیف آیا جو بہت مضمحل ہو چکا تھا۔ اس کا بہت سا خون خشک ہو چکا تھا اور وہ مردہ بمشکل زندہ تھا۔ اس نے کہا: "اے ابو عبداللہ! میرے اور تیرے درمیان دین کی پاکیزگی اور ائمہ طاہرینؑ کی دوستی مشترک ہے۔ خدا کی خوشنودی اور ہم سادات کی دوستی کی خاطر میرے لئے ان دونوں پچھ نہ پچھ کر۔" میں نے پوچھا: "آخر تجھے تکلیف کیا ہے؟" وہ بولا: "لوگوں نے میرے متعلق یہ مشہور کر دیا ہے کہ میں نے کوتگین کے خلاف سلطان کو خفیہ طور سے کچھ لکھ دیا ہے۔ اس سبب سے انہوں نے میرا مال دبا لیا ہے۔" میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں تیری حاجت پوری کروادوں گا اور وہ چلا گیا۔ میں نے سوچا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر اپنی اور اس کی حاجت بیک وقت طلب کرتا ہوں تو دونوں پوری نہیں ہو سکتیں اور اگر اس کی حاجت طلب کرتا ہوں تو اپنی حاجت پوری نہیں ہوتی۔

اس کے بعد میں اپنی لائبریری میں گیا تو مجھے ایک حدیث ملی جس میں حضرت امام صادقؑ سے روایت کی گئی تھی جو کوئی اپنے مؤمن بھائی کی حاجت کے لئے اپنی نیت صاف کر لے خدا اس کے ہاتھ سے اسے پورا کرا دیتا ہے اور اس کی بھی جو حاجت ہوتی ہے وہ بھی پوری کر دیتا ہے۔ بس میں اسی گھڑی اٹھ کھڑا ہوا اور ابوالحسن مادرائی کے دروازے پر جا پہنچا۔ جب میں اجازت لے کر اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ کرسی پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہے۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے جواب سلام دیا اور کہا: "بیٹھو۔" بس خدا نے میری زبان پر یہ آیت جاری کی جسے میں نے بلند آواز سے پڑھا: "وابتغ فیما اتیك اللہ الدار الاخرہ ولا تنس نصیبك من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیك ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین" (سورۃ قصص آیت ۷۷) یعنی خدا نے تجھے جو

کچھ آخرت کے مال و جاہ اور سعادت کی نعمت دی ہے وہ حاصل کر اور دنیا سے بھی اپنا حصہ (یعنی زندگی، صحت، فراغت، تونگری اور جوانی جسے تو اچھے کام میں صرف کرے) نہ چھوڑ اور اسی طرح نیکی کر جس طرح خدا نے تیرے ساتھ نیکی کی ہے اور زمین پر فساد نہ کر۔ واقعی خدا فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

ابوالحسن کہنے لگا: "تیرا یہ آیت پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ تجھے کوئی حاجت ہے۔ تو کھل کر بیان کر۔" میں نے کہا: "فلاں شخص کے خلاف لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے۔" اس نے پوچھا: "کیا وہ شیعہ ہے جو تو اسے جانتا ہے؟" میں نے کہا: "ہاں۔" اس پر وہ کرسی سے اتر آیا اور غلام سے کہا: "وہ رجسٹر اٹھالا۔" وہ رجسٹر لایا جس میں اس شخص کا مال درج تھا اور وہ بے حساب تھا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ سب رقم اسے لوٹا دی جائے اور اس کے لئے ایک خلعت اور خچر کا حکم دیا اور اسے اس کے اہل و عیال کے پاس عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ پھر کہا: "اے ابو عبداللہ! تم نے نصیحت میں کمی نہیں رکھی اور میرا کام درست کر دیا۔" پھر اس نے ایک پرچہ اٹھا کر اس پر لکھا۔ احمد بن محمد بن خالد البراقی کو دے دیا جائے اور یہ کاشان میں اس کی کاشت کے محاصل میں شمار کیا جائے۔ پھر کچھ دیر رکا اور کہنے لگا: "اے ابو عبداللہ! خدا تمہیں نیکی دے کیونکہ تم نے اس ظلم کے تعلق سے جو اس بیچارے پر ہوا تھا میرے کام کی خرابی دور کر دی۔" پھر دوسرا رقعہ لکھا۔ اسے دس ہزار درہم اور دیئے جائیں کیونکہ اس نے ہمیں نیکی کی راہ دکھائی۔ احمد نے کہا کہ میں نے چاہا کہ اس کا ہاتھ چوم لوں تو وہ کہنے لگا: "میرے کام کو آلودہ نہ کرو۔ واللہ اگر تم نے میرا ہاتھ چوما تو میں تمہارے قدم چوموں گا۔" یہ بات اس کے حق میں کم تھی کیونکہ وہ آل محمدؐ کی رسی پکڑے ہوئے ہے۔ (کلمہ طیبہ حاجی نوری صفحہ ۲۳۸ منقول از منہاج الصلاح علامہ حلی)

۵

جادو

اکتیسواں گناہ کبیرہ جس کی تصریح کی گئی ہے جادو ہے جیسا کہ وسائل الشریعت میں پیغمبر خداؐ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے جادو کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے اور عبدالعظیم کے صحیحہ میں حضرت جوادؑ سے اور ان حضرات نے حضرت رضاؑ سے اور ان حضرت نے حضرت کاظمؑ سے اور ان حضرت نے حضرت امام صادقؑ سے گناہان کبیرہ کے سلسلے میں نقل کیا ہے: ''جادو گناہ کبیرہ ہے کیونکہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے ''ولقد علموا لمن اشتریه ۔۔۔۔۔'' اور یہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۲ کا ایک حصہ ہے۔ پوری آیت یوں ہے: ''یہودیوں کا ایک گروہ اس منتر کے پیچھے پڑ گیا جس کو سلیمانؑ کے زمانہ سلطنت میں شیاطین جپا کرتے تھے حالانکہ سلیمانؑ نے کفر اختیار نہیں کیا لیکن شیطانوں نے کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ چیزیں جو ہاروت اور ماروت دونوں فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھیں حالانکہ یہ دونوں فرشتے کسی کو سکھاتے نہیں تھے جب تک یہ نہیں کہہ دیتے تھے کہ ہم دونوں تو فقط ذریعہ آزمائش ہیں۔ پس تم اس پر عمل کر کے بے ایمان نہ ہو جانا۔ اس پر بھی ان سے وہ ٹوٹکے سیکھتے تھے تاکہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیں حالانکہ خدا کے حکم کے بغیر وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور یہ لوگ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو خود انہیں کو نقصان پہنچاتی تھیں اور کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی تھیں باوجودیکہ وہ جان چکے تھے کہ جو شخص ان برائیوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے اور بے شبہ وہ معاوضہ بہت ہی برا ہے جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش وہ اس کو سوچ سمجھ لیتے۔ (سورۃ ۲ آیت ۱۰۲)

تفسیر المیزان میں کہا گیا ہے: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں میں جادو کا مدتوں تک رواج رہا۔ وہ اس کی ابتدا حضرت سلیمانؑ سے سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سلیمانؑ کی سلطنت، جنوں، انسانوں، حیوانوں، وحشیوں (جنگلی جانوروں) اور پرندوں پر قابو اور تمام خلاف معمول کام سب جادو کا نتیجہ تھے جس کا ایک جزو ان کے ہاتھ بھی آگیا ہے۔ جادو کے دوسرے حصے کو وہ بابل کے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت سے متعلق اور منسوب سمجھتے تھے اس لئے قرآن مجید حضرت سلیمانؑ کے متعلق ان کی بات کی تردید کرتا ہے کیونکہ جادو سے مراد موجودات عالم پر اس وضع کے خلاف قابو پانا ہے جو خدا نے ان کی فطرت قرار دے دی ہے اور جسے جانداروں کے خیالات و جذبات کی علامت بنادیا ہے۔ لہذا یہ (سحر) ایک طرح سے خدا کی نافرمانی ہے اور سلیمانؑ معصوم پیغمبر ہیں۔ ان کا پاک وجود خدا کی نافرمانی سے بری ہے اس لئے خدا فرماتا ہے: "وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر" سلیمان ہرگز کافر نہیں ہوئے لیکن شیطانوں نے کفر اختیار کیا اور وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔" (سورۃ بقرہ آیت ۱۰۲)

یہ ایک خیالی و فرضی کہانی ہے کہ شیطانوں نے فریب کیا ہے اور اپنے دوستوں کو سکھا دیا ہے۔ یہی لوگ تھے جو اپنے دوستوں کو جادو سکھا کر اور گمراہ کر کے خدا سے انکار کر بیٹھے۔

ہاروت اور ماروت کے معاملے میں قرآن مجید کہتا ہے کہ اگرچہ جادو سے متعلق کچھ چیزیں ان پر نازل ہوئیں اور اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا کہ لوگوں کی آزمائش اور امتحان کیلئے ایسا بھی ہو لیکن وہ جس کو جادو سکھانا چاہتے تھے پہلے سے اعلان کر دیتے تھے کہ ہم تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں، ایسا نہ ہو کہ تم دوسرے

موقعوں پر مثلاً جادو کی رد یا جادوگروں کی تخریب کاریاں دکھانے کیلئے انہیں استعمال کرو کیونکہ یہ بات تمہارے کفر کا سبب بن جائے گی۔ لیکن انہوں نے اس بات پر کان نہیں دھرا اور وہ ایسی باتوں کے پیچھے پڑ گئے جن سے ان مصلحتوں کی کاٹ کریں جنہیں خدا نے فطرت اور عادت کے مطابق رکھا ہے۔ مثلاً میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیا اور جھگڑے کے اسباب پیدا کر دیے۔ غرض ایسی باتیں سکھائیں جن سے ان کے فائدے کے بجائے نقصان ہوتا تھا۔ "ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم۔" (سورۃ بقرہ آیت ۱۰۲)

واضح رہے کہ بعض عام تفسیروں میں جعلی روایتوں اور ایسے افسانوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کا جھوٹ بالکل ظاہر ہے۔ مثلاً ایک دیو نے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی چرا لی اور چالیس دن تک آپ کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا۔ اس عرصے میں شیطانوں نے لوگوں میں جادو رائج کر دیا مثلاً یہ کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے۔ ان پر شہوت غالب آئی تو انہوں نے شراب پی کر اور کسی کو قتل کر کے ایک عورت سے حرام کام کیا۔ وہ عورت آسمان پر چلی گئی زہرہ نامی ستارہ وہی عورت ہے۔ ہاروت اور ماروت کے بارے میں صحیح بات کتاب عیون اخبار الرضا کی یہ حدیث ہے کہ حضرت رضاؑ نے مامون سے اپنی گفتگو کے دوران میں یوں فرمایا: "ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے تاکہ اس مدد سے جادوگروں کے جادو کا توڑ کریں اور ان کے منصوبے ناکام بنا دیں۔ انہوں نے جس کو بھی جادو کی کوئی بات سکھائی اسے پہلے سے یہ جتا دیا کہ ہم تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں کہیں کافر مت ہو جانا لیکن کچھ لوگ اسے اس کام کے لئے استعمال کر کے جس سے انہیں الگ رہنا چاہئے تھا کافر ہو گئے اور مخصوص عمل کر کے میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنے لگے۔"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہاروت اور ماروت کا قصہ شیعی نقطہ نظر سے بھی قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور تفسیر مجمع البیان میں بھی اس کا ذکر ہے۔ کچھ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ قصہ ایک کنایہ ہے اور انہوں نے اس کا مطلب بیان کیا ہے۔ چنانچہ بحارالانوار کی جلد ۱۴ میں کچھ مفسرین سے یوں منقول ہے کہ ہاروت اور ماروت انسانی روح اور دل کی طرف اشارہ ہیں جو عالم روحانی سے جسمانی دنیا میں حق کو قائم کرنے کے لئے اترے تھے، پھر ان کا زہرہ یعنی دنیاوی زندگی کے ذریعے سے امتحان ہوا اور وہ شہوت کے جال میں پھنس گئے، پھر انہوں نے غفلت کی شراب پی، بغاوت کی دنیا میں جمع ہو گئے، نفسانی خواہشات کا بت پوجنے لگے، اپنے نفس کو قتل کر ڈالا، اس طرح کہ اپنے آپ کو باقی نعمتوں سے محروم کر لیا جس کے بعد وہ سخت عذاب کے مستحق قرار دیئے گئے۔ اسی قسم کی روایتیں ہیں جو بظاہر قابل قبول نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ معصوم سے ملی ہیں اس لئے ان کا علم خود اماموں پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ شیخ صدوق فرماتے ہیں کہ زہرہ اور سہیل سے جو روایتوں میں مسوخات بتائے گئے ہیں دریائی جانوروں کی دو قسمیں مراد ہیں جنہیں ان ناموں سے پکارا جاتا ہے یہ آسمان کے دو ستارے نہیں ہیں۔ (جنہیں بعض عوام ہاروت اور ماروت سمجھتے ہیں)

پچھلی آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جادو کفر کی حد میں آتا ہے اور جادوگر کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا جیسا کہ بعد کی آیت میں بیان ہوتا ہے: "اگر وہ شیطانوں کی پیروی کرنے اور جادو کے سبب سے کفر اختیار کرنے کے بجائے ایمان لے آتے اور پرہیزگار بن جاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا کیونکہ خدا کی بارگاہ سے انہیں جو ثواب ملتا وہ جادو اور کفر سے انہیں حاصل ہونے والے فائدے

سے کہیں اچھا ہوتا کاش یہ لوگ اتنا سمجھ لیتے۔"

روایتوں میں جادو کا بیان

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ تین گروہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے، شرابی، جادوگر اور قطع رحم کرنے والا۔ (وسائل الشیعہ)

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "جادوگر خدا سے انکار کرنے والے کے مانند ہے اور کافر کی جگہ دوزخ میں ہے۔ (وسائل الشیعہ)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کوئی جادو سیکھتا ہے چاہے تھوڑا، چاہے بہت وہ کافر ہو جاتا ہے اور خدا سے اس کا آخری عہد یہی ہے۔ "یعنی اسے خدا کی رحمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔" اور اسکی سزا اگر توبہ نہیں کرتا تو قتل ہے۔ (وسائل الشیعہ)

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "ایک عورت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی میرا شوہر مجھ سے بداخلاقی اور سختی سے پیش آتا ہے۔ میں نے ایسا انتظام بھی کیا ہے جس سے اسے اپنے اوپر مہربان کروں یعنی اس پر جادو کیا ہے یا لوگوں کے قول کے مطابق میں نے اسے کچھ کھلایا ہے جس سے وہ مجھے پسند کرنے لگے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے سمندروں اور زمینوں کو تاریک کر دیا اور زمینی اور آسمانی فرشتوں نے تجھ پر لعنت کی۔ وہ عورت چلی گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر عبادت کرتی تھی۔ اس نے اپنا سر منڈا لیا اور ٹاٹ پہننے لگی۔ جب اس کے حالات جناب رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیے گئے تو آپ نے فرمایا: اس کے یہ اعمال قبول نہیں ہوں گے۔" (فقیہ)

محدث فیض یہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظاہر میں اس عورت کے یہ اعمال قبول نہیں ہوں گے اور جادوگر کی حد یعنی قتل کو جاری ہونے

سے نہیں روک سکیں گے چاہے اس کی توبہ واقعی قبول ہو جائے۔

ممکن ہے کہ اس کی توبہ اور اعمال قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہو کہ اس نے اپنے شوہر پر جادو کر کے اس پر ظلم کیا ہے اس لئے جب تک وہ اسے اپنے آپ سے راضی نہیں کرلے گی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ جادو کے گناہ کبیرہ ہونے کی طرف اشارہ ہو اس لئے کہ یہ تمام اعمال اس کی تلافی نہیں کرسکتے۔ وہ جادو کے گناہ کی وجہ سے خدا کی رحمت سے اس قدر دور ہوگئی ہے کہ یہ عبادتیں بھی اسے خدا کی رحمت کے قریب نہیں لاسکتیں۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں کہ جو کوئی جادوگر، کاہن یا کسی جھوٹے کے پاس جائے گا چاہے وہ خدا کی بھیجی ہوئی تمام آسمانی کتابوں سے ان باتوں کو سچا ثابت کردیتا ہو جو وہ کہتے ہیں وہ کافر ہو جائے گا۔ (سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۶۰۵)

جادو کی سزا قتل ہے

جو مسلمان جادو کرتا ہے اگر توبہ نہ کرے تو اسے مار ڈالنا چاہئے اور اگر کوئی کافر جادو کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کرنا چاہئے بلکہ حاکم شرع جتنی مناسب سمجھے اسے سزا دے سکتا ہے۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جادوگر کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ ماریں (اور اسے قتل کردیں)" (کافی)۔

جناب رسول خداؐ سے جادو کے بارے میں حکم مانگا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "جب دو عادل گواہ اس کے جادو کی گواہی دیں تو اس کا قتل جائز ہے۔" (تہذیب)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "مسلمان جادوگر کو قتل کردینا چاہئے اور کافر جادوگر کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔" کسی نے عرض کیا: "کافر جادوگر کیوں قتل نہیں ہونا چاہئے؟" تو آپؐ نے فرمایا: "اس لئے کہ کفر جادو سے بھی بڑھا ہوا ہے اور جادو اور

شرک ایک ہیں۔" (کافی۔ تہذیب) یعنی جب کافر غیر حربی اپنے کفر کے باوجود قتل نہیں ہو سکتا تو جادو کے سبب سے تو اور بھی لائق قتل نہیں ہے کیونکہ کفرؔ جادو سے بھی بڑا ہوتا ہے اور مسلمان جادوگر اس لئے قتل ہوگا کہ وہ شرک کے قریب پہنچ گیا ہے یعنی مشرک ہو گیا ہے۔

جادو اس کی قسموں اور لوازمات کی حقیقت

کہانت، شعبدہ، تسخیرات، قیافہ، تنجیم

(۱) جادو

وسیلۃ النجات میں سید مرحوم کہتے ہیں کہ جادو کا مطلب ہے کچھ خاص وظیفے لکھنا یا پڑھنا یا کچھ مخصوص چیزیں آگ میں جلانا اور ان کا دھواں دینا یا کوئی تصویر بنانا یا پھونکنا یا گانٹھ لگانا یا کچھ چیزیں خاص طریقے سے بعض مقامات پر گاڑنا یا دبانا تاکہ جس شخص پر جادو کیا جائے اس کے جسم، دل یا عقل پر اثر کرے۔ مثلاً وہ غائب ہو تو اسے حاضر کر دے یا اسے سلا دے اور بے ہوش کر دے یا اس کے اور دوسرے کے بیچ میں پیار یا بیر جگا دے مثلاً شوہر کو بیوی سے روکنا اور ان میں تفرقہ ڈالنا۔

تفسیر المیزان میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر کے ذیل میں کچھ دلچسپ باتیں لکھی ہوئی ہیں جن کے ترجمے کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:

بحث فلسفی:

اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو مافوق الفطرت کام کرتے ہیں اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر کاموں کے اسباب فطری ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کام تو عادت اور مشق کی بدولت انجام پا جاتے ہیں۔ مثلاً

دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگ زہر قاتل کھا جاتے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا یا غیر معمولی وزن کی چیزیں زمین سے اٹھا لیتے ہیں یا تنی ہوئی رسی پر چل لیتے ہیں۔ دوسری قسم ایسے کاموں کی ہے جن کے قدرتی اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو ان کی خبر نہیں ہوتی۔ مثلاً لوگ آگ پر چلتے ہیں اور نہیں جلتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے اپنے جسم پر کوئی نہ جلنے والا مادہ لگا لیتے ہیں یا کوئی ایسی چیز مل لیتے ہیں جس پر آگ اثر نہیں کرتی یا مثلاً کوئی ایسا خط لکھتا ہے جس پر حروف نظر نہیں آتے لیکن جیسے ہی آگ دکھائی جائے وہ ابھر آتے ہیں کیونکہ وہ پیاز کے عرق جیسے مادے سے لکھے جاتے ہیں جو بے رنگ ہوتا ہے اور صرف آگ دکھانے سے رنگ دیتا ہے۔ بعض کام اتنی پھرتی سے کئے جاتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نظر کو پتا بھی نہیں لگ پاتا اور انسان یہ خیال کرتا ہے کہ کسی مافوق الفطرت سبب سے ایسا ہوا ہے۔ اسے ہاتھ کی صفائی، شعبدہ بازی اور نظر بندی کہتے ہیں۔

البتہ بعض مافوق الفطرت کام مادی اسباب کا نتیجہ نہیں کہے جاسکتے جیسے غیبی خبریں خصوصاً پیشن گوئیاں جو آنے والے واقعات کے بارے میں ہوتی ہیں۔ دو انسانوں میں پیار اور دشمنی کا آغاز، باندھنا اور کھولنا، خواب نظر آنا، بیمار ڈالنا، روحیں بلانا، قوت ارادی سے بعض چیزوں کو حرکت دینا وغیرہ جو ریاضت کرنے والے کرتے ہیں۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب قوت ارادی اور نتیجے پر عقیدہ رکھنے سے انجام پاتے ہیں یعنی پہلے اس بات کا علم اور مکمل اعتقاد پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ارادہ بھی۔ بعض معاملات میں کسی خاص شرط کے بغیر ارادہ موجود ہوتا ہے اور بعض معاملات میں شرطیں بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ روحیں بلاتے وقت اس بچے کے سامنے آئینہ رکھ دیتے ہیں جس میں کچھ خاص باتیں یا شرطیں پائی جاتی

ہیں یا مخصوص جملے پڑھتے ہیں پیار اور دشمنی پیدا کرنے کے معاملوں میں کوئی طے شدہ عبارت خصوصی روشنائی سے کسی خاص چیز پر لکھتے ہیں لیکن یہ سب باتیں اثر کرنے والا ارادہ حاصل کرنے کو ہوتی ہیں۔ غرض جس وقت کسی بات کا قطعی علم پیدا ہو گیا انسان کے حواس پر اثر ہو جاتا ہے اور جس وضع قطع کا علم ہوا اس کے سامنے مجسم ہو جاتا ہے۔ اس بات کی آپ خود بھی جانچ کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اپنے آپ کو بتایئے کہ کوئی خاص شخص یا چیز آپ کے سامنے موجود ہے اور آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اپنے ذہن میں اس کا خیال اس توجہ سے قائم کیجئے کہ دھیان اس کے سوا اور کسی چیز کی طرف نہ رہے۔ اس وقت آپ اچھی طرح دیکھ لیں گے کہ وہ آپ کے سامنے موجود ہے اسی لئے پرانے طبیب ایسی ہی تلقین کر کر کے خطرناک بیماریوں تک کا علاج کر دیا کرتے تھے۔ مریض کو شفایابی اور صحت کی اس قدر تلقین کرتے تھے کہ اس کے ذہن میں اس کا ایک قطعی خیال قائم ہو جاتا تھا اور اس کے بعد وجود میں آجاتی تھی۔

اگر ارادے کی قوت زیادہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس سے جو بات اپنے اندر پیدا ہو جاتی ہے دوسرے میں بھی پیدا کر دے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

ا۔ اس قسم کے نتیجے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک شخص کو اس بات کا واضح اور مکمل علم ہونا چاہئے جو اس کی نظر میں ہے لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ یہ علم حقیقت اور اصلیت کے مطابق ہی ہو۔ مثلاً جو لوگ ستارے تسخیر کرتے ہیں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض مخصوص روحیں آسمانی ستاروں سے رابطہ رکھتی ہیں جن کے ذریعے سے کام انجام پاسکتے ہیں اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان سے اس تشخیص میں غلطی

ہوئی ہو لیکن چونکہ وہ قطعی علم رکھتے ہیں اس لئے اس کا اثر ہوتا ہے۔ شاید مخصوص فرشتے اور شیطان جن کے نام کچھ اوراد و وظائف والوں نے مرتب کیے ہیں اسی قسم کے ہوں۔ اسی طرح روحوں کا بلانا بھی اسی قسم کا ہو سکتا ہے کیونکہ ان کے پاس اس سے زیادہ اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ روح ان کی خیالی یا جذباتی دنیا میں ظاہر ہوئی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ سچ مچ ان کے سامنے خارج میں کوئی وجود ظاہر ہو گیا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا ہے تو دوسرے بھی دیکھتے۔ اس طرح مختلف مشکلات جو اس سلسلے میں پیدا ہوتی ہیں حل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض اوقات کسی زندہ شخص کی روح کو جو اپنے کام میں مشغول ہے بلائیں اور اس سے باتیں کریں اور وہ پورے طور پر اس واقعے سے بے خبر ہو یا یہ اعتراض کریں کہ روح مجرد ہے اور زمان و مکان نہیں رکھتی اس کو کسی معین مقام پر بلانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں یا کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی خاص شخص کی روح ایک شخص کے پاس ایک صورت میں حاضر ہو اور دوسرے کے پاس دوسری شکل میں یا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کچھ روحیں جو بلائی جائیں وہ جھوٹ بولیں یا ایک دوسرے کو جھٹلائیں ان تمام اعتراضات کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ روح صرف بلانے والے شخص کے عالم خیال و جذبات میں حاضر ہوتی ہے۔ قدرتی چیزوں کی طرح اس طرح حاضر نہیں ہوتی کہ ہم اسے خارج میں اپنے حواس سے محسوس کر سکیں۔

۲۔ جو کوئی ایسے نتیجہ خیز ارادے کا مالک ہے اگر اپنی ہی شخصیت اور روح کی طاقت پر بھروسا کرتا ہے (جیسا کہ غالباً ریاضت کرنے والوں میں دیکھا جاتا ہے) تو قدرتی طور پر اس کے ارادے کی طاقت اور تاثیر محدود ہو گی اور اگر ایسے ارادے والا خدا پر بھروسا رکھے گا (جیسے انبیاء، اولیاء اور اہل یقین جو صرف خدا کے لئے ارادہ

کرتے ہیں) تو ایسا مقدس ارادہ جو از خود کوئی استقلال نہیں رکھتا فطری طور پر لامحدود اور خدائی ارادہ ہوگا اور اس کے نتائج لامحدود ہوں گے۔ جن لوگوں کے پاس اس قسم (دوم) کا ارادہ ہے جب مخالفین کے چیلنج پر ان سے جھگڑنے اور ان کی کمزوری ثابت کرنے کو اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس قسم کے کاموں پر ہاتھ ڈال دیتے ہیں تو ان کے عمل کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر اس مقام پر نہ ہوں تو کرامت کہتے ہیں یا اگر دعا کے ساتھ ہو تو دعا کی مقبولیت کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا ارادہ جو خدا پر نہیں اپنی ذات پر بھروسا کرتا ہے اگر روح یا جن وغیرہ سے مدد طلبی کے ساتھ ہو تو کہانت کہلاتا ہے اور جو دعا اور اوراد وغیرہ کے ساتھ ہو تو جادو کہلاتا ہے۔

۳۔ چونکہ ہمارے علم کے مطابق اس قسم کے کام ارادے کے زیر اثر انجام پذیر ہوتے ہیں اس لئے ارادوں کی قوت کمزوری کے مطابق ان کے نتیجے بھی مختلف (قوی اور کمزور) ہوتے ہیں لہذا ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کا اثر توڑ دے جس طرح معجزہ جادو کو باطل کر دیتا ہے یا جن لوگوں کی روح اور ارادہ قوی ہوتا ہے ان پر بعض دوسرے لوگوں کا ارادہ اثر نہیں کر پاتا جیسا کہ عمل تنویم (سلانے۔ ہپنوٹزم) اور روحیں بلانے میں دیکھا گیا ہے۔

علمی بحث:

جو علوم انوکھے اور مافوق الفطرت اثرات کی گفتگو کرتے ہیں وہ بہت سے ہیں مثلاً:

۱۔ سیمیا۔ جو یہ بتاتا ہے کہ قدرتی اشیاء سے عجیب و غریب کام لینے کے لئے ارادی قوت کو مخصوص مادی قوت سے کس طرح ملاتے ہیں۔ اس علم کا ایک شعبہ وہی نظر بندی ہے جس میں قوت متخیلہ سے کام لے کر انسان

عجیب نتائج کو اپنے سامنے مجسم دیکھ لیتا ہے۔ یہ علم جادو کی سب سے واضح قسم ہے۔

۲۔ لسیمیا یا تسخیرات کا علم جو عالم بالا کی قوی روحوں مثلاً ستاروں سے متعلق روحوں سے رابطہ قائم کر کے جنوں کی مدد اور ان کی تسخیر سے قوت ارادی کی تاثیر بیان کرتا ہے۔

۳۔ ہیمیا یا طلسمات جو حیرت انگیز نتائج پیدا کرنے کے لئے نچلی دنیا کی اشیاء میں اوپری دنیا کی قوتیں ملانے کی کیفیت سے بحث کرتا ہے۔

۴۔ ریمیا یا شعبدہ بازی جو مافوق الفطرت آثار کو محسوس بنانے کے لئے مادی قوتوں اور اشیاء کے خواص سے کام لینے کی حقیقت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

ان چاروں قسموں کو فن کیمیا کے ساتھ ملا کر پانچ سری (مخفی) علوم کہتے ہیں۔

انہیں علوم میں علم اعداد و اوفاق بھی مل جاتے ہیں جو مقاصد کے اعداد اور حروف کو باہم ربط دینے، مثلث یا مربع کی شکل کی خاص جدولیں کھینچنے اور ان کے خانوں میں مذکورہ حروف یا اعداد کو مختلف مرادیں پانے کے لئے مخصوص طریقے سے رکھنے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

انہیں میں علم خافیہ بھی شامل ہے جو حروف کے بدلنے اور توڑنے کی کیفیت، مدنظر چیز کا نام، فرشتوں اور شیطانوں کے جو ان پر موکل ہیں نام نکالنے اور ان ناموں سے بنے ہوئے اوراد کے ذریعے اس مقصد کے حصول کی خاطر دعا کرنے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

انہیں میں علم تنویم مقناطیسی (مصنوعی نیند۔ ہپنوٹزم) اور روحیں بلانے کا علم بھی شامل ہے جو آج کل رائج ہے۔ (نقل از تفسیر المیزان)

(۲) کہانت

کہانت آنے والی باتوں کی خبر دینا اور پیشن گوئی کرنا ہے اس خیال سے کہ یہ خبریں اس تک جنوں کے بعض گروہوں سے پہنچی ہیں یا اس خیال سے کہ وہ ان اسباب کی رو سے جنہیں وہ پہچانتا ہے کہ ان سے آنے والے واقعات کو جان لیتے ہیں۔ مثلاً سوال کرنے والے کے الفاظ، حالات اور طور طریقہ سے بعض پیش آنے والی یا اس سے چھپی ہوئی باتوں کا سراغ لگا سکتا ہے۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ کہانت کی اس قسم کو عراف کہتے ہیں لیکن فقیہوں میں یہ مشہور ہے کہ کاہن وہ شخص ہوتا ہے جسے رائے دینے والا جن کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو اسے خفیہ باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ مثلاً فلاں چرایا ہوا مال کہاں رکھا ہے، یا اس کا چور کون ہے، یا کھویا ہوا انسان کہاں ہے، یا فلاں شخص کا قاتل کون ہے؟ یا اسے آنے والی باتوں کی خبر دیتا ہے جو پیشن گوئی کی قسم ہے۔ تمام فقیہوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کہانت حرام ہے جس طرح جادو سیکھنا، دوسرے کو سکھانا اور اس پر عمل کرنا یعنی جادو کرنا اور جادوگر کے جادو پر عمل کرنے کے لئے اس کے پاس جانا حرام ہے اسی طرح کہانت سیکھنا، اس پر عمل کرنا اور کہانت کے لئے کاہن کے پاس جانا بھی حرام ہے بلکہ بعض فقیہوں نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ کہانت بھی جادو ہی کی ایک قسم ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: ”جو کہانت کرتا ہے اور جو کاہن کے پاس اس لئے جاتا ہے کہ وہ اس کے لئے کہانت کرے وہ دین محمدیؐ سے خارج ہے۔“ (خصال)

ہیثم حضرت امام صادقؑ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک شخص ہے کہ جب کوئی اس کے پاس آتا ہے اور چرائے ہوئے مال یا کھوئی ہوئی چیز وغیرہ کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ بتا دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس سے پوچھ لیا کریں؟ آپؑ نے فرمایا: "رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی جادوگر یا کاہن یا جھوٹے کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے تو تمام آسمانی کتابوں کی رو سے جو خدا نے اپنے پیغمبروں پر بھیجی ہیں وہ کافر ہے۔" (مکاسب)

شیخ فرماتے ہیں: "اس صحیحہ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ کلیے کے طور پر پکی بات یہ ہے کہ خفیہ باتوں کی خبر دینا حرام ہے چاہے کہانت کے ذریعے ہو چاہے اس کے بغیر البتہ اگر کوئی شک کے طور پر خفیہ باتوں کی اطلاع دے (شاید ایسا ہے) تو یہ جائز ہے۔

حضرت امام صادقؑ کہانت کو حرام پیشوں میں شمار کرتے ہیں اور اس کی اجرت کو حرام سمجھتے ہیں (مستدرک) اور اسی قسم کی حضرت امیر المؤمنینؑ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

لوگوں کی بھلائی مستقبل سے لاعلمی میں ہے

جان لینا چاہئے کہ کہانت وغیرہ کے حرام ہونے میں خوبیاں اور بھلائیاں ہیں مثلاً خدائے دانا نے یہ نہیں چاہا کہ انسان آنکھ سے اوجھل اور آئندہ کے واقعات و حادثات سے آگاہ ہو اور ان کے نہ جاننے میں بھلائی ہے کیونکہ اگر کوئی حادثہ اچھا اور مرضی کے مطابق ہے تو اسے جلدی جان کر مر نہیں جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نیک واقعہ دعا اور صدقہ جیسے کسی اچھے کام کے ادا کرنے پر منحصر ہو جنہیں اگر وہ بجا نہ لایا تو محروم رہ جائے اور وہ نیک کام یا حادثہ واقع ہی نہ ہو۔ اگر وہ حادثہ برا یا مرضی

کے خلاف ہوا تو اسے جان کر سخت تکلیف ہوگی یا ممکن ہے کہ وہ یقینی حادثہ نہ ہو اور اس میں بداء واقع ہو جائے کیونکہ بہت سے متوقع حادثے دعا، صدقے اور نیک کاموں کی برکت سے ختم ہو گئے جیسے حضرت یونسؑ کی قوم سے بلا توبہ اور دعا کی وجہ سے دور ہو گئی تھی جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ (سورۃ ۳۷ آیات ۱۴۰ تا ۱۴۹ اور سورۃ ۲۱ آیات ۸۷ و ۸۸)

کتاب احتجاج میں حضرت امام صادقؑ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "(رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد) جب شیطانوں اور جنوں کو آسمان پر چڑھنے سے منع کر دیا گیا تو اب وہ آسمانی معاملات کی خبریں نہیں دے سکتے۔ صرف اتنا ممکن ہے کہ وہ زمین کے کچھ معاملات (سفلیات) کی خبریں دیں اور وہ بھی ادھوری سی۔ جس طرح انسان سچے اور جھوٹے ہوتے ہیں ایسے ہی جنوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے کاہن کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔" (بحار الانوار جلد ۴ و مکاسب محرمہ شیخ انصاری صفحہ ۲۲۴)

جادوگر اور کاہن گندے ہوتے ہیں

اس گندے دھندے کی حرمت جاننے کے لئے باخبر لوگوں کے بیان کے مطابق جادو اور کہانت سیکھنے میں جو مختلف قسم کی بد معاشیاں، جرائم، چوریاں اور بے ایمانیاں کی جاتی ہیں وہی کافی ہیں۔ مثلاً تمام نیک کام چھوڑ بیٹھنا، برے کام کرنا جیسے شوہر دار عورت سے زنا کرنا، کسی انسان کو قتل کر ڈالنا، مخصوص طریقوں سے انسانی خون پینا، اللہ نے جن چیزوں کو قابل احترام بنایا ہے ان کی توہین کرنا جیسے قرآن مجید کی آیتوں کی بے حرمتی کرنا۔ غرض ایسے ایسے کام بجالائے جن کی وجہ سے شیطانوں کے نزدیک ہو جائے بلکہ انہیں کے طبقے میں مل جائے اور ان سے بھی بدتر ہو جائے

تا کہ ان سے جادو اور کہانت سیکھ سکے۔

یہ اس انسان کی کس قدر بدبختی ہے کہ جو نیک کاموں کی برکت سے اور پاک شریعت کے احکام پر عمل کر کے فرشتوں کے طبقے میں شامل بلکہ ان سے بھی اونچا اٹھ سکتا ہے اپنے آپ کو ان مراتب سے محروم کر کے شیطانوں سے بھی نیچے "اسفل السافلین" میں گرا دیتا ہے۔

(۳) شعبدہ

شعبدہ کسی ایسی چیز کو جس کی کچھ بھی حقیقت اور اصلیت نہ ہو تیز حرکت کی مدد سے اس طرح دکھانے کو کہتے ہیں کہ دیکھنے والا اسے خارج میں دیکھ سکے جس طرح آگ کو گھمایا جاتا ہے تو آنکھ کو اس کا ایک چکر نظر آتا ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً جو شخص کار یا کشتی یا ریل پر سوار ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ٹھہرا ہوا اور زمین اور دریا کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا ہے۔ شعبدہ بھی غیر واقعی باتوں کو حقیقی بنا کر دکھاتا ہے۔

تمام فقیہ اس بات پر متفق ہیں کہ شعبدہ (نظر بندی) حرام ہے اور جادو کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ حدیث احتجاج میں حضرت امام صادقؑ نے شعبدے کو جادو کی قسم بتایا ہے اور اہل فن نے جادو کی جو خصوصیات اور قسمیں بتائیں ہیں ان میں شعبدہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ محمد بن ابراہیم سنجاری(۱) نے بیان کیا ہے جادو کی دو قسمیں ہوتی ہیں حقیقی اور غیر حقیقی اور اسے نظر بندی کہتے ہیں یعنی جو بات خارج میں واقع نہیں ہوتی فقط غیر واقعی بات کے دیکھنے والے کی آنکھ کو نظر آتی ہے۔ فرعون کے

۱۔ متوفی سن ۹۴۷۔ (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۶۰۵)

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں دونوں قسم کا جادو کیا تھا۔ پہلی بار غیر حقیقی جادو (نظر بندی) کیا۔ بعد میں وہ جادو دکھایا جس میں اصلیت اور حقیقت تھی۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۱۶) اس کے بعد وہ مختلف قسم کے جادو سیکھنے کا حال بیان کرتے ہیں جسکے یہاں نقل کرنے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوگا اور بات لمبی ہو جائے گی۔

جادوگر کی قوت محدود ہوتی ہے

جب حضرت امام صادقؑ سوال کرنے والے کے سامنے مختلف قسم کے جادو کی تشریح فرما چکے تو اس وقت اس نے امامؑ سے پوچھا: "کیا جادوگر انسان کو کتا یا سؤر وغیرہ بنا سکتا ہے؟" امامؑ نے فرمایا: "جادوگر خدا کی مخلوق کو تبدیل کرنے سے مجبور ہے کیونکہ جو یہ کرسکے گا کہ خدا کی بنائی ہوئی چیزوں اور مخلوقات کو بگاڑ دے یا تبدیل کردے ایسا شخص خدا کی تخلیق میں اس کا شریک ہوگا اور خدا کا کوئی شریک نہیں بن سکتا اگر جادوگر ایسی طاقت رکھتا ہے تو وہ اپنا بڑھاپا اور پریشانی بھی دور کرسکتا ہے، اپنے سر کے بال بھی سفید نہ ہونے دے اور اپنی تنگدستی بھی دور کرلے۔ دراصل جادو کی سب سے بڑی قسم چغل خوری ہے جس سے دوستوں میں تفرقہ پڑ جاتا ہے اور صفائی اور محبت رکھنے والوں میں دشمنی پیدا کردی جاتی ہے۔ یعنی چغل خوری جادو سے ملی ہوئی ہے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔" (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۶۰۵)

(۴) تسخیرات

تسخیرات فرشتے یا جن یا انسانی روحوں یا تمام حیوانات وغیرہ کو تابع کرنا ہے جو سب حرام ہے اور جادو کی قسم شمار ہوتا ہے۔ شیخ مکاسب میں فرماتے ہیں: جو تعریفیں جادو کی کی جاتی ہیں ان کا اطلاق تسخیرات کی تمام قسموں پر بھی ہوتا ہے۔

شہید اول اور شہید ثانی علیہما الرحمہ بھی اگرچہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کے باعث جادو کو حرام کہتے ہیں تاہم بیان فرماتے ہیں کہ فرشتے یا جن کا تابع کرنا حرام قسم کا جادو ہے اور شاید اس کی وجہ (ان دونوں شہیدوں کی نظر میں) یہ ہو کہ جو فرشتے یا جن تابع کئے جاتے ہیں وہ در حقیقت تکلیف اور اذیت دے کر تابع کئے جاتے ہیں۔

(۵) قیافہ

ایک شخص کو دوسرے کے نسب میں ملانا قیافہ ہے اور یہ بات اس میزان (معیار) کے خلاف ہے جو پاک شریعت نے نسب کے ثبوت اور ایک کے دوسرے سے الحاق کے لئے مقرر کی ہے۔ مثلاً اپنے علم کی رو سے قیافہ شناس یہ فیصلہ دے دیتا ہے کہ فلاں شخص فلاں شخص کا بیٹا یا بھائی ہے جب کہ شرعی میزان (معیار) کے مطابق وہ اس کا بیٹا یا بھائی نہیں ہے یا کوئی کہے کہ فلاں شخص فلاں شخص کا بیٹا نہیں ہے جب کہ وہ شرعی قانون کے مطابق اس کا بیٹا ہے۔ اس قسم کی قیافہ شناسی جادو سے ملی ہوئی ہے اور تمام فقیہوں کے نزدیک حرام ہے لیکن جو کچھ علم، قیافے اور عقل والا کسی شخص کے ظاہری اور باطنی اعضاء کی عجیب و غریب اور پوشیدہ باتیں معلوم کر کے بتاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قطعی، پکے اور لازمی طور پر حرام اور شرع کے خلاف بھی نہیں ہوگا بلکہ جائز ہوگا۔ اس بارے میں اس قسم کے لوگوں کی عجیب عجیب باتیں بیان کی گئی ہیں۔

مثلاً کافی اور بحار الانوار جلد ۱۱ میں حضرت امام صادقؑ کے حال میں لکھا ہے کہ علی بن ہبیرہ بنی عباس کا ایک حاکم اور امیر تھا اس کا رفید نامی ایک غلام تھا جس پر وہ ایک بار ناراض ہوا اور اسے قتل کروا دینے کا ارادہ کیا۔ رفید نے حضرت امام صادقؑ سے پناہ مانگی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنے مالک کے پاس لوٹ کر جا۔ اس سے میرا

سلام کہنا اور کہنا کہ جعفر بن محمدؑ نے کہا ہے کہ میں نے تمہارے غلام کو پناہ دے دی ہے۔ اسے مت ستاؤ۔ رفید نے عرض کیا: "میرا مالک بے ایمان شامی ہے۔" آپؑ نے فرمایا: "تو جا تو سہی اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہی کہنا۔" رفید کہتا ہے کہ میں روانہ ہو گیا۔ بیابان میں ایک عرب نے مجھے دیکھ کر کہا: "تو کہاں جا رہا ہے، تیری صورت تو مردے کی سی ہو رہی ہے؟" پھر اس نے کہا: "مجھے اپنا ہاتھ دکھا۔" ہاتھ دیکھ کر کہنے لگا: "تیرا ہاتھ قتل ہونے والے انسان کا سا ہاتھ ہے۔" اسی طرح اس نے میرا پاؤں دیکھ کر کہا: "یہ تو مقتول انسان کا پاؤں ہے۔" میرا پورا جسم دیکھ کر کہنے لگا: "یہ مقتول کا جسم ہے۔" اس کے بعد بولا: "اپنی زبان نکال۔" جب میں نے زبان نکال کر دکھائی تو کہنے لگا: "تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ یہ ایلچی کی زبان ہے اور اس پر جو پیغام ہے جو اگر تو اونچے اونچے پہاڑوں کے پاس بھی لے جائے تو وہ نرم پڑ جائیں اور تیرے مطیع بن جائیں۔"

رفید کہتا ہے جس وقت میں اپنے مالک علی بن ہبیرہ کے پاس پہنچا تو اس نے میرے قتل کا حکم دے دیا۔ میرے بازو باندھ دیے گئے اور جلاد ننگی تلوار لیے میرے سر پر آکھڑا ہوا تب میں بولا: "اے امیر! آپ نے مجھے پکڑوایا نہیں ہے میں خود چل کر آیا ہوں مجھے آپ سے تنہائی میں ایک بات کہنا ہے پھر چاہے قتل کروا دیجئے گا چاہے بخش دیجئے گا۔" اس پر اس نے سب کو ہٹ جانے کا حکم دیا جب تخلیہ ہو گیا تو میں نے کہا: "میرے اور آپ کے آقا جعفر بن محمدؑ آپ کو سلام کہتے ہیں، اور پوری بات بتائی۔" سب سن کر اس نے کہا: "اللہ اکبر! کیا جعفر بن محمدؑ نے تجھ سے یہ بات کہی اور مجھ کو سلام کہلوایا؟" میں نے کہا: "ہاں!" اور پھر میں نے تین بار قسم کھائی۔ اس کے بعد اس نے میرا بازو پکڑ کر خود کھولا اور کہا: "مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے

گا جب تک تو میرے بازو اسی طرح نہیں باندھے گا۔" میں نے کہا: "میرا ہاتھ نہیں بڑھتا میں ہرگز یہ کام نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا: "میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔" پھر اس نے اس قدر ضد کی کہ آخر میں نے اس کا ہاتھ باندھ دیا اور پھر جلدی سے کھول دیا۔ پھر اس نے اپنی انگوٹھی (نام کی مہر) مجھے دے کر کہا: "میں نے تیرے معاملات تجھی پر چھوڑے۔ سب کچھ تیرے اختیار میں ہے جو چاہے کر۔"

صدوق ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ ایک غلام فروش کے پاس گئے جو مغرب سے آیا تھا۔ امامؑ نے ایک کنیز پسند فرمائی لیکن اس شخص نے نہیں بیچی۔

دوسرے دن امامؑ کے حکم سے ہشام اکیلے گئے اور اس کو زیادہ قیمت دے کر کنیز خرید لی۔ اس کنیز فروش نے پوچھا: "وہ صاحب کون تھے جو کل آپ کے ساتھ تھے؟" ہشام نے تقیہ کر کے کہا: "میں پہچانتا نہیں البتہ بنی ہاشم میں سے تھے۔" بردہ فروش بولا: "جب میں نے اس کنیز کو مغرب کے ایک دور دراز شہر سے خریدا تو ایک دن ایک عورت نے جو اہل کتاب تھی اس کنیز کو میرے ساتھ دیکھ کر پوچھا: "تو اسے کہاں سے لایا ہے؟" میں نے کہا: "میں نے اپنے واسطے خریدی ہے۔" وہ بولی: "اس کنیز کا تجھ جیسے شخص کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ اسے تو ایسے شخص کے پاس ہونا چاہیے جو اہل زمین میں بہترین ہو اور جب یہ اس کے پاس رہے گی تو کچھ دن پیچھے اس سے ایک بیٹا پیدا ہوگا جس کی اطاعت سبھی مشرق اور مغرب والے کریں گے۔" چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کنیز سے حضرت امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(۶) تنجیم (ستارہ شناسی)

تنجیم آفرینش کے متعلقہ حادثات کی پکی خبر دینے کو کہتے ہیں جیسے اناج کی منگائی، سستائی، کمی، زیادتی، بارش کی کمی، زیادتی وغیرہ اور طرح طرح کی نیکی بدی فائدے نقصان کی خبر دینا جب کہ ان باتوں کو قطعی آسمانوں کی حرکت اور ستاروں کے تعلق سے سمجھے اور اس دنیا پر ان اجرام اور افلاک کے اثرات جانے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ ان باتوں کو ممکن سمجھ کر ان کی اطلاع دے (کہ ایسا ہو سکتا ہے) اور آسمانوں کی حرکتوں اور ستاروں کی نسبتوں کا یقینی اثر اور نتیجہ نہ سمجھے بلکہ خدا کو اصلی مؤثر اور مسبب الاسباب جانے۔ چنانچہ سورج گہن، چاند گہن، چاند کی منزلوں اور ستاروں کے ایک دوسرے کے پاس آنے یا دور ہو جانے کی خبر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی خبریں باریک حساب سے ملتی ہیں جو آسمانوں اور ستاروں کی حرکتوں، ان کے راستوں اور رفتاروں سے معلوم کیا جاتا ہے اور اس کے اصول اور قاعدے اتنے پکے ہیں کہ ان میں غلطی نہیں ہوتی اور اگر منجم سے ان باتوں کے خبر دینے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے تو حساب سے اس کی غلطی بھی مٹ جاتی ہے۔

غرض عالم ایجاد کے حادثات کو آسمانوں کی حرکات اور ستاروں کے باہمی تعلقات کے اثرات سمجھتے ہوئے ان کی پورے پورے یقین سے اطلاع دینا حرام ہے اور علم نجوم کی یہ قسم جادو میں شامل ہے۔

اس گفتگو کو ختم کرنے کے لئے شیخ انصاری نے مکاسب محرمہ میں تنجیم کی جو قسمیں اور احکام بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ چار شاخوں میں بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ ان آسمانی حالات کی اطلاع دینا جو ستاروں کی حرکات پر منحصر ہیں جیسے چاند گہن کی خبر دینا جو چاند اور سورج کے درمیان زمین کے آجانے سے پیدا ہو جاتا ہے اور

سورج گہن کی خبر دینا جو زمین اور سورج کے درمیان چاند کے آجانے سے لگ جاتا ہے یا چاند کی منزلوں کی خبر دینا کہ وہ فلاں دن فلاں برج میں ہوگا یا سورج کی منزلوں کی خبر دینا کہ فلاں دن اس برج سے اس برج کی طرف جارہا ہے قطعی حرام نہیں ہے۔

۲۔ ستاروں کی حرکت اور ان کے قریب آجانے سے کسی واقعے کے پیدا ہو جانے کی اطلاع دینا بھی جائز ہے بشر طیکہ اس حادثے کو آسمانی حرکات سے مربوط نہ جانے بلکہ صرف منشائے الٰہی سمجھے اور آسمانی حرکات کو صرف مشیت الٰہی کی علامت اور نشانی سمجھے مثلاً تجربے کی رو سے یہ سمجھے کہ فلاں فلاں ستاروں کے قریب آجانے کے وقت منشائے الٰہی سے ایسا حادثہ واقع ہو جاتا ہے۔ ستاروں کے قریب آجانے کو اس حادثے کا سبب نہ سمجھے اور جب تجربے سے اسے علم حاصل ہو جائے تو اسی طریقے سے (آسمانی حالات کی تاثیر کے بغیر) قطعیت کے ساتھ خبر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب کوئی تجربے سے یہ سمجھ لے کہ جس رات کو پانی برستا ہے پالتو کتاب چھت سے اتر آتا ہے اور گھر میں داخل ہو جاتا ہے تو جب کسی رات کو کتا اتر آیا وہ بارش آنے کی قطعی طور پر خبر دے سکتا ہے۔(۱)

۱۔ مکاسب میں شیخؒ نے خواجہ نصیر الدین طوسی اور چکی والے کا ایسا ہی ایک قصہ بیان کیا ہے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی سفر کے دوران ایک پن چکی والے کے پاس پہنچے جو شہر سے باہر تھی۔ خواجہ نے رات اس کے یہاں گزاری۔ اس رات ہوا بہت گرم تھی اس لئے خواجہ سونے کے لئے چھت پر چلے گئے۔ لیکن چکی والے نے کہا: "آپ نیچے آکر سو جائیے اس لئے کہ آج رات بارش ہوگی۔" خواجہ نے اوضاع فلکی کا جائزہ لیا لیکن بارش کے کوئی آثار نہیں پائے تو چکی والے نے کہا: "میرا ایک پالتو کتا ہے جس رات بھی بارش ہونی ہو یہ نیچے آکر سوتا ہے اور آج رات بھی یہ کتا اندر چلا گیا ہے۔" خواجہ نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور چھت پر سو گئے۔ پس رات کو شدید بارش ہوئی اور یہ بات خواجہ کے لئے بہت حیرت اور دلچسپی کا باعث بنی۔

۳۔ حادثات کے واقع ہونے کی قطعیت کے ساتھ خبر دینا جبکہ انہیں آسمانی حرکات اور ستاروں کے میل کا نتیجہ سمجھے۔ یہی تیسری قسم تنجیم کی ہے جس کے حرام ہونے کا فقیہوں نے فتویٰ دیا ہے اور بہت سی روایتوں میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو شخص منجم یا کاہن کو سچا سمجھتا ہے اس نے ان سب باتوں سے انکار کردیا جو خدا نے محمدؐ پر نازل کی ہیں۔" اور حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "منجم کاہن اور جادوگر تینوں پر خدا لعنت کرتا ہے۔"

جس وقت حضرت امیر المؤمنینؑ نہروان کی لڑائی پر جانا چاہتے تھے آپؑ کے ایک صحابی نے جو علم نجوم کے ماہر تھے کہا کہ اگر آپؑ اس وقت روانہ ہوں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ آپؑ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ آپؑ نے فرمایا: "کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم اس گھڑی کو جانتے ہو جس گھڑی روانہ ہونے سے کوئی شخص برائی سے بچ جائے گا اور تم اس گھڑی سے ڈرا رہے ہو جس گھڑی کوئی روانہ ہو تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا؟ جو تمہاری اس بات کو صحیح مانے گا اس نے گویا قرآن کو جھٹلایا (کیونکہ قرآن مجید میں نفع اور نقصان صرف خدا کی طرف سے بتایا گیا ہے اور کسی کی طرف سے نہیں) اس صورت میں تو مقصد حاصل کرنے اور بلا سے بچنے کے لئے خدا سے مدد مانگنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی کیونکہ جب کسی منجم نے کسی حادثے کے رونما ہونے کی قطعی خبر دے دی اور ایک شخص نے اس کی تصدیق کردی تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ خدا سے بھلائی کی طلب اور برائی کے دور کرنے کی دعا وغیرہ اور صدقہ اور بلائیں دور کرنے کے لئے دوسرے کام سب ترک کردیئے جائیں اور انہیں سب چھوڑ بیٹھیں۔ اس لئے اگر منجم قطعیت کے ساتھ خبر نہ دے بلکہ اچھی خبروں میں خدا سے یہ امید رکھے کہ وہ اس خوبی تک پہنچا دے گا اور بری خبروں میں اللہ کی پناہ مانگے

اور دعا اور صدقے سے برائی کو دور اور دفع کرنے کی التجا کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جائز ہے۔

۳۔ آسمانی حالات سے حادثات کے جنم لینے پر اعتقاد چار قسم کا ہوتا ہے:

اول: آسمانی حالات کو قطعی اور پورا سبب سمجھنا جس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ فقیہوں کا کہنا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ کفر کا سبب ہے چاہے دنیا کو پیدا کرنے والے سے انکار کرے یا نہ کرے لیکن ستاروں کو دنیا کا منتظم سمجھے۔

دوم: خدا کے حکم اور منشا کے مطابق ستاروں اور آسمانی حالات کی تاثیر پر اعتقاد یعنی یہ کہ خدا نے انہیں تاثیر بخشی ہے اور اس قسم کا اعتقاد چاہے کفر کا سبب نہ ہو لیکن یہ بے علمی کی ایک بات ہے اور بے دلیل کا دعویٰ ہے کیونکہ ہمارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آسمانی اجرام زندگی، شعور اور ارادہ رکھتے ہیں یا دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔

سوم: مندرجہ بالا اعتقاد میں اتنا اور اضافہ کہ اجرام فلکی میں شعور نہیں ہے یعنی سفلی پر علوی کا اثر آگ کے جلانے کی تاثیر کی طرح ہے جبکہ خدا ایسا ارادہ کرے کہ جس وقت فلاں ستارہ فلاں مقام پر ہوگا تو فلاں بات واقع ہوگی دوسرے لفظوں میں یہ تعلق عادت کے لحاظ سے ہے عقل کے لحاظ سے نہیں۔ مثلاً پیٹ بھرنے میں غذا اور صحتیاب ہونے میں دعا کی تاثیر اور یہ اعتقاد بھی دوسری قسم کی طرح کفر کا سبب نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ایسا عادی تعلق بھی ثابت نہیں ہوا ہے۔

چہارم: آسمانی حالات کو حادثات کی علامت اور نشانی جانے مثلاً جب چاند اور زحل یکجا ہوں تو مفید بارش کے آنے کی نشانی ہے اس قسم کے اعتقاد کو کوئی فقیہ

کفر کا سبب نہیں سمجھتا اور یہ بات یعنی علوی حالت کا نشاندہی کرنا روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے لیکن ایسی بات کی خبر پیغمبر اور امام کے سوا کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہوتی اور منجمین نے جو کچھ سمجھا ہے وہ اس علم کا ناقص حصہ ہے۔

حضرت امام صادق اس بارے میں فرماتے ہیں: "علم نجوم پورے طور پر حاصل نہیں ہوتا اور ادھورے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۵۲)

شیخ اصحاب کی باتیں اور روایتیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ روایتیں بتاتی ہیں کہ نجومی جتنا سمجھے ہیں وہ حادثات کی بہت تھوڑی سی نشانیاں ہیں جن کے مزاحم و موانع کی انہیں کوئی خبر نہیں ہوتی اور جو کوئی ان روایتوں پر ان احکام کے لئے غور کرے جو علم نجوم سے نکلتے ہیں تو اسے اطمینان نہیں ہو پاتا البتہ یہ ممکن ہے کہ لگاتار تجربے کی مدد سے بعض آسمانی حالات سے کسی حادثے کے تعلق کا اطمینان پیدا ہو جائے۔ اس لئے نجوم کے احکام سے بچنا ہی بہتر ہے اور اگر حکم لگائے بھی تو تقریب کے طریقے سے (شاید۔ ممکن ہے) حکم لگائے یعنی کہے کہ یہ بعید نہیں ہے یا ممکن ہے کہ فلاں وقت میں فلاں واقعہ یا حادثہ واقع ہو۔

جو کچھ کہتا ہے نہیں ہوتا

علم نجوم کے ناقص کی بہترین دلیل منجموں کے شکوک اور غلطیاں ہیں جن میں سے کچھ تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ مثلاً تتمہ المنتہیٰ کی دوسری جلد میں لکھا ہے کہ ۵۸۲ ہجری میں سات ستارے برج میزان میں جمع ہو گئے۔ ابوالفضل خوارزمی اور دوسرے منجموں نے ہوا کے جھکڑ سے دنیا کے برباد ہو جانے کا حکم لگا دیا۔ لوگ زیر

زمین غاروں اور گڑھوں میں جا چھپے، کھانا پانی ساتھ لے گئے۔ آندھیوں سے بچاؤ کا پورا انتظام کر کے معینہ رات کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ وہ رات جمادی الآخر کی نویں رات تھی آپہنچی اور مطلق ہوا بلکہ رہک تک نہیں آئی تو لوگوں نے شمعیں جلالیں۔ ہوا اتنی خاموش تھی کہ چراغ کی لو بھی نہیں تھر تھراتی تھی۔ شاعروں نے اس کے بارے میں شعر کہے۔

چند سال پہلے ہمارے زمانے کے منجموں نے بھی اسی قسم کی خبر دی تھی اور لوگ ڈر گئے تھے بلکہ یہ بھی سنا تھا کہ جس مقررہ وقت کی انہوں نے خبر دی تھی اس سے پہلے زمین بھی جلے گی۔ بعض یورپین لوگوں نے سمندر میں بھی غوطہ لگایا لیکن وہ گھڑی آئی اور زمین کے دوسرے کروں سے ٹکرانے کی کوئی خبر نہیں آئی۔

جادو یا معجزہ دو قسم کے ہیں

جب کسی کا کوئی مافوق الفطرت کام نظر آئے اگر وہ کسی خاص مقام و منصب پر فائز نہیں ہے اور ایمان، زہد اور تقویٰ کا مالک ہے تو اس مافوق الفطرت کام کو کرامت کہا جاتا ہے اور وہ سچا گواہ بھی ہے جس کی خدا عزت کرتا ہے اور اگر وہ کسی خدائی منصب مثلاً پیغمبری، امامت یا خصوصی نیابت و نمائندگی پر فائز ہے تو ان تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کے بھی موجود ہونے پر اس غیر عادی کام کو معجزہ کہتے ہیں اور وہ اس دعوے دار کی سچائی کی دلیل ہے۔

۱۔ اصل دعویٰ عقل کے لحاظ سے ماننے کے قابل ہو اگر اس کا دعویٰ ماننے کے قابل نہیں ہے تو اس نے جو کچھ دکھایا گیا ہے وہ جادو ہے چاہے اس کا سبب جان لیا جائے یا نہ جانا جاسکے مثلاً یہ بات ہر مسلمان کے لئے ضروری طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ پیغمبری آنحضرت محمدؐ پر ختم ہو چکی ہے، آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہے

گی اور آپؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا تو اب اگر کوئی پیدا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو وہ یقینی طور پر جھوٹا ہے چاہے اس سے ایسے خلاف عادت واقعات ظہور پذیر ہوں جن سے لوگ دنگ رہ جائیں۔ وہ اپنے دعوے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوشیار جادوگر ہے۔

یا مثلاً کوئی امامت کا دعوٰی کرے اس کے باوجود کہ اثنا عشری شیعہ کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ امام بارہ ہیں جن میں سے اول حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ اور آخری حضرت حجت بن الحسنؑ ہیں جو اس دن تک نظروں سے پوشیدہ رہیں گے جب تک کہ خدا ان کے ظاہر ہونے کا حکم دے گا تو امامت کا دعوے دار جھوٹا ہوگا چاہے اس سے عجیب و غریب افعال ہی کیوں نہ سرزد ہوتے ہوں۔ اسی طرح نائب خاص کا مقام ہے۔ جب ہمارے لئے یہ بات ثابت ہو چکی کہ خصوصی نیابت جناب علی بن محمد سمری پر ختم ہو چکی جو امام کے چوتھے خصوصی نائب تھے تو بلاشبہ خصوصی نیابت کا دعوے دار جھوٹا ہوگا۔

۲۔ منصب کی عقلی شرائط رکھتا ہو مثلاً پیغمبر اور امام کی ایک شرط عصمت ہے یعنی پیغمبری اور امامت کا مقام ملنے سے پہلے اور بعد میں کسی وقت بھی اس کا کوئی گناہ دیکھنے میں نہ آیا ہو، نہ کبیرہ نہ صغیرہ اور علم و عمل کے لحاظ سے اپنے زمانے میں سب سے بڑھا ہوا ہو جس کی ایک نشانی دنیا کے مال و جاہ کا طالب نہ ہونا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کا گناہ بھی دیکھا گیا ہے یا جو خدائی علوم سے محروم ہے یا دنیا کا طالب ہے (یعنی مال اور مرتبے کا خواہش مند ہے) اور وہ کوئی عجیب و غریب کرتب دکھاتا ہے تو یقیناً جادوگر ہے۔

۳۔ غیر عادی کام صرف خدا کی قدرت کی بدولت دکھایا جائے اس کے اسباب

حاصل کرے اور سیکھ کر نہیں۔ اب اگر یہ معلوم ہو کہ وہ کام اس نے خود سیکھ کر کیا ہے اور جادو کے طریقے سے (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے) دکھایا ہے تو اس کی جادوگری بالکل ظاہر ہے جس کا معجزے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ غرض معجزہ خدا کی طرف سے ملتا ہے اور جادو جادوگر کے سیکھنے اور مشق کرنے سے آتا ہے۔ علم کلام میں اس بارے میں مفصل گفتگو موجود ہے اس لئے جتنا بیان کیا گیا وہی کافی ہے۔

جادو کا توڑ

بہت سے فقیہوں نے فرمایا ہے کہ دوسرے کے جادو کو جادو سے توڑنا جائز ہے مثلاً اگر کوئی جادوگر پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ جائز ہے کہ اسے جادو کر کے رسوا کر دو یا اگر کوئی جادوگر کسی شخص پر جادو کرتا ہے یا کسی شخص کو باندھ دیتا ہے تو یہ جائز ہے کہ جادو سے اس کا عمل ختم کر دو اور اس شخص کو کھول دو۔

روایت ہے کہ عیسیٰ بن سقفی حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور اس نے آپؑ سے عرض کیا: "میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں، میں ایک جادوگر ہوں اور میری روزی جادوگری کے معاوضے سے چلتی ہے۔ اسی مال سے میں نے حج کیا ہے اور خدا نے مجھ پر یہ احسان بھی کیا کہ میں آپ کی زیارت کو آگیا ہوں۔ میں اپنے عمل سے شرمندہ ہوں، کیا میرے لئے اس کی تلافی کا کوئی طریقہ ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "حل ولا تعقد" امامؑ کے کلام کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو سے دوسرے کا جادو دور کر اور کبھی کسی پر جادو شروع نہ کر۔ (وسائل الشیعہ کتاب تجارت ابواب ما یکتسب باب ۵۳)

لیکن بعض فقیہوں نے کہا ہے کہ جادو کو جادو سے صرف ضرورت کے وقت توڑنا جائز ہے۔ یعنی اگر کوئی اور صورت اس جادو کے زائل کرنے کی ہو سکتی ہو تو وہ

واجب ہے اس وقت جادو نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً جادو کے دور کرنے کے لئے شرع میں دعائیں اور تعویز بتائے گئے ہیں۔

مثال کے لئے بحار الانوار سے دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں:

ایک شخص حضرت امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں آیا اور اس نے جادو کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہرن کی کھال پر یہ دعا لکھ لے اور اپنے پاس رکھ۔ وہ جادو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس کا فریب تجھ پر اثر نہیں کرے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

"بسم اللّٰه و باللّٰه بسم اللّٰه و ماشاء اللّٰه بسم اللّٰه لاحول ولا قوة الا باللّٰه قال موسى ماجئتم به السحر ان اللّٰه سيبطله ان اللّٰه لا يصلح عمل المفسدين فوقع الحق و بطل ما كانوا يعملون فغلبوا هنالك و انقلبوا صاغرين."

آپؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ جادو اور بادشاہ کی برائی کے انسداد کے لئے سات مرتبہ پڑھ: "بسم اللّٰه وباللّٰه سنشد عضدك باخيك و نجعل لكما سلطانا فلا يصلون اليكما بآياتنا انتما ومن اتبعكما الغالبون." نماز شب سے فراغت کے بعد اور نماز صبح سے پہلے اسے سات مرتبہ پڑھا کر یقیناً تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔

کتاب قصص العلماء میں لکھا ہے کہ عباس صفوی بادشاہ کے زمانے میں ایک نصرانی بادشاہ نے اپنے ایک آدمی کو صفوی بادشاہ کے پاس بھیجا اور ایک خط لکھا کہ آپ اپنے مذہب کے علماء سے کہیں کہ اس سے مناظرہ کریں، اگر اس شخص سے آپ کے مذہب کے علماء زیر ہو جائیں تو پھر آپ کو مذہب نصرانیت قبول کرنا پڑے گا۔

وہ شخص جسے بھیجا گیا تھا اس کا کام یہ تھا کہ اگر کوئی بھی چیز ہاتھ میں چھپالی

جائے تو وہ بتا دیتا تھا کہ ہاتھ میں کیا ہے؟ (غیر شرعی ریاضات اور تزکیہ نفس کے ذریعے وہ اتنی معلومات رکھتا تھا)۔

پس صفوی بادشاہ نے اپنے علماء کو جمع کیا جن میں ملا محسن فیض بھی شامل تھے، انہوں نے اس نصرانی سے کہا: "کیا تمہارے بادشاہ کے پاس کوئی عالم نہیں تھا کہ عوام میں سے ایک شخص کو علماء سے مناظرے کے لئے بھیج دیا؟"

نصرانی نے کہا: "آپ اس بات کو تو رہنے دیں اور کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لیں تاکہ میں بتا سکوں کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟"

مرحوم فیض نے قبر حسینؑ کی مٹی کی بنی ہوئی تسبیح ہاتھ میں چھپالی۔ نصرانی نے بہت غور کیا اور خاموش رہا۔

مرحوم فیض نے کہا: "کیوں خاموش ہو؟"

نصرانی نے کہا: "میرا علم یہ بتا رہا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں جنت کی مٹی کا ٹکڑا ہے، میں اس بات پر حیران ہوں کہ یہ مٹی کہاں تھی اور آپ تک کیسے پہنچی؟"

مرحوم فیض نے کہا: "تم نے سچ کہا ہے، میرے ہاتھ میں قبر امام حسینؑ کی خاک ہے، حسینؑ جو رسول خداؐ کے فرزند ہیں۔ تمہاری ہی تصدیق کرنے پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلمانوں کا امام ہی حق پر ہے اور اب تمہیں مسلمان ہو جانا چاہئے۔"

نصرانی نے انصاف سے کام لیا اور مسلمان ہو گیا۔

اس واقعے میں بے شک مرحوم فیض نے بہت اچھا طریقہ اختیار کر کے اس کو ہدایت و نجات کی راہ دکھائی لیکن واضح رہے کہ اس قسم کے واقعات میں بے شک کسی کی معلومات اس نصرانی شخص سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو وہ جادوگر ہوگا کیونکہ اس میں تین شرائط موجود نہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

۶ اسراف

چھتیسواں گناہ کبیرہ جس کی صراحت کی گئی ہے فضول خرچی ہے۔ چنانچہ فضل بن شاذان کے صحیحہ کے مطابق حضرت امام رضاؑ نے اور اعمش کی روایت کے مطابق حضرت امام صادقؑ نے فضول خرچی کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ اس گناہ کی اہمیت جاننے کے لئے کچھ دستیاب آیتوں اور روایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کے معنی اور قسمیں بیان کی جائیں گی۔

سورۃ اعراف کی آیت ۳۱ میں کہا گیا ہے: "کھاؤ اور پیو (جو کچھ تمہارے لئے حلال بتایا گیا ہے) لیکن حد سے نہ گزرو در حقیقت خدا حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا یعنی خدا فضول خرچوں کو دشمن سمجھتا ہے(۱) اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جسے خدا پسند نہیں کرتا وہ عذاب پائے گا کیونکہ خدا کی محبت کے معنی ثواب عطا کرنے کے ہیں۔

سورۃ انعام میں کہا گیا ہے: "ان پھلوں میں سے ہر پھل جب وہ پک جائے

۱۔ تفسیر مجمع میں لکھا ہے کہ ہارون رشید کا طبیب بختیشوع ایک عیسائی تھا۔ ایک دن اس نے واقدی سے کہا: "تمہارے قرآن میں علم طب کا بھی کوئی ذکر ہے؟" واقدی نے کہا: "ہاں ہے۔ خداوند عالم نے پورے طب کو آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے اور وہ ہے "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" اس نے پوچھا: "تمہارے پیغمبر نے بھی اس کے بارے میں کچھ فرمایا ہے؟" واقدی نے جواب دیا: "ہاں! آپ نے پوری طب کو چند الفاظ میں جمع کر دیا ہے اور وہ ہے: "المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواء واعط کل بدن ما عودتہ" یعنی معدہ دردوں اور بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کا سر ہے اور ہر شخص کو اسی قدر دینا چاہئے جتنے کا وہ عادی ہے۔ عیسائی طبیب نے کہا: "تمہاری کتاب اور تمہارے پیغمبر نے طب کی کوئی بات نہیں چھوڑی اور جالینوس کے لئے کوئی بات باقی نہیں رکھی۔"

تو کھاؤ اور اس کا حق (جو خدا نے زکوۃ وغیرہ مقرر کر دی ہے) اس کے توڑنے اور اتارنے کے دن ادا کر دیا کرو اور حد سے نہ بڑھو کیونکہ خدا فضول خرچوں اور ان کے اعمال کو پسند نہیں فرماتا۔" (آیت ۱۴۱)

سورۃ مؤمن کی آیت ۳۴ میں بتایا گیا ہے: "ہر فضول خرچ اور شکی کو ہدایت نہیں فرماتا بلکہ سزا دیتا ہے۔" اور اسی سورے میں یہ بھی کہا گیا ہے: "دراصل فضول خرچ دوزخی ہیں۔"

خداوند عالم سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۲۷ میں فرماتا ہے: "جو فضول خرچی کرتا ہے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ہم اسے ایسی ہی سزا دیں گے اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔"

سورۃ بنی اسرائیل میں خدا فرماتا ہے: "فضول خرچی مت کر اور اپنا مال برباد نہ کر درحقیقت فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں (اور دوزخ میں ان کے قریب ہیں) اور شیطان نے اپنے پروردگار (اور اس کی بے حساب نعمتوں کو) سخت جھٹلایا ہے۔" (آیت ۲۷)

تفسیر منہج میں لکھا ہے: "عرب کے کافر اپنی دولت ظاہر داری اور تعریف سننے کی خاطر خرچ کرتے تھے اور ایک مہمان کے لئے کئی کئی اونٹ ذبح کیا کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی سخاوت کی تعریف کریں۔ خدا نے ان کو ملامت کی کہ "یہ مال برباد کرنے میں پاگل ہیں۔"

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "درحقیقت خدا اعتدال کو پسند کرتا اور فضول خرچی کو برا سمجھتا ہے یہاں تک کہ تیرے چھوہارے کی گٹھلی پھینکنے کو بھی ناپسند کرتا ہے کیونکہ وہ بھی کام آجاتی ہے۔ چنانچہ عرب میں چھوہارے کی گٹھلی اونٹ کی

خوراک ہوتی ہے۔ اسی طرح تیرے پینے کے بعد بچے ہوئے پانی کو پھینکنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ بھی بعض بعض موقعوں پر کام آجاتا ہے۔ (نکاح وسائل فی النفقات باب ۲۵ صفحہ ۱۴۳)

آپ نے یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرتا رہ، زیادہ نہ بڑھ، کنجوسی بھی نہ کر اور ہمیشہ درمیانی حد پر رہ، درحقیقت فضول خرچی بربادی (ضیاع) ہے اور خدا نے فرمایا ہے کہ ضائع نہ کر۔ درحقیقت خدا کسی کو میانہ روی پر سزا نہیں دے گا۔ (نکاح مستدرک الوسائل باب ۲۰) یعنی خدا کا عذاب فضول خرچی اور کنجوسی پر ہوگا۔

بشر بن عمر کہتا ہے: "میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ آپ نے چھوہارے منگائے۔ چھوہارے آئے تو ہم لوگ کھانے لگے۔ بعض لوگ چھوہارے کی گٹھلیاں دور پھینکنے لگے۔ آپ نے چھوہارے کھانے سے ہاتھ اٹھالیا اور فرمایا: "ایسا نہ کرو یہ ضیاع ہے اور خدا بگاڑ کو پسند نہیں کرتا۔" (نکاح مستدرک ابواب النفقات باب ۲۲)

فقیہ میں رسول خداؐ کی یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ جو کوئی دکھاوے اور تعریف کی خاطر (لوگوں کے دیکھنے اور سننے کے لئے) کوئی عمارت بناتا ہے خدا قیامت کے دن اس عمارت کو جہنم کے ساتویں طبقے تک اس پر لاد دے گا جس سے اس میں آگ لگ جائے گی۔ اس کے بعد اسے اس شخص کے گلے میں ڈال کر جہنم میں پھینک دے گا۔ کسی نے پوچھا: "یارسول اللہؐ دیکھنے سننے کی خاطر تعمیر کیسی ہوتی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "وہ عمارت ہے جو اپنی ضرورت سے زیادہ بنائے تاکہ اس کا زیادہ حصہ اپنے پڑوسیوں کو اور فخر کرنے کے لئے اپنے مؤمن بھائیوں کے استعمال کو دے دے۔"

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "جب خدا کسی بندے کے ساتھ کسی

بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے میانہ روی اور زندگی کے اچھے انتظام کیلئے الہام فرماتا ہے یعنی اسکے دل میں معتدل روش اور زندگی کا اچھا سلیقہ ڈال دیتا ہے اور فضول خرچی اور بد تدبیری سے اسے دور کردیتا ہے۔" (دررالکلم، آمدی، نکاح مستدرک باب ۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خدا نے جو کسی کو دولت دی ہے تو اس لئے کہ وہ محترم ہے یا جسے دولت نہیں دی ہے وہ اس کی پستی و ذلت کی وجہ سے نہیں دی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مال خدا کا مال ہے جسے وہ کسی شخص کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیتا ہے اور اجازت دے دیتا ہے کہ درمیانی رفتار سے اسے کھائے پیئے، اس سے کپڑے بنائے، شادی بیاہ کرے، گھوڑا سواری میں رکھے اور اس میں کا زائد یعنی بچا ہوا مال غریبوں کو دے ڈالے اور ان کی ضرورت پوری کرے۔ تو جو کوئی اس طریقے سے چلتا ہے وہ جو کچھ کھاتا ہے، پیتا ہے، سواری کرتا ہے، نکاح کرتا ہے، سب کچھ اس کے لئے حلال اور جائز ہے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو سب کچھ اس کے لئے حرام ہے۔ پھر آپؑ نے آیت پڑھی: "فضول خرچی نہ کرو کیونکہ خدا فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا۔" اس کے بعد (مزید وضاحت کرنے کے لئے) فرمایا: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا نے جو مال امانت کے طور پر کسی شخص کو دے دیا ہے تو وہ اپنی سواری کے لئے مبلغ دس ہزار درہم کا ایک گھوڑا خریدے جب کہ وہ بیس درہم کا گھوڑا خرید سکتا تھا اور وہ اس کے لئے کافی ہوتا۔ ایک ہزار دینار کی کنیز خریدے حالانکہ وہ بیس دینار کی کنیز خرید سکتا تھا اور وہ کافی ہوتی جب کہ خدا نے فرمایا ہے کہ فضول خرچی مت کرو (تو ایسے شخص نے خدا کے مال میں جو اس کی امانت ہے خیانت کی ہے۔" (نکاح مستدرک باب ۲۲)

عباسی کہتا ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ سے اپنے گھر کے خرچ کے بارے

میں رائے لی تو آپ نے فرمایا: "خدا تجھ پر رحم فرمائے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ خدا حد سے بڑھنے کو اور سخت گیری کو برا سمجھتا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: خدا کے بندے وہ ہیں کہ جب اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی ہی برتتے ہیں (کنجوسی نہیں کرتے) اور ان کا خرچ ہمیشہ فضول خرچی اور کنجوسی کے بیچ میں رہتا ہے۔" (نکاح وسائل فی النفقات باب ۲۷)

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ جس نے اپنا مال اڑا ڈالا اور فقیر ہو گیا اس کی دعا قبل نہیں ہو گی اور جب کہے گا کہ اے خدا! مجھے مال بخش دے تو خدا کہے گا کیا میں نے تجھے میانہ روی کے طریقے کے لئے حکم نہیں دیا تھا؟

فضول خرچی کے معنی اور اس کی قسمیں

فضول خرچی کی معنی حد سے بڑھ جانے کے ہیں۔ یا تو یہ مقدار کے لحاظ سے ہوتی ہے کہ ایسے موقعے پر پیسہ خرچ کیا جاتا ہے جہاں شرع یا عقل کی رو سے مناسب نہیں ہوتا چاہے وہ ایک درہم ہی کیوں نہ ہو یا یہ کیفیت کے لحاظ سے ہوتی ہے کہ ایسے موقعے پر پیسہ خرچ کیا جاتا ہے جہاں کرنا تو چاہئے لیکن جتنا چاہئے اس سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پانچ سو تومان کا ایک جوڑا (لباس) خرید کر پہنے جب کہ اس کی وضع اور شان کے لحاظ سے سو تومان کا لباس ہونا چاہئے۔

بعض لوگوں نے ایسے موقعے پر مال خرچ کرنے کو جہاں مناسب نہیں ہے ضیاع کہا ہے اور جتنا خرچ کرنا مناسب ہے اس سے زیادہ خرچ کرنے کو فضول خرچی کہا ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: "فضول خرچ کی تین علامات ہیں ایک یہ کہ اس کے لئے جو کھانا مناسب نہیں ہے وہ کھاتا ہے۔ اس کے لئے جو پہننا

مناسب نہیں ہے یعنی اس کے حال اور شان کے لائق نہیں ہے وہ پہنتا ہے اور اس کے لئے جس شے کا خریدنا مناسب نہیں ہے وہ خریدتا ہے۔" (بحار الانوار)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ تو نے جو لباس دنیا کی نظروں میں اپنی عزت رکھنے اور پہننے کے لئے تیار کیا ہے اگر اسے کام کرنے کے وقت یا ایسی جگہ پہنے گا جہاں اس کا پہننا مناسب نہیں ہے تو یہ فضول خرچی ہوگی۔ (نکاح مستدرک ابواب النفقات باب ۲۲)

فضول خرچی مختلف لوگوں کیلئے مختلف ہوتی ہے

جاننا چاہئے کہ لوگوں کے لئے فضول خرچی ان کی شان، عزت، صحت، بیماری، جوانی، بڑھاپے کے لحاظ سے اور امیری، غریبی اور آمدنی کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے الگ الگ ہوتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک خاص شخص کے لئے جو سماج میں ایک خاص مقام اور شخصیت کا مالک ہے یا ایک خاص آمدنی رکھتا ہے کپڑوں کی تیاری پر ایک خاص رقم خرچ کر دینا کوئی فضول خرچی نہ ہو لیکن اس شخص کے لئے جو ایسا نہیں ہے یہ فضول خرچی ہوگی۔

کلینی روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا ہے: "اکثر غریب لوگ مال داروں سے زیادہ فضول خرچ ہوتے ہیں کیوں کہ مال دار اس میں سے خرچ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے بخشا ہے اور غریب خدا کے عطا کئے بغیر خرچ کرتا ہے۔" (فروع کافی)

اس لئے زندگی اور روزی کے بہت سے تکلفات جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں، اپنی حیثیت اور آمدنی کا خیال نہیں رکھتے اور بیشتر مقروض اور پریشان ہوتے ہیں فضول خرچی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے سے اوپر والے کو

دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے کم یا نیچے نہ رہے اسی لئے فضول خرچی میں پھنس جاتا ہے اور برابر تنگی، ترشی، رنج و تکلیف اور پریشانی میں دن گزارتا ہے جب کہ شرع کے قاعدے کے مطابق لوگ اپنے سے نیچے والوں پر نظر ڈالتے جو دنیاوی معاملات میں ان سے بہت گھٹ کر ہیں تو کبھی فضول خرچی اور اتنی زیادہ تکلیفوں میں گرفتار نہ ہوتے۔ ان میں سے زیادہ بدحالیاں اور ناکامیاں فضول خرچی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر شرع کے طریقے سے اور اپنی فطرت اور عقل سلیم کے تقاضوں کے مطابق اس گناہ کبیرہ سے دور رہتے، ہر حال میں کفایت اور میانہ روی سے کام لیتے اور قناعت اختیار کر لیتے تو انہیں دنیا اور آخرت کی خوش بختی نصیب ہوتی۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "ایمان کی حقیقت وہی چکھ سکتا ہے جس میں تین عادتیں ہوں گی۔ (۱) دین کے احکام اور مسائل جاننا، (۲) پریشانیوں میں صبر اور (۳) روزمرہ کے اخراجات کا اچھا تخمینہ۔" (سفینۃ البحار جلد ۲)

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو اپنے اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے گا، میں ذمہ لیتا ہوں کہ وہ کبھی مفلس نہیں ہوگا۔" (نکاح، وسائل فی النفقات باب ۲۵)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں۔ خدا سے ظاہر اور باطن میں ڈرنا، خوشحالی اور تنگدستی میں میانہ روی اور خوشی اور غصے کے موقع پر سچ بولنا۔" (سفینۃ البحار جلد اول)

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: "وہ شخص جو دنیا کے سے ملنے والی روزی پر راضی ہو جاتا اور قناعت کر لیتا ہے غصے، تکلیف اور دکھ اٹھانے سے بچ جاتا ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲)

آیت "فلنحیینه حیوٰة طیبه" (ہم اسے پر مسرت زندگی عطا کریں گے) کی تفسیر میں حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ (پر مسرت زندگی) قناعت ہے۔ (سفینۃ البحار جلد ۲)

ابوذرؓ دھوکا نہیں کھاتے

عثمانؓ نے اپنے دو غلاموں کو دو سو اشرفیاں دے کر کہا کہ ابوذرؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عثمانؓ نے تمہیں سلام کہلوایا ہے اور کہا ہے کہ یہ اپنے خرچ میں لاؤ۔ ابوذرؓ نے پوچھا: "کیا عثمانؓ نے کسی دوسرے مسلمان کو بھی اتنی ہی اشرفیاں دی ہیں؟" غلاموں نے جواب دیا: "نہیں۔" ابوذرؓ نے کہا: "میں عام مسلمانوں میں ہی سے ایک مسلمان ہوں اور دوسرے مسلمانوں پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا جو وہ مجھے اتنا مال دیتا ہے۔" وہ بولے: "عثمانؓ نے کہا ہے کہ یہ خالص میرا مال ہے اور خدا کی قسم حلال ہے۔" ابوذرؓ نے فرمایا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں سب سے زیادہ بے ضرورت ہوں۔" وہ بولے: "اے ابوذرؓ! ہم تو تمہارے گھر میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھتے جس کے سبب سے تمہیں کسی قسم کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔" ابوذرؓ نے کہا: "ہاں! اس برتن میں جو کی دو روٹیاں ہیں جنہوں نے مجھے بے فکر بنا دیا ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ ابوذرؓ کے ساتھ ایسا ہی عمل معاویہؓ نے کیا تھا اور جب ابوذرؓ نے اشرفیاں نہیں لیں تو غلاموں نے کہا: "اے ابوذرؓ! معاویہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم یہ مال لے لو گے تو وہ ہمیں آزاد کر دے گا تو ہماری آزادی کی خاطر ہی یہ لے لو۔" ابوذرؓ نے فرمایا: "میں یہ مال لے لوں تو تم تو معاویہؓ کی غلامی سے چھٹ جاؤ گے مگر اس کا غلام بن جاؤں گا۔ یعنی اس کے بعد اس کی خواہش کے مطابق

چلنا پڑے گا۔" (اگر میں اپنا دین اس کی دنیا کے عوض بیچ ڈالوں)۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی کتاب اسلام و مشکلات اقتصادی میں دنیا کی تمام برائیوں کو سرمایہ داروں کی فضول خرچی اور عیاشی کا نتیجہ بتانے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان دولت مندوں نے زنا کو اپنی زندگی کا ایک لازمہ بنالیا ہے۔ کچھ عورتوں کو زناکار، ناچنے والیاں اور کچھ مردوں کو بے عزت دلال بنادیا ہے۔ گانا بجانا ان کی تفریح ہے۔ اسی لئے کچھ لوگوں کو گاہک، ناچنے والے، فنکار، موسیقار اور آہنگ ساز کے نام سے اپنے لئے خرید لیا اور کام پر لگادیا۔ ان لوگوں نے کھیل تماشوں اور خلاف انسانیت مشاغل سے جنون کی حد تک شوق کا اظہار کیا اور اس کے لئے کچھ پاگلوں، نچیوں، طوائفوں، فنکاروں، اداکاروں اور مصوروں کی حوصلہ افزائی کی۔

اسی لئے ایسے ایسے نئے نئے فن اور ہنر پیدا ہوگئے جن کی انسان کی شریفانہ زندگی کو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ ان کی پیدائش اور پھیلاؤ سے انسانیت اور اخلاق کو نقصان پہنچا۔ سیر و شکار بھی ایک اور اہم مشغلہ اور ساتھ ساتھ سرمایہ داروں کے دولت جمع کرنے کا سرچشمہ ٹھہرا۔ اس پر طرہ یہ کہ لوگوں کے کافی گروہ کے گروہ ہمراہیوں اور اہالی اور موالی کے طور پر خدمت میں رکھ دیئے گئے کہ ان کے شوق کی خاطر سیر و شکار میں لگے رہیں اور اگر سرمایہ داری کا یہ جذبہ نہ بھڑک اٹھا ہوتا تو وہ بھی انسان کے جدی شغل کے مالک ہوتے۔ ان خدا سے غافل دولت مندوں نے ایک معقول گروہ کو الکحل، افیون اور چرس سے طرح طرح کے نشے تیار کرنے میں لگادیا۔ سرمایہ داروں نے مادی دولت سے بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا اور اسے محل، اپارٹ منٹ اور کئی کئی منزل کی حویلیاں تعمیر کرنے اور باغات، تفریح گاہیں، کیبرے، تھیٹر اور عیاش خانے بنانے میں ختم کردیا۔ یہ لوگ انسانیت اور اسلام کے

خلاف اس فضول خرچی میں اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے بڑی بڑی اور پر شکوہ عمارتیں بنوائیں تاکہ مرنے کے بعد انہیں میں دفن ہوں اور نہایت کشادہ مقبرے تعمیر کروائے جبکہ یہ لازم اور ضروری تھا کہ ان مقبروں کے بجائے ان لوگوں کے گھر ہوتے جنہیں آرام کے لئے گھر میسر نہیں ہیں۔ ان کی فضول خرچی اتنی بڑھی کہ اپنے کتوں کے لئے بھی بڑے بڑے کمرے بنوائے، ان کے سنہری پٹے باندھے، سدھانے والے ملازم رکھے اور اس طرح بے اندازہ دولت بے فائدہ ضائع کر دی۔ (۹ جون ۱۹۶۲ء کے نیو اسٹیٹمین میں لکھا ہے کہ امریکی لوگ ہر سال کتوں اور ان کے بلوں پر تقریباً تین ارب ڈالر جو ۲۴ ارب تومان کے برابر ہوتے ہیں خرچ کرتے ہیں) جبکہ انہیں یہ چاہئے تھا کہ یہ دولت اپنے غریب انسانی بھائیوں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرتے۔ دولت مند قیمتی زیورات، نفیس لباسوں اور سونے چاندی کے برتنوں کا بھی بے حد شوق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مکانوں کی دیواریں قیمتی نقش و نگار، تصویروں اور زربفت کے پردوں سے سجا رکھی ہیں۔۔۔" (منقول از کتاب اسلام و مشکلات اقتصادی)۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی ملحوظ رہے ہم جو کہتے ہیں کہ غریب کیلئے فلاں رقم کا خرچ کرنا فضول خرچی ہے لیکن دولت مند کیلئے فضول خرچی نہیں ہے اس لئے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ دولت مند جس غرض کیلئے جس قدر چاہے خرچ کرے کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے لئے عیاشی اور ہوس رانی میں دولت لٹانا جائز ہے چونکہ اس کی اتنی حیثیت ہے اس لئے اس کیلئے فضول خرچی نہیں ہے بلکہ اس کیلئے حکم زیادہ سخت ہے اور اس کا فرض بھی غریبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے کیونکہ مکان، لباس، فرش، روزانہ کھانے پینے اور زندگی کی ضروری باتوں پر اس سے زیادہ خرچ کرنا جتنا

لازمی ہے اور اس کی حیثیت اور شان کے لائق ہے حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ ضروری اور اس کی شان اور حیثیت کے لائق خرچ کرنے سے بچے اسے یہ حق نہیں ہے کہ اسے جمع کرے بلکہ اس کا خمس (پانچواں حصہ) مقررہ ٹھکانوں پر پہنچائے اور اگر اس پر زکوٰۃ واجب ہے تو اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے۔ اگر اس کے رشتے داروں میں کوئی غریب یا پریشان حال ہے تو اس پر واجب ہے کہ اتنے مال سے اس کی مدد کرے جس کے نہ دینے سے قطع رحم ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر غریب عزیز کو رقم کی ضرورت ہے تو اسے رقم دے۔ اگر مقروض ہے تو اس کا قرض چکادے اگر بیمار ہے تو اس کی دوا اور صحت کی ضروریات فراہم کردے بلکہ واجب ہے کہ جس پریشان اور مجبور مسلمان کے حال سے باخبر ہو اس کی فریاد کو پہنچے اور اگر اس نے یہ فرائض ادا نہیں کئے تو وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "انہوں نے سونا چاندی جمع کیا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انہیں اذیت ناک عذاب کی خبر سنادو۔ اس دن جبکہ ان (سونے اور چاندی) کو دوزخ کی آگ میں سرخ کر کے ان کے ماتھوں، کولہوں اور پیٹھوں پر چپکائیں گے کہ یہ وہی ہے جو تم نے جوڑا ہے۔ اب اس دولت کا جو تم نے جوڑی ہے دکھ بھگتو۔" (سورۂ برات آیت ۳۴)

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "جو کوئی درہم اور دینار جوڑے گا اور جس جس کا حق واجب ہے اس کا حق ادا نہیں کرے گا۔ (مقروض اور گھاٹے والے وغیرہ کے لئے اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا) قیامت کے دن اس دولت سے داغا جائے گا۔ (تفسیر المیزان جلد ۹ صفحہ ۲۷۱)

راہ خدا میں خرچ کرنے کی ضرورت اور اس کے بے شمار فائدوں اور خرچ میں کنجوسی برتنے اور مال جمع کرنے پر ڈراوے اور عذاب کے وعدے سے متعلق ایسی

آیتیں اور روایتیں بہت سی ہیں جن کا ذکر ہماری بحث سے خارج ہے۔

سنتے ہیں کہ بعض دولت مند جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اپنے لاکھوں روپے غیر ملکی بینکوں میں جمع کرتے ہیں جو ان کے مرنے کے بعد ظاہر ہوں گے اور پھر سب سمجھ لیں گے کہ اب خدا کے حضور میں ان کا کیا عذر ہے؟ اگر وہ یہ کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں تھا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنے مذہب کے احکام کیوں نہیں سیکھے؟ وعظ کی محفلوں میں کیوں حاضر نہیں ہوئے؟ اور اگر جانتے تھے تو ان احکام پر عمل کیوں نہیں کیا۔ افسوس ان دولت مندوں کو کیسی دائمی حسرت اور شرمندگی نصیب ہوگی۔

دیدی کہ چہ کرد اشرف خر
او مظلمہ برد و دیگرے زر

تم نے دیکھا کہ شریف گدھے نے کیا کیا اس نے تو بوجھ ڈھویا اور دوسرا مال مارے گیا اور بہت سے دولت مند ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ دولت کا فائدہ راہ خدا میں خرچ کرنا ہے۔

مال را کز بہر حق باشی حمول
نعم مال صالح گفتش رسول

تو جو مال خدا کے لئے اٹھائے گا رسول نے اس کے لئے کہا ہے کہ وہ نیک مال ہے ورنہ "رکھنے کے لئے پتھر اور سونا برابر ہے" جس خدا داد دولت سے یہ لوگ اس دنیا میں نیک نامی اور دوسری دنیا میں ثواب اور ہمیشہ کے لئے نعمتیں حاصل کرتے اس کے عوض اپنے لئے اس جگہ لعنت اور اس جگہ حسرت، شرمندگی، محرومی بلکہ ہمیشگی کا عذاب پائیں گے۔

زمانے کے لحاظ سے بھی اسراف مختلف ہوتا ہے

فضول خرچی جس طرح لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہو جاتی ہے اسی طرح اس میں وقت کے لحاظ سے بھی فرق پڑ جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے ایک شخص کے لئے کھانے پینے میں کچھ رقم خرچ کرنا فضول خرچی نہ ہو جب کہ قحط سالی ہو جائے اور عام غریبی آجائے تو اتنی ہی رقم کا صرف اس شخص کے لئے فضول خرچی بن جائے گا اور اس پر واجب ہو جائے گا کہ اس سے کم خرچ کرے اور جو بچ رہے وہ اوروں کو دے ڈالے جو پریشان ہوں۔

حضرت امام صادقؑ کا خادم معتب کہتا ہے کہ جس زمانے میں مہنگائی ہو گئی تھی امامؑ نے مجھ سے پوچھا: "ہمارے یہاں کتنا غلہ (گیہوں اور جو) ہے؟" میں نے کہا: "اتنا ہے کہ کئی مہینے تک چل سکتا ہے۔" آپؑ نے فرمایا: "سب کو باہر نکال کر بیچ آ۔" میں نے کہا: "مدینے میں گیہوں اور جو نہیں ملتے۔" آپؑ نے حکم دیا: "بیچ ڈال۔" میں نے بیچ دیئے۔ امامؑ نے فرمایا: "گھر کے خرچ کے لئے دوسرے لوگوں کی طرح تو بھی روزانہ خرید لایا کر۔" اور پھر فرمایا: "گھر والوں کے کھانے کے لئے آدھے آدھے گیہوں اور جو ملا کر دیا کر۔ خدا جانتا ہے کہ میں سب گھر والوں کو خالص گیہوں کی روٹی مہیا کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ خدا مجھے دیکھے کہ میں نے گھر کے کام انجام دینے میں نیکی کی راہ اختیار کی ہے۔" (کافی)

یہی بات لباس کے متعلق بھی ہے۔ بعض نادانوں نے حضرت امام سجادؑ، حضرت امام صادقؑ اور حضرت امام رضاؑ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ اتنا قیمتی لباس کیوں پہنتے ہیں جب کہ آپ کے بزرگ پیغمبر اکرمؐ اور امیرالمومنینؑ ایسے لباس نہیں پہنتے تھے۔ امامؑ جواب میں فرماتے تھے کہ رسول خداؐ کے زمانے میں غریبی عام تھی۔

اس زمانے کے لحاظ سے وہی لباس مناسب تھا جو ہمارے بزرگ پہنا کرتے تھے لیکن ہمارا زمانہ فراخی اور خوشحالی کا زمانہ ہے اگر ہم اپنے دادا کی طرح پہننا چاہیں تو لوگ ہماری توہین کریں گے۔ (وسائل صلوٰۃ ابواب ملابس)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے پوچھنے والے سے فرمایا:

"یہ لباس میں نے خدا کے سامنے عاجزی اور انکساری کے لئے پہنا ہے اور اس کے اوپر قیمتی لباس تیرے اور تجھ جیسوں کے دیکھنے کے لئے پہن لیا ہے۔" (وسائل صلوٰۃ ابواب ملابس)

وہ اسراف (فضول خرچی) جو ہمیشہ حرام ہے

جاننا چاہئے کہ فضول خرچی کی تین قسمیں ایسی ہیں جو ہر حال میں حرام ہیں اور کسی شخص، وقت یا مقام سے مخصوص نہیں ہیں:

اول مال ضائع کرنا اور اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھانا چاہے وہ مال کم ہی کیوں نہ ہو جیسے چھوہارے کی گٹھلی کو پھینک دینا جب کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو یا برتن کا بچا ہوا پانی پھینک دینا جہاں پانی نہ ملتا ہو اور اتنے ہی پانی سے ضرورت پوری ہو سکتی ہو جیسا کہ پچھلی حدیثوں کے سلسلے میں بھی بیان کیا جاچکا ہے یا ایسا لباس پھاڑ ڈالنا یا پھینک دینا جو ابھی اپنے یا دوسرے کے پہننے کے لائق ہو یا کھانا بچا کے رکھنا اور دوسرے کو نہ دینا یہاں تک کہ خراب ہو جائے یا مثلاً دھوپ میں چراغ روشن کرنا اور کسی کمینے یا بچے کے ہاتھ میں مال دے دینا جو اس کی قدر نہیں جانتا اور اسے برباد کر دیتا ہے اور ایسے مال ضائع کرنے کی دوسری مثالیں بھی ہیں۔

حضرت امام صادقؑ نے ایک ادھ کھایا پھل دیکھا جو آپ کے گھر میں سے باہر پھینک دیا گیا تھا۔ (مثلاً کوئی انار جس کے پورے دانے نہ کھائیں اور دور پھینک دیں

یا خربوزہ یا تربوز جس میں ابھی گودا باقی ہو دور پھینک دیا جائے) اس پر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: "تم نے یہ کیا کیا۔ اگر تمہارا جی بھر گیا تھا تو بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کا جی سیر نہیں ہوتا ہے تو انہیں دے دو جنہیں ضرورت ہے۔" (مستدرک کتاب الاطعمہ والاشربہ باب ۶۱ صفحہ ۹۴)

بچا ہوا کھانا خصوصاً کھائی ہوئی روٹی (جنگل میں حیوانات کے سامنے ڈالنے کے سوا) دور پھینکنے یا ڈالنے کے متعلق ایسی روایتیں ملتی ہیں جن میں تنبیہ کی گئی ہے لیکن ان کے بیان سے بات لمبی ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ دانیال پیغمبرؑ کے زمانے میں روٹی کی توہین کرنے اور اسے سرِ راہ گرا دینے کی وجہ سے آنحضرت نے بددعا کی جس سے ایسا کال پڑا کہ لوگ ایک دوسرے کو کھا جانے پر مجبور ہو گئے۔

وسائل میں روایت ہے کہ حضرت امام باقرؑ بیت الخلاء جانا چاہتے تھے۔ راستے میں کھائی ہوئی روٹی پڑی ہوئی تھی۔ آپؑ نے اٹھالی اور اپنے غلام کو دے کر فرمایا: "اسے احتیاط سے رکھ لے۔" واپسی پر آپؑ نے وہ روٹی کا ٹکڑا طلب کیا۔ غلام نے کہا: "وہ تو میں نے پاک کر کے کھالی۔" آپؑ نے فرمایا: "میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔" لوگوں نے کہا: "اس غلام نے ایسا تو کوئی کام نہیں کیا تھا جس سے یہ آزادی کا مستحق ہوتا۔" آپؑ نے فرمایا: "چونکہ اس نے روٹی کی نعمت کی عزت کی اور اسے کھا گیا۔ اس پر بہشت واجب ہو گئی۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ایسا شخص میرا غلام رہے جسے خدا نے جنتی بنا دیا ہو۔" ایسی ہی ایک روایت حضرت سید الشہداؑ سے نقل کی گئی ہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب طہارت باب ۳۹)

ایسی ہی بات قیمتی لباس کے پہننے کی ہے جو عزت رکھنے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام صادقؑ کی حدیث میں بیان ہوا کہ وہ قیمتی لباس جو حفظ آبرو اور

عزت و شرف کا ذریعہ ہوا سے ایسی گندی جگہ پر پہننا کہ جس کی وجہ سے وہ خراب ہو جائے یہ بھی اسراف ہے۔

نقصاندہ چیزیں کھانا بھی فضول خرچی ہے

دوسرے بدن کو نقصان پہنچانے والی کھانے پینے کی اشیاء پر پیسہ صرف کرنا ہے۔ مثلاً پیٹ بھرے پر کچھ کھانا جب کہ وہ نقصان دے۔ لیکن ایسی چیز پر پیسہ خرچ کرنا جو جسم کے لئے نفع بخش ہے فضول خرچی نہیں ہے۔

کافی میں ایک روایت ہے کہ امام صادقؑ کے ایک صحابی نے آپؑ سے پوچھا: "مکے کے سفر میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم احرام باندھنا اور نورہ لگانا چاہتے ہیں لیکن ساتھ میں آٹے کی بھوسی نہیں ہوتی جو نورے کے بعد جسم پر ملیں تو ہم بھوسی کے جائے آٹے سے صاف کر لیتے ہیں اور اس سے مجھے اس قدر کوفت ہوتی ہے کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" آپؑ نے فرمایا: "کیا تمہیں فضول خرچی کے اندیشے سے تکلیف ہوتی ہے۔" اس نے کہا: "ہاں۔" آپؑ نے فرمایا: "اس چیز سے جو جسم کے لئے مفید ہو فضول خرچی نہیں ہوتی۔ اکثر ہوا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ چھنا ہوا آٹا زیتون کے تیل میں ملا دیں اور میں جسم پر ملتا ہوں۔ دراصل فضول خرچی اس چیز پر ہوتی ہے جس سے پیسہ برباد ہوتا ہو اور وہ بدن کو نقصان پہنچائے۔" میں نے پوچھا: "کنجوسی جو فضول خرچی کی ضد ہے کیسی ہوتی ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "تم نمک سے روٹی کھاؤ جب کہ تم دوسری چیز کھانے کی استطاعت رکھتے ہو۔" میں نے پوچھا: "میانہ روی کسے کہتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "روٹی گوشت دودھ سرکہ اور گھی میں سے کبھی یہ اور کبھی وہ کھانا۔" (نکاح، وسائل فی النفقات باب ۲۶)

حرام چیزوں پر پیسہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے

تیسرے ایسی چیزوں پر پیسہ خرچ کرنا فضول خرچی ہے جو شرع کی رو سے حرام ہیں جیسے شراب اور جوئے کے آلات خریدنا، طوائف اور گانے والے کی اجرت، حاکموں کو رشوت دینا اور ایسی چیز پر پیسہ خرچ کرنا جس میں ظلم ملا ہوا ہو یا کسی مسلمان پر ظلم ہوتا ہو۔ ایسے معاملوں میں دو لحاظ سے حکم خدا کی مخالفت اور گناہ ہے ایک تو اصل عمل کا گناہ ہونا اور دوسرے ان پر پیسہ خرچ کرنے سے فضول خرچی ہونا۔

تفسیر عیاشی میں عبدالرحمن بن حجاج سے روایت ہے کہ حضرت امام صادقؑ سے آیت "لا تبذر تبذیرا" کے معنی پوچھے تو آپؑ نے فرمایا: "جو خدا کی عبادت کے علاوہ کسی اور جگہ خرچ کرتا ہے وہ فضول خرچ ہے اور جو نیک کام میں خرچ کرتا ہے وہ میانہ رو ہے۔"

کیا نیکی میں فضول خرچی ہوتی ہے

جو روایتیں اور آیتیں ایثار (قربانی) کی تعریف میں آئی ہیں ان میں سے کچھ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں پیسہ خرچ کرنا چاہئے چاہے پیسے والا اس حال میں ہو کہ خود اسے اس پیسے کی سخت ضرورت ہو اور چاہے اس پیسے کی مقدار اس کی پوری ملکیت کے برابر ہو فضول خرچی نہیں ہے۔ بلکہ پسندیدہ اور اچھی بات ہے جیسا کہ آیت بتاتی ہے: "انصار مہاجروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے ایثار کر رہے ہیں۔ (یعنی اپنے مال اور گھر اپنے آپ سے الگ کر کے ان کو دے رہے ہیں) اگرچہ وہ خود غریب ہیں اور اس مال کے محتاج ہیں اور جو کوئی اپنے آپ کو کنجوسی سے دور رکھے گا وہ نجات پائے گا۔" (سورۃ حشر آیت ۹)

ایثار یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے

کہ دوسرے کو بھی اس کی ضرورت ہے تو وہ اس چیز کو اپنے آپ سے الگ کر کے اسے دے دیتا ہے۔(۱)

سورۃ ھل اتی آیت ۸ میں آیا ہے کہ "وہ لوگ خدا کی محبت میں (یا وہ کھانا چاہنے کے باوجود) غریب، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔" اور تمام مفسرین نے ایک زبان ہو کر کہا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المؤمنینؑ، فاطمہؑ، حسن اور حسین علیہم السلام اور فضہ خادمہ کی شان میں آئی ہے جنھوں نے تین دن لگاتار روزے رکھے، پانی سے روزے کھولتے رہے اور اپنا کھانا خدا کی راہ میں دیتے رہے۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا: "کونسا صدقہ افضل ہے؟"

امام نے فرمایا: "جو خود خالی ہاتھ ہو اور محنت مشقت کر کے راہ خدا میں دیدے۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی "ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔"

۱۔ تفسیر منہج الصادقین میں اہلسنت کے راوی عاصم ابن کلیب سے منقول ہے کہ پیغمبرؐ کے پاس ایک غریب آیا اور اس نے غربت اور بھوک کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے اپنے حجروں میں کہلا کر بھیجا کہ کھانا بھجوا دیں۔ اطلاع آئی کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے اصحاب سے فرمایا: "کون ہے جو اس غریب کو کھانا کھلائے اور خوش کرے؟" امیر المؤمنینؑ نے عرض کیا: "یہ غریب آج کی رات کو میرا مہمان ہوگا۔" آپ اسے گھر لے گئے اور حضرت فاطمہؑ کو اس کا حال بتایا۔ فاطمہؑ نے فرمایا: "اے علیؑ! کھانا تو صرف ایک آدمی کا ہے اور وہ میں نے زینب کیلئے رکھا ہے، آپکو اختیار ہے۔" آپ نے فرمایا: "بہتر یہ ہے کہ بچی کو سلا دو اور چراغ بجھا دو کیونکہ تھوڑا کھانا مہمان کی نظر میں تحقیر کا باعث ہوگا۔" چنانچہ فاطمہؑ نے ایسا ہی کیا اور کھانا اس غریب کے پاس رکھدیا۔ وہ شخص کھانا کھا چکا اور بچ بھی گیا۔ وہ بولا: "میرا پیٹ بھر گیا، خدا نے تمہارے کھانے میں برکت دی۔" اور خوش خوش چلا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کھانا اتنا بچ رہا تھا کہ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ، زینبؑ، فضہؑ اور پڑوسیوں نے بھی پیٹ بھر کر کھایا۔ دوسری صبح کو رسول خداؐ نے پچھلی رات کے تمام واقعات کی اطلاع دی اور خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: "ویؤثرون علی انفسھم۔۔۔۔"

کتاب کافی میں روایت ہے کہ سماعہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا: "اگر کسی کے پاس ایک دن سے زیادہ کی خوراک نہ ہو، کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو جس کے پاس اس دن کی خوراک نہ ہو کچھ دے؟ اور جس کسی کے پاس ایک ماہ کی خوراک ہو، آیا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کو جس کے پاس ایک مہینے کی خوراک نہ ہو کچھ دے؟ اور اسی طرح ایک سال کی نسبت یا یہ کہ ان تمام مثالوں میں خوراک فقط اسی کے لئے کفایت کرتی ہے اس لئے اگر اس میں سے کچھ نہ دے تو اسے ملامت نہیں کیا جاسکتا؟"

امام صادقؑ نے فرمایا: "یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو نیکی کرے اور دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کرنے کی طرف مائل اور حریص ہو کیونکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے: "ویؤثرون علی انفسھم" اور دوسری یہ ہے کہ کسی کو بقدر کفایت خوراک رکھنے پر ملامت نہیں کیا جاسکتا اور دینے والے کا ہاتھ لینے والے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور ان سے انفاق کرنے میں ابتدا کرو جن کی معیشت کے تم ذمہ دار ہو۔"

امیر المؤمنینؑ سے روایت ہے کہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا ایمان کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ (درر الکلم)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "فضول خرچی میں کوئی خوبی نہیں ہے اور نیکی اور خدا کی راہ میں کوئی فضول خرچی نہیں ہوتی۔" (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۶۱۶)

ہر جگہ میانہ روی اختیار کرنا چاہئے

ان آیتوں اور روایتوں کے مقابلے میں ایسے آیتیں اور روایتیں بھی ہیں جو خرچ میں کفایت اور میانہ روی کا حکم دیتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت: "خرچنے میں زیادہ کنجوسی نہ

کر اس آدمی کی طرح جس کے ہاتھ گردن میں بندھے ہوں اور جو کچھ تیرے پاس ہے وہ سب بھی کسی کو مت دے اس شخص کی طرح جو اپنا ہاتھ کھول دے تو پھر اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہے (کیونکہ زیادہ روکنے سے عقلمند تجھے ملامت کریں گے اور زیادہ بخشنے سے تو رنجیدہ اور حیران ہوگا) اور پھر تجھے ملامت زدہ اور حسرتناک بیٹھنا پڑے۔" (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۹)

سورۃ فرقان میں بتایا گیا ہے: خدا کے بندے وہی لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ کنجوسی برتتے ہیں بلکہ میانہ روی سے خرچ کرتے ہیں۔ (آیت ۶۷)

ابن ابی عمیر کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام صادقؑ سے آیت "واتوا حقه یوم حصاده ولا تسرفوا انه لایحب المسرفین" کے معنی پوچھے تو آپؑ نے فرمایا: فلاں انصاری شخص کے پاس کاشت تھی۔ جب اس کی آمدنی آتی تھی سب کی سب غریبوں کو بانٹ دیتا تھا اور وہ اور اس کے بال بچے یوں ہی رہ جاتے تھے۔ خدا نے اسے فضول خرچ کہا اور فرمایا: "کاشت کا وہ حق جو خدا نے مقرر فرمادیا ہے ادا کرو لیکن فضول خرچی نہ کیا کرو کیونکہ خدا فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا۔"

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنا سب کا سب مال خدا کی راہ میں خرچ کرڈالتا ہے وہ فضول خرچ ہے۔" (فقیہ)

دونوں قسم کی آیتوں اور روایتوں کی مطابقت

ان دونوں قسم کی آیتوں اور روایتوں کی مطابقت اور ان کے درمیان اختلاف اور تضاد کو دور کرنے کے لئے علماء نے کچھ اسباب بیان کیے ہیں:

شرح کافی میں طبرسی سے منقول ہے کہ ممکن ہے یہ کہا جائے ایثار (قربانی) کی خوبی کی دلیلیں عام غریبی کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً اسلام کا ابتدائی زمانہ اور کفایت کی دلیلیں فراخی اور فراغت کے زمانے سے متعلق ہیں یا لینے والے کے مختلف حالات کے لحاظ سے ہیں یعنی بعض لینے والے اپنی بعض حیثیت اور حالت کی وجہ سے ایثار کے مستحق ہوتے ہیں اور کچھ اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ کفایت شعاری سے کام لیا جائے۔ اسی طرح دینے والوں کے لحاظ سے بھی عمل مختلف ہونا چاہئے یعنی جو لوگ یقین اور ایمان کامل کے درجے پر فائز ہیں اور جن کا نفس مطمئن ہے ان کے لئے ایثار کرنا مناسب ہے اور شایان شان ہے لیکن جو لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ جو ممکن ہے ایثار کے بعد پریشان اور بدحال ہو جائیں ان کو کفایت شعاری سے کام لینا مناسب ہے۔ صدیقین کے علاوہ عام مؤمنوں کا حال ایسا ہی ہے۔ آیت "ولا تجعل يدك . . . ." اگرچہ پیغمبرؐ کو خطاب کرتی ہے لیکن اس سے مؤمنوں کی تعلیم مراد ہے۔ (دارالسلام نوری جلد ۲ صفحہ ۱۲۹)

شہید اول سے منقول ہے کہ ایثار کی خوبی کی دلیلوں کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔ یعنی ایک شخص کو جس چیز کی خود ضرورت ہے وہ چیز دوسرے حاجت مند کو عطا کر دے اور کفایت شعاری کی دلیلیں اس شخص کے لئے ہیں جو عیال دار ہو، اسے اپنے بچوں پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دینا چاہئے یعنی جو چیز اپنے بچوں کی ضرورت کی ہے وہ کسی دوسرے مستحق کو نہ دے۔ غرض یہ ہے کہ ایثار اپنی ذات سے کرنا تو مناسب اور جائز ہے لیکن بچوں کی طرف سے ایثار کرنا جائز نہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی شخص کا اپنی تمام املاک اور مقبوضات کا صدقہ کرنا مکروہ ہے بجز اس صورت کے کہ اسے اپنی برداشت کا اطمینان ہو اور وہ عیالدار بھی نہ ہو۔ (دارالسلام

نوری جلد ۲ صفحہ ۱۴۹)

سید محمد کاظم یزدی مرحوم بھی فرماتے ہیں: "قرآن مجید، سنت رسول اور علماء کے اتفاق سے فضول خرچی کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور فضول خرچی سے مال کو کسی ایسے کام میں خرچ کرنا مراد ہے جو عقلمندوں کے نزدیک بیکار اور بے معنی ہو چاہے مال کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہو چاہے ضرورت کی حالت کے مطابق ہو۔ فضول خرچی نیک کاموں میں بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ان لوگوں کے مطابق جن کا علامہ نے کتاب میں ذکر کیا ہے کہ نیک کام میں بھی اس قدر پیسہ خرچ کرنا جو اس کی حالت کی اندازے سے بڑھ کر ہو فضول خرچی ہے۔ مشہور علماء کے مطابق جیسا کہ کتاب مسالک میں ہے نیکی میں کوئی فضول خرچی نہیں ہوتی جیسا کہ مشہور حدیث میں آیا ہے: "لاسرف فی الخیر کما لاخیر فی السرف" لیکن پہلا قول قرین احتیاط ہے جیسا کہ روایتوں کے جملے سے معلوم ہوتا ہے (اس کے بعد ابن ابی عمیر اور صحیحہ بزنطی کی روایت اور کچھ اور روایتیں بیان کرتے اور پھر فرماتے ہیں) یہ روایتیں اور آیتیں جو فضول خرچی سے روکتی ہیں ایثار کی آیت کو منسوخ کردیتی ہیں۔ آخر میں آپ فرماتے ہیں چنانچہ کچھ لوگوں کی طرف سے کچھ ایسے تحفے اور نذرانے دینے کو صحیح ماننا مشکل ہے جو ان کی حالت کے لائق نہیں ہیں اور عقلمند لوگوں کے نزدیک بھی حد سے بڑھے ہوئے اور بے فائدہ شمار ہوتے ہیں اور جن کے دینے میں دینے والے یا لینے والے کسی کے لحاظ سے بھی کوئی عاقلانہ غرض نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسرے اخراجات بھی جو اس مد میں کیے جائیں درست نہیں ہیں چاہے وہ بذات خود ہی مطلوب ہوں البتہ بعض روایات میں حج اور عمرہ کے اخراجات کو فضول خرچی سے خارج کردیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث ہے کہ خدا کے نزدیک

اس خرچ سے زیادہ پسندیدہ کوئی خرچ نہیں ہے جو میانہ روی سے کیا جائے اور وہ حج کے لئے کی جانے والی فضول خرچی کے سوا ہر فضول خرچی کو ناپسند کرتا ہے۔ (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۶۱۶۔ غایۃ القصوی جلد ۲ متفرق مسائل کے سلسلے میں)

نیکی میں کوئی فضول خرچی نہیں ہوتی

اس کتاب کے مؤلف کے نزدیک مشہور قول ہی سب سے زیادہ پختہ ہے اور نیک کام میں کوئی فضول خرچی نہیں مانی جاتی یعنی کوئی شخص ذاتی لالچ سے نہیں صرف خدا کی خاطر ایسے کام میں جس میں وہ سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے خدا خوش ہوگا جو چاہے دے دے فضول خرچی نہیں ہے چاہے اپنی تمام ملکیت دے ڈالے۔ جو آیتیں اور روایتیں فضول خرچی کو حرام اور کفایت شعاری کو لازم بتاتی ہیں وہ اس سے نہیں ٹکراتیں۔

چونکہ ان دلیلوں کا جواب دینا طول کلام کا موجب ہے اور طول کلام اس کتاب کا منشا نہیں ہے اور یہ منظور نہیں ہے کہ اس کتاب کو استدلال اور بحث و تمحیص کی صورت میں لکھا جائے جس سے سب کو فائدہ ہو سکے اس لئے مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ آیت "ولا تجعل یدك" لفظ "محسورا" کے لحاظ سے نرم ممانعت ہے نہ حرام بتانے والی ہے نہ اصطلاحی معنوں میں مکروہ بتانے والی ہے اور آیت "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا" سے امکان یہ ہے کہ خرچ سے مراد گھریلو خرچ ہو خدا کی راہ میں خرچ مراد نہ ہو اور فرض کر لیجئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید اس سے یہ مراد ہے کہ: "جو لوگ خرچ کرنے میں کنجوسی نہیں برتتے اور حد سے زیادہ بھی خرچ نہیں کرتے وہ رحمان کے بندے ہیں" یعنی ان کے نیک اور خدا کے اطاعت گزار بندے ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔

آیت "وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا" سے یہ امکان بھی ہے کہ جملہ "ولا تسرفوا ان اللہ لایحب المسرفین" مستقل جملہ ہو اور اس روایت کے قرینے سے جو اس کی تفسیر میں آئی ہے اپنے پہلے سے ربط رکھتا ہو۔ مراد یہ ہے کہ فصل پکنے پر سب کی سب دے ڈالیں اور اپنے بچوں کو محروم کر دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فضول خرچی ہے کیونکہ خرچ کرنا جائز اور بچوں کی کفالت کرنا واجب ہے اور جو شخص اسے محروم کر دے جس کا خرچہ اس پر واجب ہو اور جتنا پاس ہو سب دے ڈالے تو جانیے اس نے گناہ کیا اور خدا کو ناخوش کیا البتہ جب اسے یہ اطمینان ہو کہ وہ دوسرے طریقے سے ان کی روزی کا بندوبست کر سکتا ہے یا بچے ہی اس پر سے اپنا حق اٹھالیں تو پھر اس کا ایثار کرنا اور جو کچھ پاس ہو اسے خدا کی راہ میں دے ڈالنا صحیح ہے۔ اماموں کا عمل اسی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً امیر المؤمنینؑ بار بار ایثار فرماتے تھے اور جو کچھ ہوتا تھا دے ڈالتے تھے۔ آپ نے ایک باغ بارہ ہزار درہم میں بیچا جس کی پوری رقم غریبوں کو بانٹ دی اور اپنے بچوں کے لئے کچھ نہیں رکھا۔ غرض آپ اور دوسرے بزرگ کبھی اپنے کنبے کو محروم اور منتظر نہیں رکھتے تھے۔ جب بھی ایثار فرماتے تھے تو انہیں اس بات کا اطمینان ہوتا تھا کہ بچوں کی روزی دوسرے طریقے سے مہیا ہو جائے گی۔

جو کچھ ان آیتوں کے بارے میں بیان ہوا ہے اس کی مثال اس روایت میں بھی ہے جو رسول خداؐ سے ملی ہے اور جس میں آپؐ مذمت فرماتے ہیں کہ: "جو شخص اپنے مرنے سے پہلے اپنی تمام ملکیت خرچ کر گیا اور اپنے چھوٹے بچوں کو محروم اور مجبور چھوڑ گیا" یہ نہیں کہ پوری جائیداد کا خرچ کر ڈالنا برا ہے بلکہ اس موقع پر غلط ہے کیونکہ جس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور جو جانتا ہو کہ وہ اس کے مرنے کے

بعد مجبور اور پریشان ہوں گے اپنا مال ان کیلئے چھوڑ جانا بھی فی سبیل اللہ کام ہی ہے۔

یہ اسی کی مثال جو ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت سے منع کیا گیا ہے بلکہ حکم ہے کہ جن کے پاس زیادہ مال نہیں ہے اور وارث کمزور اور تنگ دست ہیں وہ تیسرے حصے سے کم وصیت کریں۔

غرض یہ ہے کہ یہ روایتیں اہم موقعے پر خرچ کرنا بتاتی ہیں خرچ سے بالکل منع نہیں کرتیں اور آیت کے معنی کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا اس سے ابن ابی عمیر کی روایت کا جواب ظاہر ہوتا ہے لیکن صحیحہ بزنطی کا جواب شاید یہ ہے کہ امامؑ جس موقعے پر زیادہ خرچ کرنے کو منع فرماتے ہیں اس موقعے پر اس سے زیادہ خرچ کا حق نہ رہا ہو اور فقیہ کی روایت میں ممکن ہے ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہو جو جائز خرچ کرتے ہیں جبکہ خرچ ترک کرنا واجب کر دیا ہے اور مسعدہ کی روایت کا بظاہر جواب یہ ہے کہ امامؑ نے صوفیہ کے ان اعتراضوں کے جواب میں ایثار کے واجب نہ ہونے کے متعلق بیانات دیے ہیں جو انہوں نے آپ پر ایثار کے واجب ہونے کے بارے میں کئے تھے اور یہ کہ عیال اور رشتے داروں کو دینا فی سبیل اللہ خرچ میں شامل ہے اور جملہ "لو کان نهى الله منه رحمة منه للمؤمنين" جو مذکورہ روایت میں آیا ہے یہ دونوں اس بات کے گواہ ہیں کہ جن آیتوں نے کفایت شعاری کا حکم دیا ہے اور حد سے زیادہ خرچ کرنے کو منع کیا ہے وہ سب کی سب شفقت اور رحم بھری ممانعت ہیں۔

یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایثار برا ہے جب کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کا عمل تھا اور جو آیتیں اہل بیتؑ کے ایثار کے متعلق نازل ہوئی ہیں جیسے سورۃ ھل اتی، آیت ایثار اور آیت نجویٰ وغیرہ وہ اس بات کی سب سے بڑی گواہ ہیں اور اماموں کے حالات سے متعلق روایتیں تو بہت سی ہیں مثلاً حضرت

مجتبیٰ نے تین بار اپنا آدھا آدھا مال غریبوں میں تقسیم کیا اور حضرت سید الشہداؑ اور باقی اماموں کی خیراتیں بھی مشہور ہیں۔ مثلاً حضرت امام رضاؑ نے عرفے کے دن خراسان میں اپنا تمام مال بخش کردیا۔ فضل بن سہل نے کہا بھی کہ آقا! آپ نے یہ کتنا بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ آپ نے فرمایا: "بلکہ یہ غنیمت تھا جو میرے حصے میں آگیا تھا۔"

ایک نوروز کو جب آپ مامون کی خواہش پر تخت پر بیٹھے اور آپ کے پاس بہت سا مال اور تحفے اور نذرانے جمع ہوگئے تھے آپ نے سب اس ایک مداح کو عطا فرما دیئے جس نے اہلبیتؑ کی تعریف میں اشعار پڑھے تھے۔

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ اگر پوری دنیا میری ملکیت بن جائے اور ایک لقمے کے برابر ہو جائے اور میں اسے کسی ایک مؤمن کے منہ میں رکھ دوں پھر بھی اپنے آپ کو فضول خرچ نہیں سمجھوں گا۔

حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ اگر دنیا اور جو کچھ اس میں ہے لقمہ ہو جائے اور اسے میں ایماندار عالم کو دے دوں تب بھی مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر پاؤں گا اور اگر کسی بدکار احمق کو اس کی پیاس میں ایک گھونٹ پانی کے سوا دنیا کی اور کوئی چیز بھی نہ دوں تب بھی مجھے یہ اندیشہ رہے گا کہ میں نے فضول خرچی کی ہے۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمام دنیا ایک نوالہ بن جائے اور میں اسے دے دوں جو خدا کی خالص عبادت کرتا ہے تو بھی میں سمجھوں گا کہ میں نے اس کے حق میں کوتاہی کی ہے اور کافر کو بھوک سے مرتے وقت ایک گھونٹ پانی کے سوا دنیا کی کوئی چیز بھی نہ دوں پھر بھی میں اپنے آپ کو فضول خرچ سمجھوں گا۔ (سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۲۰۸)

دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک عقلمند اور باخلاص مؤمن کو پوری دنیا بھی بخش دیں تو کوئی فضول خرچی نہیں ہوگی کیونکہ وہ مناسب حال اور باموقع ہے اور اگر کافر کو پانی کا صرف ایک گھونٹ بھی دیا جائے تو فضول خرچی کا اندیشہ رہے گا کیونکہ اس پر احسان کرنا نامناسب اور بے محل ہے۔

بہت سے بزرگ علماء کے ایثار کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں سے بعض نے تو دنیا میں اس کے بڑے نتائج بھی دیکھے ہیں مثلاً محقق اردبیلی کے متعلق کتاب روضات الجنات میں لکھا ہے: اناج کے کال اور مہنگائی کے سال میں ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا غریبوں کو بانٹ دیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو انہیں کے درجے پر لے آتے تھے۔ ایک سال جب وہ اپنا سب کچھ دے بیٹھے تو ان کی بیوی ناخوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ اس قحط سالی میں آپ نے اپنی اولاد کو فقیر بنادیا۔ اس پر وہ مرحوم گھر سے نکل گئے اور مسجد کوفہ میں اعتکاف کے لئے جا بیٹھے۔ دوسرے دن ایک شخص مرحوم کے گھر پہنچا۔ اس نے نہایت عمدہ قسم کے گیہوں کی کچھ بوریاں اور بہترین آٹے کی چند بوریاں گھر والوں کے حوالے کیں اور کہا کہ یہ جناب اردبیلی نے بھیجی ہیں اور وہ خود مسجد کوفہ میں اعتکاف میں ہیں اور جب وہ مرحوم اپنے اعتکاف کے بعد گھر آئے تو ان کی بیوی نے کہا: "آپ نے جو گیہوں اور آٹا بھیجا تھا بہت اچھا تھا۔" جب محقق اردبیلی کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو سمجھے کہ یہ خدا کی خاص مہربانی تھی۔ شکر کا سجدہ کر کے اللہ کی تعریف کی۔ یہ کئی مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے سر پر کوئی بڑی قیمتی پگڑی ہوتی تھی اور راہ میں کوئی سوالی مل جاتا تھا تو آپ اس میں سے ٹکڑا پھاڑ کر اسے دے دیتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ننگے سر ہی گھر چلے جاتے تھے۔

غرض خدا کی راہ میں جو بھی انفاق (دینا) ہو اور جتنا بھی ہو ظاہر ہے اور اس

میں فضول خرچی نہیں ہے بجز اس صورت کے جب کہ بخشش ترک کرنا واجب ہو یا کوئی خاص معاملہ درمیان میں ہو یا جس کو عطا کیا جارہا ہو اسے اتنی مقدار کا حق نہ ہو جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

عقیدے اور عمل میں اسراف (فضول خرچی)

اب تک جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ مال کی فضول خرچی کے متعلق تھا۔ چونکہ لغت میں فضول خرچی کے معنی حد سے بڑھ جانا اور دور نکل جانا ہیں اس لئے یہی معنی اعتقادی معاملات اور تمام انسانی اعمال اور کاموں میں مراد ہیں۔

عقیدے میں فضول خرچی یہ ہے کہ اپنے اور دوسرے کے بارے میں اس بات کا اعتقاد کرلے جو جھوٹ ہے اور مناسب نہیں ہے مثلاً فرعون کا اعتقاد اپنے خدا ہونے کے متعلق جیسا کہ اس نے کہا تھا: "میں اپنے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں جانتا۔" (سورۂ قصص آیت ۳۸) اور خدا نے اسے حد سے بڑھ جانے والا کہا جیسا کہ فرماتا ہے: "فرعون زمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور وہ یقیناً زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔" (سورۂ یونس آیت ۸۳)

یا جو بات تصدیق کرنے اور ماننے کے لائق ہے اس کا یقین نہ کریں مثلاً خدا، پیغمبروں کی نبوت، اماموں کی امامت اور قیامت وغیرہ پر اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے: "اور جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیں گے اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت سخت اور بہت دیرپا ہے۔" (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۷)

کاموں میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ جو مناسب نہ ہو وہ کرے یا جو مناسب ہے اسے چھوڑ دے جیسا کہ لوط کی قوم کو جس نے بدفعلی کا برا کام کیا خدا نے زیادتی

کرنے والا کہا اور فرمایا: "تم یقیناً حد سے بڑھ جانے والی قوم ہو۔" (سورۂ اعراف ۸۱) کیونکہ تم بیج کو ناقابل زراعت زمین میں بکھیر رہے ہو۔

بلکہ قول یا عمل کا جو گناہ انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ زیادتی ہے اور ہر گناہگار حد سے بڑھ جانے والا ہے جیسا کہ خدا سورۂ زمر آیت ۵۳ میں فرماتا ہے: "کہہ دے کہ اے میرے بندو! تم نے اپنے نفسوں کے خلاف بہت زیادہ گناہ کرکے زیادتی کی ہے (یعنی زیادہ بڑھ گئے اور گناہ کی حد کو پار کر گئے ہو۔) خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔ یعنی وہ خدا کی طرف رجوع کریں تاکہ خدا ان پر رحمت نازل کرکے انہیں بخش دے۔

مناسب یہ ہے کہ مؤمنین اچھے کاموں کی بھی کوشش کریں تاکہ حد سے تجاوز نہ کرپائیں۔ مثلاً سونے، جاگنے، بولنے اور کھانے میں حد سے تجاوز جیسا کہ حدیث میں ہے کہ خدا زیادہ کھانے اور زیادہ سونے والے کو پسند نہیں کرتا۔

کلیے کے طور پر لوگ جس کام میں بھی مشغول ہوں حد سے تجاوز نہ کریں اور اس بات کی شرح اور تفصیل جاننے کے لئے کتاب معراج السعادہ، حلیۃ المتقین، سراج الشیعہ وغیرہ کی طرف رجوع کریں جو پاک شریعت کی رو سے زندگی اور معاشرت کے آداب کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔

٧

غرور کرنا

تینتیسواں گناہ کبیرہ جو نص سے ثابت ہے غرور ہے اور شیخ انصاری نے بھی مکاسب میں مذکورہ روایت کو معتبر بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند کا اعتبار صحیحہ سے کم نہیں ہے اور اعمش کی روایت میں بھی حضرت امام صادقؑ نے اسے گناہ کبیرہ شمار کیا ہے: "واستعمال التکبر والتجبر" اور یہ ایسا گناہ بھی ہے جس کے لئے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سورۂ زمر میں کہا گیا ہے: "کیا مغروروں کے آرام کرنے کی جگہ دوزخ نہیں ہے۔" (آیت ۶۰) یعنی اس میں شک نہیں کہ ان کی جگہ دوزخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے: "دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ رہو۔ مغروروں کی جگہ دوزخ بری جگہ ہے۔" (سورۂ زمر آیت ۷۲) سورۂ مؤمن میں کہا گیا ہے: "خدا ہر اس نافرمان مغرور کے دل پر ایسی ہی مہر لگا دیتا ہے جو اپنے آپ کو دوسرے سے اونچا سمجھتا ہے تاکہ وہ اس مہر اور علامت سے پہچانا جائے۔" (آیت ۳۵) غرور کے مضامین سے متعلق آیتیں بہت سی ہیں اور ان آیتوں کا بیان بھی کافی ہے جو شیطان کے غرور کرنے کے بارے میں آئی ہیں کہ وہ اپنے اس عمل سے لعنتی اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار ہو گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں خدا فرماتا ہے: "شیطان نے آدم کو سجدہ نہیں کیا، غرور کیا اور کافر ہو گیا۔" (آیت ۳۴)

حضرت امیر المؤمنینؑ ایک خطبے میں فرماتے ہیں: "شیطان کے متعلق خدا کی طرف سے جو کچھ ہوا اس سے نصیحت حاصل کرو جس وقت اس کی عبادت کا طویل عمل اور بے حد و بے حساب کوشش اور محنت بیکار ہو گئی حالانکہ اس نے خدا کی چھ ہزار سال تک عبادت کی تھی اور یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ سال دنیاوی تھے یا آخرت کے

(جس کا ہر دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے) اور صرف ایک گھڑی کے غرور کے باعث جو اس نے آدم کو دکھایا تھا۔ تو پھر ابلیس کے بعد کون ہے جو خدا کے عذاب سے بچ جائے جبکہ اس نے شیطان کی ہی طرح خدا کی نافرمانی اور گناہ کا اقدام کیا ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا نے جس بات پر ایک کو جنت سے نکال دیا اسی گناہ پر انسان کو بہشت میں داخل کرے۔ درحقیقت آسمان اور زمین والوں کے لئے خدا کا حکم ایک سا ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس بات کو جائز قرار دے دے جو اس سے مخصوص ہے اور جسے اس نے تمام دنیا والوں کے لئے حرام کر دیا ہے (یعنی غرور اور بڑکپن) چند لفظوں کے بعد فرمایا ہے: "قابیل کی طرح نہ ہو جس نے اپنے بھائی ہابیل پر غرور کیا حالانکہ خدا نے اس (ہابیل) پر اسے کوئی فضیلت عطا نہیں کی تھی۔ صرف اپنے آپ کو بڑا جان کر ہی اس میں وہ دشمنی پیدا ہو گئی جو حسد سے جنم لیتی ہے اس کے دل میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور شیطان نے اس کے دماغ میں غرور کی ایسی ہوا بھر دی جس نے اسے ہمیشہ کی شرمندگی میں مبتلا کر دیا اور قیامت تک تمام قاتلوں کے گناہ کا بوجھ اس کے سر پڑ گیا۔" (نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ ۱۹۱) مختصر یہ ہے کہ قابیل اس غرور کی وجہ سے جو اس نے اپنے بھائی سے کیا ہمیشہ کی بدبختی اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو گیا۔

چند جملوں کے بعد آپ پھر فرماتے ہیں: "تم سے پہلے غرور کرنے والی امتوں پر جو کچھ بیتی اس سے سبق لو۔ خدا کی ناخوشی، بدلے، سختیوں اور سزاؤں سے نصیحت حاصل کرو، قبروں میں جہاں ان کے سر اور جسم پڑے ہیں ان سے عبرت لو اور غرور پیدا کرنے والے اسباب سے خدا کی پناہ مانگو جس طرح دنیا کے اور حادثات سے اس کی پناہ مانگتے ہو۔"

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: خدا تین قسم کے لوگوں سے قیامت میں بات نہیں کرے گا (یعنی ان پر خدا کا غضب نازل ہو گا) ان پر رحم نہیں کرے گا اور ان پر اذیت ناک عذاب ہو گا۔ زنا کرنے والا بوڑھا، ظلم کرنے والا حاکم، غرور کرنے والا غریب اور مفلس۔ یعنی ان تینوں کا عذاب زنا کرنے والے جوان سے، اس ظالم شخص سے جو حاکم نہ ہو اور اس مغرور شخص سے جو مفلس نہ ہو زیادہ ہو گا اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ مذکورہ تینوں طبقوں میں گناہ کی تحریک موجود نہیں ہے۔ بوڑھے میں شہوت کی وہ بھڑک نہیں ہوتی جو جوانی کے دنوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ زنا کرے گا تو معلوم ہو گا کہ بہت بے حیا ہے اور خدا کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اسی لئے بہت سے گناہوں کے سلسلے میں بوڑھوں کی سزا جوانوں سے زیادہ ہے اور حاکم کو جو اختیار اور غلبہ خدا نے دیا ہے وہ عدل کرنے کے لئے دیا ہے۔ اگر ظلم کرتا ہے تو گناہ کرنے کے علاوہ خدا کی نعمت کو بھی جھٹلاتا ہے اور اس طرح دراصل اپنی بندگی سے انکار کرتا ہے اور مغرور فقیر جب مال جو بڑائی جتانے کا ایک سبب ہوتا ہے وہی کسی کے پاس نہ ہو اور پھر بھی وہ اکڑ دکھائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ خبیث اور خدا کا دشمن ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام صادقؑ سے پوچھا: "کم سے کم الحاد یعنی خدا سے روگردانی کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "کم سے کم الحاد غرور ہے۔" (کافی)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "بڑائی اور غرور خدا کے دو مخصوص لباس ہیں (یعنی جس طرح کسی کو بادشاہ کا مخصوص لباس پہننے کا حق نہیں ہوتا اسی طرح خدا کی مخصوص صفت میں بھی کسی بندے کو شرکت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے)۔ چنانچہ جو کوئی ان دو صفات میں شرکت کی جرأت کرتا ہے خداوند عالم اسے دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیتا ہے۔" (کافی)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ غرور اور بڑائی خدا کا مخصوص لباس سا ہے اب جو کوئی غرور کرتا ہے وہ خدا کی مخصوص صفت کے متعلق اس سے جھگڑتا ہے کیونکہ مغرور شخص غرور کرتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور ہر چیز خدا کی طرف سے ہے یعنی ہر چیز خدا نے پیدا کی ہے یا پیدا کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیتا ہے اور فرعون کی طرح کہنے لگتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور اونچا ہوں۔ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں۔ اس طرح خدا کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ انسان خدا کی جو صفت چاہے حاصل کر سکتا ہے جیسے عفو، رحم، جود، احسان، کرم، حلم، علم، محبت، رافت بلکہ ان صفات میں جتنی شدت حاصل کرلے گا خدا سے اتنا ہی قریب پہنچ جائے گا لیکن عزت و عظمت اور کبریائی خدا کی مخصوص صفات ہیں اور کوئی بندہ اپنے آپ کو ان دو صفات سے آراستہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے: "بزرگی اور بزرگواری زمین اور آسمانوں میں صرف خدا کے لئے ہے۔" (سورۃ جاثیہ آیت ۳۷)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں مغروروں کے لئے مخصوص ایک گڑھا ہے جسے سقر کہتے ہیں اس نے خدا سے اپنی گرمی کی شدت کی شکایت کی اور ایک سانس لینے کی اجازت چاہی چنانچہ اس نے جو سانس لی تو دوزخ کو جلا دیا (کافی)۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ دراصل مغرور لوگ میدان حشر میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں آئیں گے اور جب تک خدا دنیا والوں کے حساب کتاب سے فارغ ہوگا لوگ انہیں پیروں تلے روندتے رہیں گے۔ (کافی)

علامہ مجلسیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث سے ایسا لگتا ہے کہ ممکن ہے انسان قیامت کے دن اپنے دنیاوی ڈھانچے سے بھی چھوٹا

ہو باوجودیکہ اس کے تمام اجزا ان میں سے کچھ اصلی ہوں گے اور اس کے بعد ان پر دوسرے اجزا کا اضافہ ہوگا اور وہ زیادہ سخت ہو جائیں گے کیونکہ یہ بعید ہے کہ اس کے اعضاء اس حد تک کوٹے کچلے جائیں۔ ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ بڑائی کی نشانی کے باوجود ایسے حقیر جسم سے حشر میں اٹھیں گے یا چیونٹی کی جسامت سے ان کی ذلت اور حقارت کا بیان کرنا مراد ہو یعنی جس صورت میں بھی ہوں گے حشر میں لوگ انہیں روندیں گے۔

غرور اور اس کی قسمیں

غرور وہ حالت ہے جو انسان میں خود بینی سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود کو دوسرے یا دوسروں سے اونچا اور بڑا سمجھتا ہے۔ اس حالت کو اپنے قول و عمل سے دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے کو غرور کہتے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ خدا کے مقابلے میں غرور، پیغمبر اور امام کے مقابلے میں غرور اور لوگوں کے مقابلے میں غرور۔

خدا کے مقابلے میں غرور کی کئی قسمیں ہوتی ہیں کبھی جاہل اور مغرور انسان کو ایسا اچھا موقع ہاتھ لگ جاتا ہے کہ وہ اس حالت میں اپنے آپ کو خود مختار اور مضبوط سمجھ کر اپنی حیثیت کو اپنی ہی کوشش کا نتیجہ سمجھ بیٹھتا ہے، اپنے آپ کو خدا کی مخلوق و ماتحت ماننے کو تیار نہیں ہوتا اور اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کرتا اور زبان سے کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا ہے اور میں یہ کروں گا۔ اپنی تھوڑی سی ظاہری قوت اور مال و منصب کے نشے میں خدا کی خدائی اور خالق کی ربوبیت کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور اس کے پورے دل پر کفر کی سیاہی چھا جاتی ہے۔

سورۂ مؤمن آیت ۵۶ میں بتایا گیا ہے: "ان کے سینوں میں غرور اور سرکشی ہے جس کے باعث وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔" (یعنی اس کی وجہ سے نہ دنیا میں

اور نہ آخرت میں وہ بوئے بن سکیں گے اور نہ حق پر غالب آسکیں گے) ایک اور مقام پر کہا گیا ہے: "جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہو گئے ہیں اور وہ مغرور ہیں۔" (سورۂ نحل آیت ۲۲)

کبھی یہ غرور زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور دوسروں کے بارے میں بھی ربوبیت اور خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہنے لگتا ہے۔ میں فلاں گروہ کا انتظام کر رہا ہوں اور وہ لوگ میری تربیت اور قبضے میں ہیں جیسا کہ نادان فرعون کہا کرتا تھا کہ میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں (سورۂ نازعات آیت ۲۴) اور اپنے دعوئی کی یہ دلیل دیتا تھا: "کیا ملک مصر پر میری سلطنت اور میرا قبضہ نہیں ہے اور کیا اس ملک کی تمام چیزیں جن میں میرے محلوں کے نیچے بہنے والی ندیاں بھی شامل ہیں میری ملکیت نہیں ہیں؟" (سورۂ زخرف آیت ۵۱) اور کبھی کہتا تھا: "میں اپنے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں پاتا۔" (سورۂ قصص آیت ۳۸)

اور بدبخت نمرود کی طرح جو موت اور زندگی کو بھی اپنے قبضے میں سمجھتا تھا کہتا تھا: "میں ہی جلاتا ہوں اور میں ہی مارتا ہوں۔" (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۸) اور اس کی دلیل یہ تھی کہ دو مجرموں کو قید خانے سے نکلوایا اور ایک کو مروا دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔

کبھی انسان اپنی نادانی اور غرور کے سبب سے بھی خدا کے حکم اور ممانعت کی تعمیل نہیں کرتا باوجودیکہ وہ خدا کے وجود سے انکار نہیں کرتا جیسا کہ سورہ نساء میں آیا ہے: "نہ تو مسیح ہی کو خدا کا بندہ ہونے سے عار ہے اور نہ خدا کے مقرب فرشتوں کو اور جو شخص اس کی بندگی سے عار رکھے گا اور شیخی اور غرور کرے گا خدا عنقریب ان سب کو اپنی طرف بلائے گا پھر جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے اور اچھے کام کئے

ہیں انہیں ان کا ثواب پورا پورا دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ ہی دے گا اور جو لوگ اس کا بندہ ہونے میں عار سمجھتے تھے اور غرور کرتے تھے انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔" (سورۃ نساء آیت ۱۷۲ و ۱۷۳)

دراصل غرور اور شیخی کے باعث عبادت اور فرماں برداری نہ کرنا کفر اور خدا کی خدائی سے انکار ہے جبھی تو اسے تعریف اور عبادت کے لائق نہیں سمجھتا کیونکہ جس کسی نے اپنے آپ کو بندہ اور خدا کو معبود سمجھ لیا اور خود کو اور تمام موجودات کو خدا کی مخلوق اور پروردہ جانا ناممکن ہے کہ وہ خدا کے مقابلے میں اکڑ سکے اور اگر کسی ایسے شخص سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے اور وہ خدا کے حکم کے خلاف کر جاتا ہے تو یہ اس کی غفلت، جذباتی شدت اور ذاتی لالچ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس نے خدا کی خدائی سے انکار اور اس کے مقابلے میں غرور کیا جیسا کہ حضرت سجادؑ دعائے ابو حمزہ میں عرض کرتے ہیں: "اے خدا! میں نے جس وقت گناہ کیا تھا میں تیری خدائی سے ہرگز انکاری نہیں تھا، میں نے تیرے حکم کو حقیر اور چھوٹا نہیں سمجھا تھا، تو نے جو عذاب کا وعدہ کیا تھا اسے میں نے معمولی نہیں جانا تھا اور غرور کے باعث تیرے قہر کو دعوت نہیں دی تھی۔ بس ایک گناہ تھا جو میں کر بیٹھا، میرے نفس نے مجھ پر قابو پا لیا اور مجھے دھوکا دیا اور خواہش مجھ پر غالب آگئی۔" (دعائے ابو حمزہ ثمالی)

جو گناہ غرور کے باعث کیا جاتا ہے وہ قابل معافی نہیں ہوتا کیونکہ کفر کا گواہ اس کا مالک یعنی خود کافر ہوتا ہے۔ اسی لئے ابلیس کا کفر واضح ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے خدا کا حکم جو آدمؑ کو سجدہ کرنے کے لئے تھا، غرور کی وجہ سے نہیں مانا اور کہا: "اس انسان کو جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے میں ہرگز سجدہ نہیں کروں گا۔" (سورۃ

حجرات آیت ۳۴) اور خدا نے اس کے جواب میں فرمایا: "یہاں سے نیچے اتر جا کیونکہ تیری یہ مجال نہیں کہ تو یہاں رہ کر غرور کرے، یہاں سے نکل جا، دراصل تو ذلیل لوگوں میں سے ہے۔" (سورۃ اعراف آیت ۱۳) اور یہ بھی فرماتا ہے: "شیطان نے حکم الٰہی کے ماننے سے انکار کر دیا اور غرور میں آگیا اور کافر ہو گیا۔" (سورۃ بقرہ آیت ۳۴)

غرور کی وجہ سے دعا نہ مانگنا بھی کفر ہے

چنانچہ خدا سے دعا نہ مانگنا اور اس کی عبادت نہ کرنا اگر غرور کی وجہ سے ہو یعنی اپنے آپ کو خدا کا محتاج نہ سمجھتا ہو کفر اور جہنم میں جانے کا موجب ہے۔ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: "اور تمہارے پالنے والے نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم واصل ہوں گے۔" (سورۃ مؤمن آیت ۶۰)

تفسیر کاشفی میں لکھا ہے کہ دعا سے سوال مراد ہے یعنی تم مجھ سے مانگو میرا خزانہ بھرا ہوا ہے اور میرا کرم تمہاری خواہشیں پوری کرنے والا ہے۔ کونسا مانگنے والا تھا جس نے مجھ سے حاجت طلب کی اور میں نے پوری نہیں کی اور کس محتاج نے مانگنے کے لئے زبان کھولی اور میں نے اس کی درخواست پر منظوری کی مہر نہیں لگائی۔

بر آستانِ ارادت کہ سر نہاد شبی
کہ لطف دوست بروی دریچہ ای نگشود
کس نے عقیدت کی چوکھٹ پر رات کو سر رکھا
جس کے سامنے دوست کی مہربانی نے دروازہ نہیں کھولا

چونکہ دعا یعنی پیدا کرنے والے سے عاجزی کے ساتھ اپنی حاجت طلب

کرنا ہی اس کی عبادت اور بندگی ہے لہذا جو کوئی غرور کے باعث دعا نہیں کرتا یعنی اپنے آپ کو اس کا محتاج نہیں سمجھتا وہ خدا کو عبادت کے لائق نہیں جانتا اور یہ خالص کفر اور جہنم واصل ہونے کا سبب ہے۔

حضرت امام سجادؑ عرض کرتے ہیں: "اے پروردگار! تو نے سوال کرنے کو اپنی عبادت کا نام دیا ہے (کیونکہ ظاہری عبادت کرنا خدا کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی ہے اور اس عبادت کی بہترین قسم خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنا ہے) اور عبادت نہ کرنے کو تو نے غرور کہا ہے (کیونکہ خدا سے سوال نہ کرنا خدا سے اپنی بے پروائی ظاہر کرنا اور اس بات سے انکار کرنا ہے کہ جو کچھ اس کی طرف سے ہے اور ہر مشکل کا حل اس کے اختیار میں ہے)۔ (دعائے ۴۵ صحیفہ سجادیہ) آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "تیرے نزدیک سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو غرور نہ کرے، باربار گناہ کرنے سے بچے اور ہمیشہ بخشش اور معافی مانگتا رہے اور میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں غرور کروں اور تجھ سے دعا نہ مانگوں۔" (دعائے ۱۲ صحیفہ سجادیہ)

خدا کی محترم قرار دی ہوئی چیزوں کے بارے میں غرور

خدا سے اکڑنے کی ایک قسم ان باتوں اور چیزوں کے مقابلے میں غرور کرنا ہے جو خدا سے تعلق رکھتی ہیں اور خدا کی محترم قرار دی ہوئی ہیں۔ مثلاً خدا کے احکام اور اس کی ممانعتیں، مثلاً محترم مہینے خصوصاً رمضان کا مبارک مہینہ، مثلاً محترم کعبہ اور متبرک مزارات بلکہ عام مسجدیں کیونکہ خدا نے قرآن مجید میں مسجدوں کو پورے طور پر اپنے آپ سے منسوب کیا ہے (سورۃ جن آیت ۱۸) اس لئے ان میں سے کسی کے مقابلے پر غرور یا شیخی ان کی توہین کا سبب ہو تو بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور وہ یقیناً خدا سے غرور کے برابر ہے۔

سورۂ مائدہ میں کہا گیا ہے: "اے ایمان لانے والو! خدا کے شعائر کی عزت اور احترام نہ کرنے کو حلال نہ جانو۔" (آیت ۲) یعنی جو باتیں خدا سے منسوب ہیں اور اس کی نشانیاں ہیں ان کا احترام کرو۔

غرور دنیا اور آخرت میں ذلیل کرتا ہے

اللہ کی محترم چیزوں کے مقابلے میں غرور کی تمام قسمیں دنیا اور آخرت میں اسی طرح ذلت و خواری کا سبب ہیں جس طرح عاجزی اور فروتنی دنیا اور آخرت میں عزت اور احترام بڑھاتی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو خدا کے سامنے جھکتا ہے خدا اسے بلند کرتا ہے اور جو غرور کرتا ہے خدا اسے نیچا دکھاتا ہے۔" (بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۱۵۰)

عاجزی تجھے سربلند کرتی ہے اور غرور تجھے خاک میں ملا دیتا ہے

شرح صحیفہ میں عمر بن شیبہ سے نقل ہے کہ میں مکہ معظمہ میں صفا اور مروہ کے بیچ میں تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ پر سوار ہے اور اس کے غلام لوگوں کو اس کے پاس سے ہٹاتے اور روکتے تھے۔ کچھ دن کے بعد میں بغداد میں داخل ہوا تو میں نے ایک پژمردہ آدمی کو ننگے پاؤں اور لمبے لمبے الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ دیکھا۔ میں اس کی طرف تکتا رہا۔ وہ کہنے لگا: "مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہا ہے؟" میں نے کہا: "میں تجھے ایک مغرور شخص سے ملتا جلتا پاتا ہوں جو صفا اور مروہ کے درمیان غرور سے دوڑ رہا تھا اور اکڑفوں دکھا رہا تھا۔" اس نے کہا: "میں وہی شخص ہوں۔" میں نے پوچھا: "کیا ہوا جو تجھ پر یہ افتاد پڑی؟" وہ بولا: "جہاں سب لوگ جھکتے ہیں وہاں میں اکڑا رہا اس لئے خدا نے مجھے اس جگہ نیچا کر دیا جہاں سب لوگ اونچے اڑتے ہیں۔" (یعنی بغداد میں)

پیغمبر اور امام کے سامنے غرور

پیغمبر اور امام کے سامنے غرور یہ ہے کہ اپنے آپ کو ان کے برابر یا ان سے اونچا سمجھے اور ان کے سامنے جھکنے اور ان کی اطاعت اور فرماں برداری کو تیار نہ ہو جس طرح فرعون والے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے لئے اکڑ اکڑ کر کہتے تھے: "کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لائیں جو ہم جیسے ہی ہیں اور ہم پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے۔" (سورۂ مؤمنون آیت ۴۷) اور جس طرح دوسرے لوگ جو پیغمبروں سے کہتے تھے: "تم لوگ ہماری ہی طرح کے انسان ہو اور ہم پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے۔" (سورۂ ابراہیمؑ آیت ۱۰) یا کہتے تھے: "ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے (یعنی چونکہ ہم پیغمبر سے اونچے ہیں ہم پر فرشتہ اترنا چاہئے) یا "ہم اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے واقعی اپنے جی میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بڑی سرکشی کی ہے۔" (سورۂ فرقان آیت ۲۱)

خدا نے حضرت نوحؑ کا یہ قول دہرایا ہے: "اے پروردگار! جب میں نے انہیں بلایا کہ یہ توبہ کرلیں اور تو انہیں معاف کردے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور مجھ سے چھپنے کو کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور بہت شدت سے اکڑ بیٹھے۔" (سورۂ نوح آیت ۷)

اور حضرت محمدؐ کے مقابلے میں قریش کے غرور کی مانند جو کہتے تھے کہ یہ تو ایک یتیم جوان ہے اور چونکہ اس کے پاس مال و جاہ نہیں ہے اس لئے یہ پیغمبری کے لائق نہیں ہے۔ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کیوں نہیں ہوا جو (ولید بن مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی کی طرح) ظاہری شان و شوکت رکھتا تھا تاکہ ہم اس کی پیروی کرتے۔ (سورۂ زخرف آیت ۳۱)

دراصل پیغمبر اور امام سے اکڑنا خدا سے اکڑنا ہے اسی طرح پیغمبر اور امام کے نمائندوں سے اکڑنا اور انکی اطاعت نہ کرنا انکی نمائندگی کے لحاظ سے پیغمبر اور امام بلکہ خدا کے سامنے اکڑنا ہے۔ اسی لحاظ سے دنیا کے علما اور بزرگ فقیہوں سے جو اس زمانے میں حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے عام نائب اور نمائندے ہیں اگر کسی نے غرور کیا (احکام ماننے میں) یا ان کی توہین کی اور انہوں نے جو خدائی احکام بیان فرمائے انکی تعمیل نہیں کی اور اپنی حرکات و سکنات اور قول سے یہ ظاہر کیا کہ تم کون ہو جو ہم تمہاری پیروی کریں تو یقیناً اس نے پیغمبر اور امام کے سامنے غرور کیا اور یہ بات حضرت امام صادقؑ کے قول کے مطابق خدا کے ساتھ شرک کی حد میں آجاتی ہے۔

کسی عالم سے اکڑنا پیغمبرؐ سے اکڑنا ہے

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ کسی عالم کو کبھی نہ جھٹلاؤ، اس کی بات نہ کاٹو، اس سے دشمنی نہ کرو اور اس کو دوست رکھو کیونکہ علماء کی دوستی مجھ سے خالص محبت کی نشانی ہے اور ان کی دشمنی مجھ سے نفاق کی علامت ہے۔ جان لو کہ جو عالم کو ذلیل کرتا ہے وہ مجھے ذلیل کرتا ہے اور جو مجھے ذلیل کرتا ہے وہ گویا خدا کو ذلیل کرتا ہے اور جو خدا کو ذلیل کرتا ہے اس کی جگہ جہنم ہے۔ جان لو کہ جو عالم کی عزت کرتا ہے وہ میری عزت کرتا ہے اور جو میری عزت کرتا ہے وہ خدا کی عزت کرتا ہے اور جو خدا کی عزت کرتا ہے وہ بہشت میں جائے گا۔ (لئالی اخبار)

وہ مغرور لوگ جو جہنم میں ہیں

آگاہ رہو کہ جو آیتیں اور روایتیں مغروروں کے جہنم میں ہمیشہ رہنے پر دلالت کرتی ہیں ان سے مراد غرور کے دو درجے ہیں یعنی خدا سے غرور اور پیغمبرؐ اور امام سے غرور کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا غرور کے یہ دونوں مراتب خدا سے انکار اور اس

کی خدائی پر ایمان نہ لانے سے متعلق ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کوئی ایمان کے بغیر مر جائے گا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

شہید کتاب قواعد میں فرماتے ہیں: غرور گناہ ہے اور اس کے بارے میں بہت سی احادیث ملتی ہیں۔ مثلاً پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ: "جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہو گا وہ بہشت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔" اس کے بعد فرماتے ہیں: "اس سے وہ غرور مراد ہے جو کفر پر ختم ہوتا ہے۔" (یعنی خدا اور پیغمبر سے اکڑنا) اور اگر اس سے مراد غرور کی اور قسم ہو یعنی باقی لوگوں سے اکڑنا تو حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ مغرور انسان انکساری سے پیش آنے والے مؤمن کے ساتھ بہشت میں نہیں جائے گا بلکہ کچھ عرصے تک آگ کا عذاب چکھنے کے بعد جائے گا۔ (شہید کا قول یہاں ختم ہو جاتا ہے)۔

پہلی تشریح بہتر ہے اور اس کی گواہ یہ حدیث ہے جو محمد بن مسلم نے حضرت امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے کہا: "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" امامؑ نے فرمایا: "تم نے یہ بازگشت کی آیت کیوں پڑھی؟" میں نے کہا: "اس پر پڑھی جو میں نے آپؑ سے سنا۔" آپ نے فرمایا: "جس طرح تم نے سوچا ہے ویسا نہیں ہے۔ میری مراد انکار و تردید سے ہے۔" پھر آپ نے فرمایا: "اس سے رد و انکار مراد ہے۔ یعنی جو غرور بہشت میں داخلے کی رکاوٹ بنے گا اس میں خدا اور پیغمبر یا امام کا انکار شامل ہو گا اور ایمان رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے اکڑنا اس قسم کا غرور نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کی جہنم سے نجات ہی نہ ہو۔" (کافی)

خدا کے بندوں سے اکڑنا

تیسری قسم لوگوں سے اکڑنا ہے اس طرح کہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھ کر ان پر بڑائی جتائے اور اپنے آپ کو ان سے اونچا اور اعلیٰ ظاہر کرے، ان کے ساتھ برابری اسے بری لگے، راہ میں ان کے آگے آگے چلے، محفلوں میں سب سے بہتر جگہ بیٹھنا چاہے، سب سے سلام، انکسار اور چھوٹا ظاہر کرنے کی امید رکھے، کوئی اسے نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھائے اور قبول نہ کرے اور اگر جھوٹ بولے اور کوئی اسے جھٹلادے تو ناراض ہو جائے۔ اگر کسی کو کچھ سکھائے تو نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش نہ آئے، دوسرے پر احسان جتائے اور اس سے خدمت گزاری کی امید رکھے۔ غرض اپنے آپ کو لوگوں سے اونچا سمجھے اور رکھے جس طرح وہ اپنے آپ کو حیوانوں سے اونچا اور اعلیٰ سمجھتا ہے۔ اگر مال یا منصب رکھتا ہو تو غریبوں اور ناداروں کے ساتھ جماعت کی نماز اور دینی محفلوں میں شرکت کرنے کو تیار نہیں ہو۔ دراصل ایسا آدمی اپنے آپ کو خدا کی خصوصی صف میں شامل یعنی بزرگی اور عظمت میں اس کا شریک بنا لیتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا یہ بادشاہ کے اس غلام کی طرح ہے جو سر پر سلطنت کا تاج رکھ کر سلطنت کے تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ ایسا بے غیرت بندہ خدا کے قہر و غضب کا مستحق ہوتا ہے۔ تمام عقلمند لوگ اسے ملامت کرتے ہیں اور چونکہ بندے ہیں اور اس لحاظ سے سب برابر ہیں اس لئے اگر ان میں سے کوئی ایک دوسروں کو اپنے آپ سے اونچا سمجھ کر ان پر کبریائی کرتا ہے تو گویا اس نے خدا سے اس چیز کے متعلق جس کا وہ تنہا مستحق ہے جھگڑا کھڑا کر لیا ہے۔

کچھ روایتیں جو خدا کے بندوں سے غرور کرنے کی مذمت اور سزا کے متعلق ملتی ہیں اس گفتگو کی ابتدا ہی میں بیان کر دی گئی ہیں۔

امام صادق فرماتے ہیں: "غرور یہ ہے کہ تو لوگوں کو چھوٹا سمجھے، حقیر جانے اور حق کو کمینگی شمار کرے۔" (کافی) مجلسیؒ فرماتے ہیں یعنی حق کے مقابلے میں نادانی اور کمینگی دکھائے اور اسے قبول نہ کرے یا حق کو حقیر سمجھے اور اسکی قدر نہ کرے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "غرور کا سب سے بڑا درجہ لوگوں کو ذلیل سمجھنا اور ان کے حق کو خاطر میں نہ لانا ہے۔" (کافی) یعنی حق کو نظر انداز کر کے حقداروں کو طعنہ دے۔

عمر بن یزید نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا: "میں مزیدار کھانا کھاتا ہوں، خوشبو لگاتا ہوں، اچھے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں اور غلام بھی میرے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ کیا میرا یہ چلن ظلم و غرور ہے جسے میں چھوڑ دوں؟" امامؑ نے سر جھکا لیا اور پھر فرمایا: "ظالم ملعون وہ ہے جو لوگوں کو ذلیل سمجھتا ہے اور حق کو نظر انداز کر دیتا ہے۔" عمر نے کہا: "میں حق کے معنی تو سمجھتا ہوں لیکن نظر انداز کرنا نہیں سمجھتا۔" آپ نے فرمایا: "جو لوگوں کو گھٹیا شمار کرے اور ان پر بڑکپن جتائے وہ ظالم ہے۔" (کافی)

چونکہ لوگوں سے غرور کرنے کی بعض قسمیں قرآن مجید اور روایتوں میں خاص طور پر بیان کی گئی ہیں یاد دہانی کے لئے ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

لوگوں سے غرور قرآن مجید میں

سورۃ بقرہ میں کہا گیا ہے: "اور جب اس (کافر اور منافق) سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈر اور جھگڑا اور گناہ کرنا چھوڑ دے تو اسے جاہلیت کی جھوٹی عزت ابھارتی ہے۔ جب وہ خدا کا نام اور اس کے خوف کی بات سنتا ہے تو اور برا کرتا ہے اور نامعقول گفتگو پر اتر آتا ہے۔ اس کے گناہ اور بدی کی سزا تو جہنم ہی کافی ہے جس کے عذاب

میں وہ ہمیشہ رہے گا، دوزخ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور اس کی آگ بہت ہی برا بستر ہے۔"(سورۃ بقرۃ آیت ۲۰۶)

عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ سب سے بڑا گناہ وہ ہے کہ کسی سے کہیں کہ خدا سے ڈر "اتق اللّٰہ" اور وہ جواب میں کہے "علیك نفسك" جاؤ اپنا کام کرو۔ اس لحاظ سے اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے خیر خواہی میں یہ کہے کہ خدا سے ڈر اور فلاں گناہ چھوڑ دے اور وہ عاجزی اور انکسار کے بجائے خدا کے مقابلے میں غرور کرے اور بری باتیں کہے۔ مثلاً یہ کہے کہ تو فضول بکتا ہے، تجھے ان باتوں سے کیا کام، جا خود کو سنبھال اور سدھار، تیرا میرا معاملہ الگ الگ ہے یا یہ کہ گناہ چھوڑنے کے بجائے اس پر قائم رہے یا اور زیادہ کرنے لگے تو اس آیت کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے۔

اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا غرور ہر حق کو قبول کرنے سے روکتا اور اسے جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے جیسے کوئی شخص مناظرے میں سچی بات سنتا ہے لیکن اس کا غرور اسے ماننے سے روک لیتا ہے اور وہ اپنے غلط خیال سے دست بردار نہیں ہوتا اور یہ منافقوں کی صفت اور عادت ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے: "جو کافر ہو گئے وہ کہنے لگے تم یہ قرآن سنا ہی نہ کرو اور بیچ میں شور و غل مچا دیا کرو تاکہ اس ترکیب سے تم غالب آجاؤ۔"(سورۃ فصلت آیت ۲۶)

خدا سورۃ لقمان میں فرماتا ہے: "جب لوگ تجھ سے باتیں کرنے لگیں تو غرور سے تو منہ نہ پھیر لیا کر (یعنی لوگوں سے اخلاق و انکسار کے ساتھ گفتگو، سلام اور ملاقات کیا کر اور ان سے منہ نہ پھیر لیا کر جس طرح مغرور لوگ خلقت کو خصوصاً غریبوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر منہ پھیر لیا کرتے ہیں بلکہ غریب اور امیر کے ساتھ

یکساں پیش آنا چاہئے) اور زمین پر اترا کر نہ چل (جاہلوں اور دنیا پرستوں کی طرح جو نہایت اکڑ اکڑ کر زمین پر چلتے ہیں) درحقیقت خدا کسی پر غرور چال والے اور بہت اینٹھ اکڑ دکھانے والے کو جو اپنے سامان عیش کی وجہ سے لوگوں سے سرکشی کرتا ہے پسند نہیں کرتا۔" (آیت ۱۸)

خدا سورۃ حجرات میں فرماتا ہے: "اے ایمان لانے والو! تم میں سے کسی قوم کا کوئی شخص دوسری قوم کے کسی مرد کی ہنسی نہ اڑائے (اسے چھوٹا اور خوار نہ سمجھے) ممکن ہے کہ ہنسی اڑانے والوں سے خدا کے نزدیک وہ لوگ اچھے ہوں جن کی ہنسی اڑائی جائے اور نہ عورتیں دوسری قوم کی عورتوں کا مذاق اڑائیں شاید وہ ان مذاق اڑانے والیوں سے اچھی ہوں اور تم آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو نہ عیب جوئی کرو (کیونکہ قوم کے تمام مؤمن ایک نفس کی طرح ہیں اس لئے جو کوئی دوسرے کی عب جوئی کرتا ہے گویا اپنے ہی عیب گناتا ہے) اور ایک دوسرے کو نام نہ دھرو۔ ایمان لانے کے بعد بدکاروں کا نام ہی برا ہے اور جو لوگ ممنوعہ چیز سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔" (کیونکہ وہ اپنے آپ کو خدا کی ناخوشی اور عذاب کا مستحق ٹھہراتے ہیں)۔ (سورۃ حجرات آیت ۱۱)

"دراصل جو کسی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے برتر جتاتا ہے وہ ابلیس کی طرح ہوگا جس نے حضرت آدمؑ کو حقارت سے دیکھا اور اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ اور بلند سمجھا تھا اور کہا تھا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔" (سورۃ ص آیت ۷۷)

"اور آخرکار ہلاکت ابدی حاصل کرلی۔" (سورۃ ص آیت ۸۵)

مال و دولت کی نمائش کرنا بھی غرور ہے

لوگوں کے سامنے دولت و جاہ کا دکھاوا اور اس پر فخر و ناز کرنا بھی غرور ہے جیسا کہ سورۃ قصص میں آیا ہے: "اصل میں قارون موسیٰ کی قوم سے تھا۔ اس نے ان پر ظلم کیا (بڑھ کر چلا اور غرور کیا) چنانچہ وہ اپنی قوم کے سامنے (سنیچر کے دن) آرائش کر کے آیا (طلائی زین کے سفید خچر پر بیٹھ کر، ارغوانی لباس پہن کر چار ہزار مرد اسی ٹھاٹھ کے اپنے ساتھ لایا اور اپنی قوم کو اپنی دولت اور شان و شوکت دکھائی) قصے کے آخر تک جب کہ وہ زمین میں دھنستا چلا گیا۔" (سورۃ قصص آیت ۷۶ تا ۷۹)

بحار میں روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے اترا کر چلنے کو منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ جو کوئی کپڑے پہن کر ان پر غرور کرے گا خدا اسے جہنم کی آگ میں جھونک دے گا اور وہ دوزخ میں قارون کے نزدیک رہے گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے غرور کیا اور خدا نے اسی کی وجہ سے اس کا گھر زمین میں دھنسا دیا اور جو کوئی خدا کے جلال و شکوہ میں شرکت کرے گا گویا اس نے خدا سے جھگڑا کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جس کسی نے نادار پر ظلم کیا یا اسے حقیر جانا خدا اسے چیونٹی کی جسامت کا آدمی بنا کر حشر میں اٹھائے گا تاکہ وہ دوزخ میں داخل ہو۔ (بحار جلد ۱۶)

مغرور لوگ اصلی پاگل ہیں

بحار میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: "تم یہاں کس لئے اکٹھے ہو؟" انہوں نے عرض کیا: "یہاں ایک پاگل ہے جو طرح طرح کی حرکتیں کر رہا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "یہ پاگل نہیں ہے بلکہ ایک مرض میں مبتلا ہے۔ ایک ایسا پاگل جسے پاگل کہنا مناسب ہے وہ شخص ہے جو راستہ چلتے اتراتا ہے، ٹھسے سے دائیں

بائیں دیکھتا ہے، تنتا ہے، اپنے کندھوں اور پہلوؤں کو اکڑ کر ہلاتا ہے اور خدا سے بہشت مانگتا ہے، حالانکہ خدا کے گناہ میں مشغول ہوتا ہے، لوگ اس کی برائی سے محفوظ نہیں ہوتے اور اس سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھتے۔ یہ ہوتا ہے پاگل۔" (بحار جلد ۵ اباب الکبر، ۱۲۵)

تزکیہ نفس بھی غرور ہے

اپنے آپ کو پاک، ایک خاص مقام اور درجے کا مالک جاننا اور دوسروں کو جتانا ایک قسم کا غرور ہی ہے۔ سورۃ والنجم میں آیت ۳۲ صاف صاف تزکیہ نفس سے منع کرتی ہے اور سورۃ نساء کی آیات ۴۹ و ۵۰ کہتی ہیں: "الم ترا الی الذین یزکون انفسھم بل اللّٰہ یزکی من یشآء ولا یظلمون فتیلا . انظر کیف یفترون علی اللّٰہ الکذب و کفی بہ اثما مبینا" کیا تو ان لوگوں کو نہیں دیکھتا جو اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں (یہودیوں کی ایک جماعت کی طرح جو قسم کھاتے ہیں کہ ہم ہر گناہ سے پاک ہیں) حالانکہ خدا جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ ان پر ظلم نہیں کرتا، ان کا حق نہیں گھٹاتا اور ان کے استحقاق سے زیادہ ان کو تاگے کے برابر سزا نہیں دیتا۔ (فتیل چھوہارے کی گٹھلی کے بیچ میں ایک نازک سا بال ہوتا ہے)۔ اے محمدؐ! دیکھو تو یہ لوگ خدا پر کیسے کیسے طوفان جوڑتے ہیں۔ (جس طرح کہ یہودی کہتے تھے کہ ہم پاک ہیں اور بہشتی ہیں اور عیسائی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کے دوست ہیں اور اہل بہشت ہیں) اور کھلم کھلا گناہ کی حیثیت سے تو ان کا خدا پر یہ طوفان جوڑنا ہی کافی ہے۔"

کبھی علم سے تزکیہ نفس کیا جاتا ہے مثلاً لوگوں کو دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بہت سے علم جانتا ہوں، میں نے فلاں فلاں استاد اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے، میں نے فلاں علم کی تحصیل میں اتنے سال محنت کی ہے۔ کبھی عبادت سے تزکیہ نفس

ہوتا ہے، مثلاً کہتا ہے کہ اتنے سال تک شب بیداری کی ہے، دن میں روزہ رکھا ہے، فلاں شخص مجھ سے اتنے گنا مال رکھتا ہے اور اس نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے لیکن میں نے اتنے حج اور اتنی زیارتیں کی ہیں۔ و علیٰ ھذاالقیاس.

کبھی تزکیہ نفس ظاہری کے بجائے پردہ میں ہوتا ہے، مثلاً کہتا ہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا تو مر گیا یا اسے فلاں بیماری ہوگئی یا فقیر ہوگیا۔ اس سے اسے اپنی کرامت ظاہر کرنا مقصود ہوتی ہے یا کہتا ہے کہ میں نے خدا سے فلاں دعا مانگی اس نے فوراً پوری کردی اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ میں ایسا شخص ہوں جس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ غرض قول و فعل میں طرح طرح کا غرور شامل ہوتا ہے۔ اخلاقیات کے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مغرور شخص میں ضرور کوئی نہ کوئی کمینی صفت ہوتی ہے جس سے وہ اپنی عزت بچاتا ہے، جیسے حسد، کینہ، غصہ، غرور، مکر، جھوٹ، چغلی، الزام تراشی وغیرہ اور اپنی عزت کے گھٹ جانے کے ڈر سے کسی نہ کسی اچھی اخلاقی صفت سے محروم ہوتا ہے، مثلاً تواضع، غصے کا ضبط کرنا، معافی، سچائی، مؤمنوں کی دوستی وغیرہ۔

چونکہ کوئی کم ہی اس تباہ کن بیماری سے بچا ہوا ہے بلکہ بہت سوں کو تو غلط فہمی ہے کہ وہ شاید اپنے آپ کو اس بیماری سے پاک سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اس میں مبتلا ہیں۔ اخلاق کے عالموں نے ان کی نشانیاں بتائی ہیں جو اگر کوئی اپنے اندر دیکھ لے تو سمجھ جائے کہ اس منحوس درخت کی جڑیں اس کے دل میں پیوست ہیں اور اپنی اصلاح پر کمربستہ ہو جائے۔

غرور کی نشانیاں

۱۔ جس وقت وہ اپنے برابر والوں میں کسی موضوع پر بات کر رہا ہو اگر ان کے

منہ سے نچ نکل جائے جس کا مان لینا اور قبول کر لینا اس کو گراں گزرے اور خوشی و خرمی ظاہر نہ کر سکے تو معلوم ہو گا کہ اس کے دل میں غرور ہے۔

۲۔ محفلوں اور مجمعوں میں جو جگہ اس کے بیٹھنے کے لائق ہے اس سے نیچی جگہ پر بیٹھنا اسے ناگوار گزرے یا راستہ چلتے میں سب کے پیچھے رہ جانا اسے ناگوار گزرے تو وہ مغرور ہے۔

۳۔ اگر اپنے سے کمتر یا مطیع اور ماتحت کو پہلے سلام کرنا اسے ناگوار ہو تو سمجھے کہ وہ متکبر ہے۔

۴۔ اگر کوئی مفلس فقیر اس کی ضرورت پوری کرنے کی پیش کش کرے تو اس کا قبول کرنا یا اس کے برابر بیٹھنا اسے اکھرے تو یہ غرور کی نشانی ہے۔

۵۔ گھریلو ضروریات کی چیزیں بازار سے مول لینا اور ہاتھوں پر اٹھا کر گھر لے جانا اس کے لئے مشکل ہو تو وہ مغرور ہے بجز اس صورت کے جب کہ وقت، جگہ، حالت اور اس کی حیثیت کے لحاظ سے یہ عمل واقعی اس کے لئے عیب اور لوگوں میں قابل اعتراض اور چہ میگوئیوں کے لائق ہو۔

۶۔ اگر کم قیمت، موٹے اور پرانے کپڑے پہننا اسے ناگوار گزرے اور اچھے اور قیمتی کپڑے پہننے کی فکر میں رہے اور انہی کو عزت اور بڑائی جانے تو وہ مغرور ہے بجز اس صورت کے جب کہ ایسا کرنا اس کی بے عزتی اور توہین کا سبب ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

۷۔ اگر نوکر، نوکرانی اور شاگرد کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے سے اسے عار ہو تو یہ غرور کی علامت ہے۔ غرور کے گناہ کی بڑائی، معنی اور اقسام جاننے کے بعد اب ہمیں اس کا علاج بھی علم و عمل کے طریقے سے کرنا چاہئے۔

غرور کی بیماری کا علاج (علمی علاج)

غرور کے علمی علاج کا طریقہ اپنی پیدائش کی ابتدا پر غور کرنا ہے۔ انسان یہ سوچے کہ وہ اس گندی بوند سے پیدا ہوا ہے جو تمام لوگوں کے نزدیک نجس و ناپاک ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حکم ہوتا ہے کہ "انسان سوچے اور غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے اچھلتے ہوئے بدبودار پانی سے (فلینظر الانسان مم خلق . خلق من ماء دافق)" جس میں کچھ بھی نہیں تھا یعنی نہ آنکھ نہ کان نہ ہاتھ پاؤں نہ زبان اور ارادہ وغیرہ۔ چنانچہ یہ چیزیں بھی خدا نے اسے ادھار دے دی ہیں۔

پیشاب کی راہ سے دوسری مرتبہ نکلا اور ہر لحاظ سے کمزور تھا۔ دھیرے دھیرے خدا نے اسے طاقت بخشی لیکن یہ طاقت بھی اتنی کم تھی کہ اس کے ساتھ ہزاروں کمزوریاں تھیں۔ چنانچہ اسے بھوک، پیاس اور نیند کے لئے ایسا مجبور بنادیا کہ اگر وہ کھانا، پینا اور سونا نہ چاہے تو زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اسے لباس اور گھر کا محتاج بنایا اور اتنی طرح طرح کی بیماریوں اور بلاؤں کی زد پر ہے کہ شمار سے باہر ہیں۔ قدیم طب میں انسان کی بیماریاں چار ہزار قسم کی شمار کی گئی ہیں۔

اس کی کھوکھلی جگہوں میں ہمیشہ پیشاب پاخانہ بھرا رہتا ہے اگر خدا اسے نہ ڈھانپتا تو خود اپنی بدبو سے جی نہیں سکتا تھا۔(۱)

۱۔ کتاب عدد السعد میں تحریر ہے کہ جب لیاز، محمود بادشاہ کا سب سے زیادہ مقرب بن گیا تو اس کے حاسد اسے اس مقام سے گرانے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک دن وزراء میں سے دو لوگ سلطان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لیاز نے بے شمار روپے پیسے اور جواہرات چوری کئے ہیں انہیں ایک حجرے میں چھپا کر تالا لگا دیا ہے۔ ہر روز صبح سب سے پہلے وہاں جاتا ہے اور کسی کو وہاں نہیں جانے دیتا۔ یہ سن کر سلطان شک میں مبتلا ہو گیا اور کہا: "کل جب لیاز میرے پاس آئے تو تم لوگ وہاں جاؤ، دروازہ کھولو اور جو بھی روپے پیسے اور جواہرات جمع کئے ہیں انہیں لے آؤ۔" دوسرے دن کچھ لوگ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یقیناً انسان اپنی خواہشات پوری کرنے میں بے حد کمزور ہے۔ چنانچہ وہ بہت سی باتیں جاننا چاہتا ہے لیکن نہیں جان پاتا۔ کوئی بات یاد کرنا چاہتا ہے اور بھول جاتا ہے۔ گناہ جیسی چیز کو بھول جانا چاہتا ہے لیکن نہیں بھول پاتا۔ اپنے حواس جمع کرکے خیالوں اور وسوسوں کو اپنے آپ سے دور کرنا چاہتا ہے اور نہیں کر سکتا۔ وہ ایسی چیز سے رغبت کرتا ہے جس میں اس کی فنا ہے لیکن عادت یا غیر معمولی تعلق کی وجہ سے اسے چھوڑ نہیں سکتا حالانکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے نقصاندہ ہے اور اسے وہ چیز بری لگتی ہے جس میں اس کی زندگی ہے۔

اس کے علاوہ رات دن کے ہر لمحے میں اسے اپنی کسی نہ کسی جسمانی قوت کے ختم ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے اور جن چیزوں سے محبت کرتا ہے جیسے مال اور اولاد ان کے زائل ہونے کا امکان رہتا ہے غرض یہ خدا کا ایک ایسا بندہ ہے جسے کسی چیز پر اختیار اور قابو نہیں۔ نہ اپنے آپ کو فائدہ اور بھلائی پہنچا سکتا ہے نہ اپنے آپ سے

گزشتہ سے پیوستہ:

پہنچے، کدال، تھیلے اور قلیوں کو لے کر گئے اور تالا توڑ کر حجرے میں داخل ہوئے لیکن انہوں نے وہاں کچھ نہ پایا، سوائے ایک سوتی چادر اور چمڑے کی چپل کے۔ انہوں نے کہا: "خزانہ یہاں ضرور دفن ہوگا ورنہ اس پھٹی پرانی چادر اور چپل کے لئے اس تالے کی اور ہر روز یہاں تنہا آنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" چنانچہ انہوں نے زمین کھودی لیکن کوئی چیز نہ ملی۔ پس انہوں نے بادشاہ کو خبر دی تو بادشاہ نے ایاز سے پوچھا: "اس حجرے میں سوائے ایک چادر اور چپل کے کچھ بھی نہیں ہے تو پھر اس میں تالا ڈالنے اور روزانہ وہاں تنہا جانے کا کیا سبب ہے؟" ایاز نے کہا: "آپ کا غلام بننے سے پہلے میرا یہی لباس تھا۔ لیکن آپ کا غلام بننے کے بعد مجھے ہر چیز میسر آگئی کیونکہ انسان کے نفس میں سرکشی اور عجب پیدا ہو جاتا ہے اس لئے میں اس حجرے میں اپنا پرانا اور بوسیدہ لباس اور چپل دیکھنے جاتا ہوں تاکہ میں غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور یہ یاد رکھوں کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے سب بادشاہ کے لطف و کرم کی وجہ سے ہے اور عارضی ہے اسکے بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔"

نقصان اور برائی دور کر سکتا ہے نہ اپنی زندگی ہی کو جاری رکھ سکتا ہے۔ دنیوی زندگی کی اس مدت میں یہ ہیں انسان کے کچھ مختصر سے حالات اور یہ بالکل واضح ہے کہ اسے ہر گھڑی موت کے آنے کا دھڑکا لگا رہتا ہے جسے وہ کسی طرح بھی نہیں روک سکتا۔

موت کے بعد کیا ہوگا؟

جان دینے والوں اور ان کے بعد مرنے والوں کے حالات جو دیکھے اور سنے ان سے جو کچھ مرنے، قبر میں جانے اور خاک ہونے تک کی باتیں معلوم ہوئیں وہی کافی ہیں۔ اب اگر بات یہیں ختم ہو جاتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا بد قسمتی یہ ہے کہ مردے کو خدا کی کچہری میں لے جائیں گے اور اس کے چھوٹے بڑے اعمال کی تحقیق ہوگی جس کی تفصیل قرآن مجید اور روایتوں میں بیان کی گئی ہے۔(مؤلف کی کتاب "معاد" ملاحظہ کیجئے)۔

دنیا کے کیسے کیسے معزز اور محترم لوگ وہاں ذلیل ہوں گے اور کیسے کیسے بڑے لوگ چیونٹیوں سے بھی چھوٹے ہو جائیں گے۔ کیسی کیسی حسین شکلیں ایسی بجو کر وہاں آئیں گی کہ کتے اور سور بھی ان سے زیادہ خوش شکل نظر آئیں گے اور پھر کسی کو اپنے انجام کا پتا نہیں ہوگا کہ وہ ظالموں میں شمار ہوگا یا نیک بندوں میں۔ عزت داروں میں یا ذلیلوں میں، نیک بختوں میں یا بدبختوں میں اور انسان کے جن حالات کا ذکر کیا گیا ان میں سب انسان چاہے کوئی ہو اور کسی مقام پر ہو برابر ہیں۔ جو عقلمند حال اور مستقبل کے حالات پر غور کرے گا اسے یقین آجائے گا کہ اتراہٹ، شیخی، غرور اور سرکشی انسان کو زیب نہیں دیتی۔ جس کے ہر پہلو اور ہر حیثیت پر کمزوری چھائی ہوئی ہے وہ کیسے فضیلت اور بڑے پن کا دعوٰی کر سکتا ہے۔ کیا اس سے زیادہ کھلا ہوا جھوٹ بھی ہو سکتا ہے؟

اوپر والے کے بارے میں غور کرنا چاہئے

کچھ بزرگوں نے غرور کا علمی علاج کرنے کی خاطر نہایت پر لطف تحقیق بیان کی ہے جسے مزید فائدے کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غرور ایک حالت و کیفیت ہے جو نفس میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس وجہ سے کہ انسان اپنے آپ کو ہمیشہ اپنے سے نیچے یا گرے ہوئے کے مقابلے میں دیکھتا ہے اور اپنے سے اونچے کی نسبت بھول جاتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ مثلاً کسی کے پاس ایک غلام ہے اب اس شخص کو اس غلام سے ایک نسبت ہے اور وہ نسبت یہ ہے کہ وہ اس پر غالب اور حاکم ہے اور اس غلام کے لئے اس کے حکم سے سر تابی ممکن نہیں ہے۔ وہ اس کے تابع ہے اور اس شخص کو اس سے مالک کی نسبت ہے جو اس کا مغلوب، مقہور، تابع اور محکوم ہے اب اگر وہ آقا بلحد نسبت کے لحاظ سے اس پر غالب ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے یہی اس کا نصب العین بن گیا تو اس میں وہ کیفیت پیدا ہو جائے گی جسے غرور کہتے ہیں اور جب دوسری نسبت اس کے پیش نظر زیادہ ہے اور وہ خدا کی قدرت اور عظمت کے سامنے اپنی کمزوری اور مقہوری کو دیکھے تو اس میں عجز و انکسار اور خضوع و خشوع کی حالت پیدا ہو جائے گی جو تواضع (غرور کی ضد) ہو گی۔

اگرچہ شروع شروع میں انسان میں یہ حالت خدا کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے لیکن جب اس میں پختہ ہو جاتی ہے تو اس کی ہستی کے تمام پہلوؤں پر چھا جاتی ہے۔ (یعنی جو شخص خدا کے سامنے متواضع ہو وہ تمام مخلوقات کے ساتھ بھی متواضع ہو جائے گا) جس طرح غصہ مجرم سے بڑھ کر دوسروں تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شخص غصے میں صرف مجرم کے ہی خلاف نہیں ہوتا بلکہ در و دیوار سے لڑتا ہے۔

اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کا مغرور ہونا صحیح ہے کیونکہ وہ کسی کا

مغلوب اور مقہور نہیں ہے اور دوسروں سے اسے غالبی اور قاہری کی نسبت حاصل ہے یعنی وہ دوسروں پر غالب اور قاہر ہے اس لئے اس کے سوا کسی کو غرور کا حق نہیں پہنچتا۔ جو شخص جتنا عرش، اسرافیل اور جبرئیل سے نیچا ہوگا خدا سے اس کی مغلوبیت بڑھتی جائے گی (جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی) دوسرے پر اس کے غلبے کی نسبت سے۔ تو پھر یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اس نسبت کو بھول کر دوسری نسبت کی طرف پوری توجہ کرلے جس سے غرور میں مبتلا ہو جائے؟

وہ یہ بھی فرماتے ہیں: جو حقیقی وجود کے سامنے حقیقی عدم بھی نہیں ہو سکتا وہ اس پر برتری چاہتا ہے (قرآن مجید میں ہے کہ خدا پر برتری نہ چاہو) وہ خدا کی اتنی بڑائی حاصل کرے کہ آدمی کی (یعنی اپنی) بڑائی بھول جائے۔

پیغمبرؐ کے حالات سے تواضع ظاہر ہوتی ہے

اس حالت کے ساتھ کچھ لازمی باتیں ہیں جو سید الکونینؐ کی صفت میں کہی گئی ہیں۔ آپ کبھی اپنی خاطر غصہ نہیں کرتے تھے، زمین پر بیٹھتے تھے، زمین پر کھانا کھاتے تھے۔ (بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۰۲) کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی کنیز حضرت کا ہاتھ پکڑ کر اپنی سفارش کے لئے جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت آپؐ گھر میں ہوتے تھے تو گھر کے کام میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ (بحار جلد ۶ صفحہ ۲۰۲)

غرور کا سبب دور کر دینا چاہئے

غرور کا علمی علاج ان چیزوں کے بارے میں غلط فہمی پر غور و فکر کرنا ہے جو انسانی غرور کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً علم، عمل، خاندان، دولت، عہدہ، منزلت، پیروکار، طاقت، حسن وغیرہ۔ غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ علم کے سوا ان میں

سے کسی ایک پر بھی غرور کرنا خلاف عقل ہے۔ علم بھی اگر دنیاوی ہے تو وہ موت پر ختم ہو جاتا ہے بلکہ مرنے سے پہلے بھی مشق نہ کرنے یا بھول کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے چونکہ اس کا فائدہ صرف چند روزہ دنیاوی زندگی کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس پر غرور کرنا مناسب نہیں ہے خصوصاً جو کچھ آتا ہے اس کو جو کچھ نہیں آتا اس کی نسبت سے دیکھئے تو لامحدود باتوں کے مقابلے میں صرف محدود باتوں کا علم ہوتا ہے جو کسی طرح بھی غرور کا سبب بننے کے لائق نہیں ہے۔

اگر آخرت اور دین کا علم ہو یعنی ان باتوں کا علم جو معارف الٰہی سے متعلق ہوتی ہیں تو اس کے اثر سے انسان میں تواضع اور خشوع پیدا ہوتا ہے غرور اور اکڑ پیدا نہیں ہوتی کیونکہ خدا فرماتا ہے: "صرف علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔" (سورۃ فاطر آیت ۲۸) اور اگر اس کی حالت اس سے مختلف ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ علم کی روشنی اور حقیقت سے محروم ہے۔ اس نے صرف اصطلاحات یاد کی ہیں اور وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہیں جن پر فخر کیا جا سکے۔

احکام دین یعنی فقہ کا علم بھی صرف اسی وقت فائدہ پہنچا سکتا ہے جبکہ اس کے مطابق عمل ہو۔ جو فقہ جانتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا وہ ایسے شخص کی مانند ہے جو ڈاکٹری جانتا ہے لیکن اس کی پریکٹس نہیں کرتا اور قرآن مجید کے الفاظ میں وہ ایک ایسا گدھا ہے جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ (سورۃ جمعہ آیت ۵) اور قرآن مجید بلعم باعور کو جو بے عمل عالم تھا کتے سے تشبیہ دیتا ہے۔ اگر عالم یہ سمجھ لے کہ اس پر خدا کی حجت تمام ہو چکی ہے اور اس کے سر اتنی سخت ذمہ داری آپڑی ہے کہ جاہل کے تو ستر گناہ تک بخشے جائیں گے اور اس کا ایک گناہ بھی نہیں بخشا جائے گا تو یقیناً اس کی تواضع اور انکسار میں اضافہ ہوگا اور وہ ہرگز غرور نہیں کرے گا۔

قبول ہونے والا عمل قدر و قیمت رکھتا ہے

رہی عمل کی بات تو جاننا چاہئے کہ اگر نیک کام خشوع و خضوع، عجز اور انکساری کے ساتھ ہو جو بندگی کی روح ہے تو خالص عبادت اور قابل قدر ہے اور اگر فخر و ناز کے ساتھ ہو تو بے جان صورت کی طرح بے قدر و قعت ہے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ نیک کام اس وقت فائدہ پہنچاتا ہے جب خدا کو قابل قبول ہو اور وہ بھی ایک پوشیدہ بات ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا نیک کام قبول بھی ہوا ہے یا سچائی، خلوص اور تقویٰ نہ ہونے کے باعث نامقبول یا رد ہو گیا ہے۔ اس لئے نیک عمل بھی علم کی طرح ہے جو غرور نہیں عجز اور تواضع پیدا کرتا ہے جیسا کہ مؤمنوں کی صفات میں کہا گیا ہے: ”اور وہ لوگ جو کچھ دیتے ہیں سو دیتے ہیں (طرح طرح کی خیراتیں، عبادتیں اور اطاعتیں) جب کہ ان کے دلوں میں اس بات کا ڈر سمایا ہوا ہے کہ ان کی واپسی ان کے پروردگار کی طرف ہے۔“ (سورۃ مؤمنون آیت ۶۰) یعنی وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ خدا ان کے اعمال قبول نہ کرے کیونکہ خدا وہ بھی جانتا ہے جو ان سے چھپا ہوا ہے۔

خاندانی شرافت بھی غرور کا موجب نہیں ہونا چاہئے

اگر (انسان) ظاہری اور دنیوی عزت و شرافت کا مالک ہو۔ مثلاً اس کا باپ حاکم اور شریف تھا تو دنیا کی ہستی ہی کیا ہے جو اس کی باتوں کا کوئی اعتبار ہو صرف چمک دمک جو تھوڑے دن رہ کر غائب ہو جاتی ہے اس پر گھمنڈ سخت بے وقوفی اور گھٹیا پن کا ثبوت ہے۔

پھر کتنے سارے لوگ تھے جو اس پر فخر کرتے تھے اور اب عالم برزخ میں برے حالوں اور گہرے کھڈوں میں پڑے حسرت سے آہ و نالہ بلند کر رہے ہیں اور یہ

بے وقوف ان لوگوں کے تعلق پر غرور کر رہا ہے۔

اگر سادات کی شاندار نسل کی طرح حقیقی اور معنوی شرافت ہو تو جاننا چاہئے کہ ان کے پاک بزرگوں کی شرافت خدا کے قریب ہونے اور تمام انسانی خوبیاں رکھنے کی وجہ سے ہے جن میں خدا اور مخلوق کے سامنے نہایت انکساری اور عاجزی کا اظہار بھی ہے اور جو کوئی ان سے اپنی نسبت ظاہر کرتا ہے یا ان سے اپنے آپ کو منسوب جانتا ہے اس کو دوسروں کی بہ نسبت خدا اور مخلوق کے سامنے زیادہ سے زیادہ عاجزی اختیار کرنا چاہئے اور غرور اور دوسری رذیل صفات سے جو اس کے دشمنوں کی صفات ہیں اور خالی اور پاک و صاف ہونا چاہئے۔

جو شخص عالموں سے وابستہ ہے اسے بھی جان لینا چاہئے کہ اگر خود عالم مغرور ہے تو وہ علم کی بزرگی اور خوبی سے محروم ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے پھر اس شخص کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے جو کسی عالم سے تعلق اور نسبت رکھنے کی وجہ سے اپنے آپ کو صاحب فضیلت جتاتا ہے اور دوسروں سے شیخی بگھارتا ہے۔

دولت پر اترانا بے وقوفی ہے

اگر کسی کو دولت ملی اور اس نے غریبوں اور حاجت مندوں پر اپنی بڑائی جتائی اور اپنے آپ کو ان سے اونچا سمجھا تو یہ بے وقوفی ہوگی۔ مثلاً کوئی غریب بیمار پڑے تو اس کی عیادت نہ کرے (کیونکہ وہ غریب ہے) چاہے اس کا رشتے دار یا پڑوسی ہی ہو یا کوئی غریب اس سے کچھ کہے تو اس کی بات پر توجہ نہ دے یا اس کے سلام کا ٹھیک سے جواب نہ دے یا اس سے سختی سے یا بگڑ کر بات کرے وعلیٰ ہذا القیاس۔

جاننا چاہئے کہ دولت انسان کی ذات سے باہر کی چیز ہے اور اس کی کمی زیادتی کا انسان کی خوبی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ (روحانی خوبیوں کے

لحاظ سے) نہایت گھٹیا انسانوں کے پاس بھی دولت ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص کے مرنے پر اس کی دولت دوسروں کے پاس چلی جاتی ہے بلکہ کسی حادثے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے دولت کا نکل جانا ہر گھڑی ممکن ہے۔ چنانچہ کتنے ہی سارے مغرور مالدار ذرا سی دیر میں غریب اور مفلس ہو گئے ہیں۔

جو دولت مند ایمان اور سمجھ رکھتا ہے وہ اپنی دولت کو مصیبت، بلا اور اپنی آزمائش کا سبب جانتا ہے (سورۃ انفال آیت ۲۸) اور اپنے سر ایسی ذمہ داری محسوس کرتا ہے جس کا دور کرنا بہت مشکل ہے اور اس سوجھ بوجھ کی لازمی صفت غریبوں سے گھمنڈ نہیں عاجزی اور انکسار ہے۔

اگر دولت مند غافل ہو اور لاعلم ہو، دولت کو خدا کی اچھی دین اور بخشش جانے اور اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے تو اسے یہ آیت یاد رکھنی چاہئے جو کہتی ہے: "کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو انہیں دولت اور اولاد دی ہے وہ انہیں خیرات میں دے دی ہے نہیں ایسا نہیں ہے دراصل وہ سمجھتے نہیں۔" (سورۃ مومنون آیات ۵۵و۵۶) کیونکہ جب تک مال اور اولاد کی بخشش سے نیکی نہ کمائی جائے وہ خدا کی مہربانی اور رحمت نہیں اس کا غیظ و غضب اور حیلے کا ثبوت ہے۔

یہ سمجھنے کیلئے کہ یہ دولت خدا کی بخشش اور رحمت ہے یا اسکی ناخوشی اور بلا ہے روایتوں میں دو نشانیاں بتائی گئی ہیں ایک تواضع (عاجزی و انکسار) اور دوسری خیرات کی توفیق سو اس دولتمند کی دولت خدا کی رحمت اور بخشش ہوتی ہے جو دولت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ غریبوں سے اور جھک کے ملتا ہے اور اسکی خیرات اور عطیات میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور اس دولتمند کی دولت مصیبت اور بدبختی کا سبب ہوتی ہے جس کی کنجوسی اور غرور میں دولت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

شان، عہدہ اور پیروکار یہ اضافی باتیں ہیں

جو کچھ دولت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ زوال پذیر اور بے بھروسے کے ہوتی ہے اور کبھی خوبی اور نعمت اور کبھی برائی اور لعنت ہوتی ہے وہی شان، عہدے اور پیروکاروں پر بھی صادق آتا ہے۔ بلکہ یہ باتیں زیادہ شدید، ان کی تکلیف زیادہ سخت اور ان کا خطرہ زیادہ بڑا ہوتا ہے خاص طور پر جب ان میں دولت مندی بھی شامل ہو جائے تو ہر وقت یہ بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے کہ خدا کا عائد کیا ہوا اہم فریضہ جو اس وقت اس کے کندھوں پر ہے وہ ادا بھی کر پاتا ہے یا نہیں۔ بلکہ اپنے گناہ میں اضافہ کرتا ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی مظلوم کی مدد نہ کرنے یا کسی مؤمن سے (خصوصاً جب وہ سید یا عالم یا ضعیف اور بوڑھا ہو) غرور کرنے اور اس کی توہین کرنے کے باعث خدا کے عذابوں اور طرح طرح کی سزاؤں کا مستحق بن جاتا ہے اسی لئے شان، عہدہ اور پیرو بھی دولت کی طرح زائل ہونے والی، انسان کی ذات سے خارج اور اضافی اور ناپائیدار چیزیں ہیں جن سے کوئی عقلمند آدمی دھوکا نہیں کھاتا ان پر غرور کرنے کا تو سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

قدما کی تاریخ میں دولت، شان اور مقام کے زوال اور بے اعتباری کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً کتاب حبیب السیر میں لکھا ہے کہ جس وقت عمرو بن لیث ستر ہزار مستعد جوانوں کے ساتھ امیر اسماعیل سامانی کے سامنے آکر ڈٹا جس کے ساتھ صرف دس ہزار سوار تھے جو لڑے بغیر اس پر غالب آگیا اور عمرو کو ایک خیمے میں قید کر لیا۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اس دن عمرو کی نظر ایک شاگرد پیشہ پر پڑی اسے بلایا اور کھانے کو مانگا۔ شاگرد پیشہ فوراً گوشت کا ایک ٹکڑا کہیں سے لایا اور چونکہ دیگ موجود

نہیں تھی اس لئے اسے گھوڑے کی بالٹی میں ڈالا اور اس کے نیچے آگ جلا کر اپنے کسی کام سے چلا گیا اتفاقاً ایک کتا آگیا اس نے بالٹی میں سر ڈالا تو اس کا منہ کھولتے ہوئے شوربے سے جل گیا اس نے جلدی سے جو بالٹی سے اپنی سر باہر نکالنا چاہا تو بالٹی کا دستہ اس کی گردن میں پڑ گیا۔ عمرو یہ حال دیکھ کر ہنسا۔ ایک محافظ نے پوچھا: "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" اس نے کہا کہ: "آج ہی میرا خانساماں شکایت کر رہا تھا کہ آپ کے باورچی خانے کا سامان تین سو گھوڑے مشکل سے ڈھو پاتے ہیں اور اس وقت میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک کتا آسانی سے لئے جا رہا ہے۔"

اسی حکایت جیسا ایک قصہ مروان حمار کا ہے (جو بنی امیہ کا آخری بادشاہ تھا) وہ سن ۱۳۲ ہجری میں "دریائے زاب" کے کنارے سفاح کے لشکر کے مقابل ہوا۔ پرے جماتے وقت گھوڑے سے اترا اور پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ گھوڑا بھاگ کر لشکر میں جا گھسا۔ لوگ سمجھے مروان قتل ہو گیا اور اس کا گھوڑا بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ پورے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی اور وہ تتر بتر ہو گیا۔ یہاں تک کہ آخر کار وہ ہلاک ہی ہو گیا اور یہ قول مشہور ہو گیا: "ذهبت الدوله ببوله." یعنی اس کی۔ سلطنت پیشاب کرتے میں ختم ہو گئی۔

ایک عباسی خلیفہ کے بغداد کی جامع مسجد میں بھیک مانگنے کا قصہ بھی مشہور ہے کہ وہ جماعت کی صفوں میں آنکھوں سے اندھا گھومتا اور کہتا تھا: "اے لوگو اس شخص پر ترس کھاؤ جو کل تک تمہارا بادشاہ تھا اور آج تمہارے سامنے دست سوال پھیلائے ہوئے ہے۔"(۱)

۱۔ دولت پر غرور نہ کر نہ اس نعمت پر زیادہ اترا جو فنا اور زوال سے محفوظ نہیں ہے۔
اے دنیا کے دھوکے کب تک غرور کرے گا؟ اے دو تین من ہڈیوں کے ڈھانچے کس بات پر اترائے گا؟

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

جسم کی طاقت بھی عارضی ہوتی ہے

جسمانی قوت پر گھمنڈ۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کسی وقت بھی کسی بیماری یا مصیبت میں ایسا مبتلا ہو سکتا ہے کہ ہر کمزور سے زیادہ کمزور ہو جائے اور جانکنی اور قبر کے حالات کی یاد دلانے لگے۔

ظاہری حسن پر غرور کے متعلق بھی سوچنا چاہئے کہ انسان کا اصلی حسن تو اس کی خوبی سے قائم ہوتا ہے جو تواضع ہے۔ صرف حسن ظاہری کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو عارضی ہوتا ہے جو ممکن ہے کہ چھوٹے سے حادثے سے ہی بالکل جاتا رہے اور اپنی قبر کے حالات یاد دلادے کہ وہاں اس حسن پر کیا گزرے گی اور اس وقت بھی اس کے سوراخوں میں گندگیاں بھری ہوئی ہیں اور کھال کے نیچے پیپ خون اور گندگی ہے پھر غرور کرنے اور دوسروں کے سامنے شیخی بگھارنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

غرور کی بیماری کا علاج (عملی علاج)

انسان میں جو بھی صفت ہو اگر اس کو عمل میں نہ لائے بلکہ اس کے تقاضے کے خلاف عمل کرے تو رفتہ رفتہ وہ صفت زائل ہو جاتی ہے اور چونکہ غرور کی ضد تواضع ہے اس لئے غرور کی بیماری کا واحد علاج قول و فعل دونوں میں عاجزی ہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ تواضع اور اس کی حقیقت اور اقسام کا مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

گزشتہ سے پیوستہ:

تجھ سے پہلے بھی دوسرے گزرے ہیں جنہیں ترقی کی ہوس سے کبھی چین نہیں ملا۔

اس عظمت و شان کا کیا نتیجہ نکلا، فائدہ تھا لیکن گھاٹا ہو گیا تو کیا فائدہ نکلا۔

یہ کیسی خوشی ہے جو اس خوش دلی سے تو اپنے آپ کو بھول گیا۔

تواضع کی خوبی

تواضع سے متعلق بہت سی آیتیں اور روایتیں ملتی ہیں لیکن ان سب کا یہاں بیان کرنا اس کتاب کے موضوع سے باہر ہوگا۔ اس کی اہمیت بتانے کے لئے یہی کافی ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب کو جو مخلوقات میں سب سے عظیم اور کائنات کی تخلیق کا سبب ہیں تواضع کا حکم دیتا ہے کہ: "اپنی عاجزی کے بازو ان مؤمنوں کے لئے پھیلا جو تیری پیروی کرتے ہیں۔" (سورۃ حجر آیت ۸۸) اور اپنے مقرب بندوں کی اس خوبی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے: "رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکسار سے چلتے ہیں۔" (سورۃ فرقان آیت ۶۳) اور شیعوں کی روایات میں امامت کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ امام کو خدا کی خاطر ہر شخص سے زیادہ منکسر ہونا چاہئے۔ (بحار الانوار جلد ۷) امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں اگر خدا نے اپنے بندوں میں سے کسی کو غرور کرنے کی اجازت دی ہوتی تو وہ پیغمبروں کو جو اس کے خاص بندے ہیں اجازت دیتا لیکن خدا نے ان کے لئے غرور اور گھمنڈ برا سمجھا اور ان کے حق میں عاجزی کو اچھا جانا اس لئے ان لوگوں نے اپنے رخسارے زمین سے چپکا دیئے، اپنے چہروں پر خاک مل لی اور اپنے آپ کو مؤمنوں کے سامنے نیچا کر لیا۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "قیامت میں تم میں سے مجھے سب سے زیادہ پیارا اور میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق زیادہ اچھے اور جس میں تواضع زیادہ ہوگی اور تم میں سے گھمنڈی لوگ قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور ہوں گے۔" (بحار الانوار)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "آسمان میں دو فرشتے ہیں جو انسانوں پر موکل ہیں۔ جو شخص عاجزی کرتا ہے وہ اسے معزز اور بلند مرتبہ دکھاتے ہیں اور جو

غرور کرتا ہے اسے ذلیل و خوار کرتے ہیں۔"(کافی)(۱)

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "خدا اپنے مؤمن بندوں کو غرور سے نمازوں، زکوتوں اور روزوں کے وسیلے سے بچاتا ہے جو اس نے واجب کر دیے ہیں تاکہ ان کے نفس مطیع ہو جائیں اور ان کے دل ٹھہر جائیں۔ وہ ان میں جو کچھ غرور ہے اس طرح باہر نکال دیتا ہے کہ وہ عاجزی سے خاک پر رخسار رکھتے ہیں، اپنے آپ کو چھوٹا بنانے کے لئے اپنے اعضاء زمین سے چپکا دیتے ہیں، یعنی زمین پر بچھ جاتے ہیں اور باغی نفس کو غلام بنانے کی خاطر روزہ رکھتے رکھتے ان کے پیٹ پیٹھ سے جا لگتے ہیں۔"(نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ)

عبادت غرور کو ختم کر دیتی ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عبادتوں کے واجب ہونے کا بڑا سبب غرور کی بیماری کا دور ہونا اور عاجزی کی صفت کا پیدا ہونا ہے۔ چنانچہ صحت اور مقبولیت کی شرطوں کے ساتھ عبادتیں بجالانے کی کشش غرور دور کرنے کا اہم ترین علاج اس وجہ سے ہے کہ عبادت غرور کے ساتھ قابل قبول نہیں ہوتی کیونکہ یہ بندگی ہے آقائی نہیں ہے۔

عاجزی (تواضع) کے معنی اور اقسام

تواضع نفس کی وہ حالت ہوتی ہے جس سے عاجزی، انکسار اور اپنے آپ کو پست اور ذلیل سمجھنا مراد ہے۔ چنانچہ خلقت کے مطابق اور حقیقت اور اصلیت میں بھی ایسا ہی ہے یعنی انسان اپنی جگہ کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۔ تجھے بلندی چاہئے تو عاجزی کر۔ اس کوٹھے کے لئے اس کے سوا اور کوئی سیڑھی نہیں ہے۔
عاجزی تیرا سر بلند کرتی ہے۔ غرور تجھے خاک پر گرا دیتا ہے۔

ماچه ایم اندر جهان پیچ پیچ
چون الف اوخود ندارد هیچ هیچ
ہم اس پیچیدہ دنیا میں کیا ہیں
الف کی طرح جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے

تواضع موقع کے لحاظ سے تین قسم کی ہوتی ہے۔ خدا کے سامنے، پیغمبر اور امام کے سامنے اور لوگوں کے سامنے۔

خدا کے آگے عاجزی

جب انسان کو یقین آجاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ ہستی اور اس کے متعلقات سب کی اصلیت خدا کی بدولت ہے۔ اس نے استحقاق کے بغیر اور بن مانگے بے حد و حساب نعمتیں بخشی ہیں۔ وہ جو کچھ ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے خدا کی طرف سے ہے تو اس کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے خدا کی عظمت کے سامنے انکسار اور ذلت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس حالت کے ساتھ کچھ باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کے آگے سر جھکاتا اور خلوص سے اس کی فرماں برداری کی کوشش کرتا ہے۔ ہمیشہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے اور بندگی کے فرائض انجام دینے میں اپنے آپ کو ہمیشہ تقصیروار پاتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ جیسا اس کا حق ہے ویسی اس نے اس کی عبادت نہیں کی ہے اور وہ اپنا کوئی حق نہیں سمجھتا۔

انہیں ضروری باتوں میں تازہ نعمتوں کا جو اسے ملتی ہیں بار بار شکر بجالانا بھی ہے اور اچھا ہے کہ اس وقت بلکہ جس وقت بھی پچھلی نعمتوں کو یاد کرے اس کے شکر کا سجدہ بجالائے۔

خدا کی نعمتوں کے لئے عجز وانکسار

وہ نعمت الٰہی کو بڑا سمجھتا اور اس کا احترام کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے محبوب اور منعم حقیقی کی طرف سے ملتی ہے خصوصاً طرح طرح کی غذائیں اور مشروبات۔ روایت ہے کہ جب تم کھانا کھاؤ اور وہ تمہیں نقصان دے تو یہ نہ کہو کہ کھانا برا ہے۔ اس نے مجھے بیمار ڈال دیا بلکہ یہ کہو کہ میری طبیعت فلاں کھانے سے مناسبت نہیں رکھتی تھی میں نے بے موقع کھالیا۔

کھاتے وقت غلام کی طرح بیٹھو اور غلام کی طرح کھانا کھاؤ۔ رسول خداؐ دستر خوان پر اس طرح بیٹھتے تھے جیسے نماز میں تشہد کے لئے بیٹھتے ہیں۔

کھانے میں تواضع کا طریقہ یہ ہے کہ اونچے دستر خوان پر کھانا نہ کھاؤ بلکہ جوتے اتار کر نہایت ادب سے زمین پر بیٹھو۔ دستر خوان پر روٹی کا خاص طور پر احترام کرو کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی حدیثیں ملتی ہیں۔ گھر میں جو بھی ہو بیوی، بیٹا، نوکر، ماما سب اکٹھے ایک دستر خوان پر بیٹھیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو دستر خوان پر نہ بٹھائیں اور اس کے لئے علیحدہ جگہ مقرر کریں۔

کھانا کھانے کے آداب بہت ہیں اور ان میں سب سے اہم منعم حقیقی (نعمت دینے والے خدا) کو یاد رکھنا اور اس کی طرف دھیان دینا ہے، اس کے نام سے شروع کرنا (بسم اللہ کہنا) اور اس کے شکر پر کھانا ختم کرنا (الحمد للہ کہنا) ہے۔

خدا کے سامنے عاجزی کرنے سے خدا کے طریقوں اور محترم کی ہوئی چیزوں اور باتوں کی عزت اور احترام کرنا مراد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید اور خدا کے ناموں کی عزت کرنا ہے۔ انہیں طہارت کے بغیر نہیں چھونا چاہئے۔ خصوصاً پیروں میں یا نیچے گرنے نہیں دینا چاہئے۔ ان کی طرف پاؤں نہ

پھیلائے اور جو چیزیں خدا سے منسوب ہیں جیسے مسجدیں ان سب کا پورا پورا احترام کرنا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: "مسجدیں خدا کی ہیں۔" اس لئے مسجد میں تھوکنا، بدبو کے ساتھ داخل ہونا یا پکارنا یا دنیا کی باتیں نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ سب چیزیں تواضع کے خلاف ہیں۔

پیغمبرؐ اور امامؑ کے سامنے عاجزی

خدا کے سامنے عاجزی کا سب سے بڑا نتیجہ پیغمبرؐ اور امامؑ کے سامنے عاجزی ہے کیونکہ یہ خدا کی سب سے بڑی نشانیاں ہیں اور اس کے نمائندے اور نائب ہیں اور ان کے سامنے عاجزی خدا کے سامنے عاجزی ہے اور جہاں تک ہو سکے ان کے سامنے چھوٹا بننے سے دریغ نہ کرے۔ پاکی کے بغیر ان کے نام نہ چھونا بھی تواضع ہے جس وقت ان کا نام لیا جائے تو زبان پر نہایت احترام اور شکوہ سے جاری کیا جائے اور ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔

بعض بزرگ وضو کے بغیر معصومینؑ کا نام زبان پر جاری نہیں کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت امام صادقؑ حضرت محمدؐ کا نام لیتے وقت اتنے جھک جاتے تھے کہ آپ کا چہرہ زانو کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ عامل علماء اور سادات کے عظیم خاندان کے سامنے عاجزی گویا پیغمبر اور امام کے سامنے عاجزی ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔

لوگوں کے سامنے عاجزی

سب لوگ آپس میں برابر ہیں اور سب کے سب خدا کی مخلوق، ماتحت اور اس کے مقہور اور تربیت یافتہ ہیں اور جس طرح کوئی شخص کسی جگہ ہو غرور کرنے اور دوسرے کے سامنے بڑائی جتانے کا نہ عقل کی رو سے حق رکھتا ہے اور نہ شرع کے

لحاظ سے اسی طرح دوسرے سے عاجزی اور خوشامد کا حق بھی نہیں رکھتا۔ جس طرح ایک بادشاہ کے غلام ایک دوسرے کے سامنے غرور کرنے کا حق نہیں رکھتے اور انہیں دوسرے سے خوشامد اور عاجزی کرانے کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ سب ایک دوسرے کی طرح ہیں اور جس طرح اگر کوئی غلام دوسرے کے سامنے اکڑتا ہے تو عقل مند لوگ اسے ملامت کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرے سے خوشامد اور عاجزی کرنے کی امید رکھتا ہے تو عقل مند لوگ اس کو برا کہتے ہیں کیونکہ سبھی ایک جیسے ہیں۔

لیکن دوسرے لحاظ سے بعض انسان خصوصیت رکھتے ہیں کیونکہ عقل اور شریعت دونوں نے ان کی تعظیم کی ہے اور ان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لحاظ سے انہیں دوسروں کی جانب سے عاجزی کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اور دوسروں کو ان کے سامنے انکسار اور عاجزی دکھانا چاہئے، جیسے والدین جن کے سامنے عاجزی دکھانا اولاد پر عقلی اور شرع کی رو سے واجب ہے۔ درحقیقت والدین کے سامنے عاجزی اور انکسار خدا کے سامنے عاجزی ہے کیونکہ وہ خدا کی جانب سے پرورش کا ذریعہ ہیں اور خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں جس طرح ایمان اور تقویٰ کے عنوان کو ہر صاحب ایمان اور ہر صاحب تقویٰ کے سامنے جھکنا چاہئے کیونکہ مؤمن کا تعلق خدا سے ہے اور اس پر خدا کی توجہ اور مہربانی ہوتی ہے۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "خدا کے نزدیک مؤمن کا احترام کعبے کے احترام سے زیادہ ہے۔" (مستدرک کتاب حج باب ۱۰۵ حدیث ۱۶)

درحقیقت مؤمن کے لئے عاجزی اور انکسار دکھانا اس کی ایمان کی وجہ سے خدا کے سامنے عاجزی دکھانے کے برابر ہے جیسے کوئی غلام غلاموں میں سے چنا ہوا

بادشاہ کا منظور نظر ہوتا ہے اور اس کے قریب آجاتا ہے۔ اس حالت میں اس کی عزت سلطان کی عزت اور اس کی توہین بادشاہ کی توہین ہو جاتی ہے جس طرح عالم اور معلم کی بات ہوتی ہے کہ عالم جو فوقیت رکھتا ہے اس کی وجہ سے سب پر واجب ہے کہ اس کا احترام کریں۔ ملاحظہ کریں سورۃ زمر آیت ۹ یا جیسے کوئی بوڑھا، قوم کا بڑا آدمی اور مہمان وغیرہ ایسے طبقے ہیں جن کی عزت کرنے اور ان کے سامنے جھکنے کا خصوصیت سے حکم دیا گیا ہے۔

کافر اور بدکار کے سامنے جھکنا غلط ہے

بعض نام والوں کے سامنے عجز و انکسار نہیں دکھانا چاہئے بلکہ ان کے سامنے اپنے آپ کو اونچا رکھنا چاہئے جیسے کافر، کافر کے سامنے کوئی عاجزی نہیں دکھانا چاہئے کیونکہ یہ خدا کی نفرت اور غصے کا سبب ہے، اپنے آپ کو انسانیت کے درجے سے گرانا اور ہر پستی سے پست کر دینا ہے بلکہ قیامت میں وہ شخص آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہوتا۔ (سورۃ نباء آیت ۴۰)

چنانچہ مؤمن کے سامنے عجز و انکسار دکھانا اور کافر کے سامنے عالی و محترم بننا چاہئے۔ اگر مؤمن کافر کے سامنے جھکے گا تو اصل میں خدا پر لائے ہوئے اپنے ایمان کی ذلت اور اس کی کفر کی عزت کرے گا اور یہ حقیقت کے خلاف بات ہوگی کیونکہ عزت تو خدا، پیغمبرؐ اور مؤمنوں کے لئے ہے۔ (سورۃ منافقون آیت ۸)

ایسے شخص کے سامنے بھی نہیں جھکنا چاہئے جس نے ظلم کو اپنا پیشہ بنالیا ہو یا کھلم کھلا گناہ کرتا ہو۔ یعنی نڈر اور بے پرواہ ہو گیا ہو اور کھلے بندوں خدا کی محترم بتائی ہوئی باتوں کی توہین کرتا ہو بلکہ خدا کی خاطر اس پر غصہ کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں سے رکھائی سے ملنا چاہئے جیسا کہ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں حکم دیا

ہے کہ گناہگاروں سے ہم منہ بگاڑ کر ملیں۔ (وسائل الشیعہ کتاب الامر بالمعروف)

مغرور کے لئے جھکنا بھی غلط ہے

اس بے وقوف کے سامنے جو غرور کرتا ہے اور دوسروں کو چھوٹا اور حقیر گردانتا ہے انکسار نہیں دکھانا چاہئے کیونکہ اول تو کسی مغرور کے سامنے عاجزی ایک قسم کی ذلت ہے جو عقل اور شرع دونوں کے لحاظ سے ناپسندیدہ بات ہے دوسرے مغرور کے سامنے عاجزی اس کی اس نامعقول حرکت (غرور) کو جاری رکھنے کی جرات دلاتی ہے۔ چنانچہ اسے عاجزی اور انکسار نہ دکھائیں تو ہو سکتا ہے کہ اسے کان ہو جائیں اور وہ غرور ترک کردے۔ اس لئے نہی عن المنکر کے لحاظ سے اسے انکسار نہیں دکھانا چاہئے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جب تم میری امت کے منکسر مزاج لوگوں سے ملو تو ان کے سامنے عاجزی سے کام لو جب مغروروں سے ملو تو ان سے اکڑ کر بات کرو کیونکہ تمہاری اکڑ انہیں ذلیل کردے گی۔" (جامع السعادۃ)

عاجزی نہ دکھانے اور گھمنڈ کرنے میں فرق ہے

اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ کافر، بدکار اور گھمنڈی کے سامنے نہ جھکو بلکہ اپنے آپ کو ان سے بلند رکھو اور جتاؤ اور ان پر غصہ کرو کیونکہ ان سے خدا ناراض ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان واقعی ان سے اپنے آپ کو اونچا سمجھے اور انہیں اپنے آپ سے نیچا گنے، ان سے یہ امید کرے کہ وہ اپنے آپ کو چھوٹا رکھیں اور اپنے آپ کو ان سے بلند مقام اور والا شان جانے بلکہ اپنے آپ کو بھی اور ان کو بھی عاجز بندہ سمجھے۔ جس نے نجات پائی خدا کی مدد سے پائی اور جو ہلاک ہوا وہ اپنی بدبختی سے ہوا۔ ممکن ہے اسی کافر یا بدکار کو توبہ کی توفیق ہو جائے اور اس کا انجام اچھا ہو جائے لیکن فی

الحال چونکہ ہمیں یہ حکم ملا ہے ہم ان سے رکھائی برتیں گے۔ خدا نہ کرے ہم غرور نہیں دکھائیں گے۔ غرض شخصیت کا بالکل لحاظ نہیں کرنا چاہیے اور صرف حکم جالانے اور ایمانی فرائض پر عمل کرنے کے لئے جس بات کو خدا ناپسند کرتا ہے اسے ناپسند کرے اور اس کے سامنے نہ جھکے۔

اس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ خدا کی خاطر غصہ کرنے اور گھمنڈ نہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ایک مثال بیان کی جاتی ہے جب کوئی بادشاہ اپنے نوکر کو یہ حکم دیتا ہے کہ تو میرے بیٹے کی کوئی خطا دیکھے تو اس پر ناراض ہونا اور اسے مارنا۔ پھر اگر نوکر بادشاہ کے بیٹے کی کوئی خطا دیکھتا ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ اس پر غصہ کرے اور اسے مارے ورنہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ اس کے سامنے غرور کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس سے اونچا سمجھتا ہے (بلکہ وہ اسے بادشاہ کے نزدیک اپنے آپ سے زیادہ پیارا، اونچا اور باعزت سمجھتا ہے)۔ جب غصہ اور گھمنڈ جمع ہو جائیں تو انسان جان لے کہ یہ غصہ خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ نفس کی خواہش کے لئے ہے۔

غرور بندگی کے ساتھ نہیں چل سکتا

غرور سے مراد نفس کی بغاوت اور خدا کی عظمت اور اپنی پستی اور ذلت کو بھول جانا ہے۔ انسان اپنے آپ کو والا شان اور بلند مرتبت سمجھتا اور دوسروں کو اپنے آپ سے پست اور حقیر جانتا ہے۔ یہ خود پرستی کی حالت ہوتی ہے جو خدا پرستی کی ضد ہے۔ اس لئے ہر طرح سے بری ہے اور اس قابل نہیں ٹھہرتی کہ کبھی بھی خدا اس کا حکم دے یا اس کی تعریف کرے۔ چنانچہ کافر، گناہگار اور مغرور دولت مند کے سامنے غرور کرنے سے مراد خدائی پہلو کی اس طرح عزت کرنا اور اس کی عظمت ظاہر کرنا

ہے کہ کافر کے سامنے بالکل نہ جھکے خدا پر اپنے ایمان کو جو اس کی سب سے بڑی نعمت ہے کافر کے سامنے نہایت معزز و محترم ظاہر کرے۔ گناہگار کے سامنے تقویٰ کی عزت بھی واضح کرے جو خدا کے نزدیک محترم صاحب ملکیت ہوتا ہے۔ دولت مند کے سامنے اس کے خیال کا چھوٹا پن جو اس کے غرور کا سبب بنا ہے اور خدائی خزانوں کی عزت اور بڑائی ظاہر کرے۔ اس کی دولت مندی کے سامنے کوئی جھکاؤ نہ دکھائے اور اپنے عمل سے مغرور کی بے وقوفی اور جہالت کا احساس دلاتے ہوئے اسے سمجھا دے کہ خدائی صرف پیدا کرنے والے کے لئے ہے اور اس کے سوا جو بھی غرور کرتا ہے وہ احمق ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اگر اس طرح کا عمل ہو تو کوئی غرور اور نفسانی خواہش بیچ میں نہیں آتی بلکہ تمام احترام اور عظمت کا اظہار خدا کے لئے ہوتا ہے۔ نخوت اور غرور کے لئے نہیں، لیکن بہت چوکنا اور محتاط رہنا ضروری ہے تاکہ عمل کے وقت غلطی نہ ہو جیسا کہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے کہ انسان کسی منکر (ممنوعہ عمل) کے سامنے آتا ہے اور جیسے ہی منع کرنا چاہتا ہے خواہش نفس بیچ میں آجاتی ہے اور وہ گناہ میں پھنس جاتا ہے۔

جو کام خدا کے لئے ہو اور جو کام خواہش نفس سے کیا جائے ان دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے حالانکہ عمل کی صورت ایک ہی رہتی ہے۔ اگر عمل خدا کیلئے ہے تو عبادت ہے اور قرب الٰہی اور شیطان پر غلبہ حاصل کرنے کا سبب ہے اور اگر نفس کی خواہش شامل ہے تو گناہ ہے، خدا سے دور ہونا اور شیطان سے مغلوب ہونا ہے۔

دولت مند کی دولت کے لئے جھکنا ہلاک کرنے والا ہے

مالداروں کے سامنے عجز و انکسار اگر ان کی دولت کے لحاظ اور ان کے دنیاوی

مال کے لالچ میں دکھایا جائے تو قرآن مجید اور روایتوں کے سخت خلاف ہوگا۔ قرآن میں کہا گیا ہے: "اس پر نظر نہ ڈال جو ہم نے انہیں دنیاوی زندگی کی زینت کے لئے دیا ہے تاکہ ہم اس سے ان کی آزمائش کریں۔" (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۱) درحقیقت دولت مندوں کے سامنے ان کی دولت کی وجہ سے جھکنا مال دنیا کی خوشامد ہے جسے اس نے کارساز سمجھ لیا ہے اور خدا سے غافل ہو گیا ہے اور یہ خدا کا شریک ٹھہراتا ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "جو شخص دولت مند کے پاس جاتا اور اس کے مال کی وجہ سے اس کے سامنے جھکتا ہے خدا اس کا دو تہائی دین ختم کر دیتا ہے۔" پیغمبر اکرمؐ سے بھی اسی قسم کی روایت ملتی ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۵)

اس کا دو تہائی ایمان جو چلا جاتا ہے اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ ایمان کے تین پہلو ہوتے ہیں۔ دل سے عقیدہ، زبان سے اقرار (شہادتین) اور ارکان پر عمل (واجبات ادا کرنا اور حرام باتیں چھوڑ دینا)۔ اسی طرح مالداروں کے سامنے عاجزی ان کی دولت کے لالچ سے کبھی صرف دل سے ہوتی ہے کبھی زبان سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی اس قدر شدید بھی ہو جاتی ہے کہ جسم کے اعضاء میں بھی سما جاتی ہے چونکہ شاید دولت مندوں کے سامنے لالچی لوگوں کے دل سہمے رہتے ہیں اور زبان سے بھی ان کی چاپلوسی اور خوشامد میں اپنے آپ کو چھوٹا جتاتے ہیں اس لئے ان کا دو تہائی ایمان جاتا رہتا ہے اور اگر تمام جسمانی اعضاء سے کوئی خوشامد کرتا ہے مثلاً ہاتھ پاؤں چومتا ہے یا اس کے جسم سے کچھ اور ایسی ہی خوشامد آمیز حرکتیں کرتا ہے تو اس صورت میں اپنا پورا دین ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس تھا اور جو کچھ وہ کر سکتا تھا وہ اس نے مخلوق کے سامنے کر ڈالا اور اب اس کے پاس اپنے خالق کے لئے کچھ باقی نہیں بچا۔

دولتمند کی خوشامد اور غریب کا غرور خدا کی خوشنودی کی خاطر

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ دولت مندوں کا خدا کی خوشنودی کے خاطر غریبوں اور حاجت مندوں کے لئے جھکنا بہت اچھا ہوتا ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست
بڑے لوگوں کا جھکنا اچھا ہوتا ہے
فقیر کا جھکنا تو اس کی عادت ہی ہے

اور مفلسوں کا خدا پر توکل کرتے ہوئے دولت مندوں سے اکڑنا اس سے اچھا ہے۔(نہج البلاغہ) یعنی حاجت مند دولت مند کے سامنے فقیروں کی سی خوشامدیں اور کمینوں کی سی عاجزی ترک کردے اور اس کی دولت کے آگے نہ جھکے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اعلیٰ اور بلند سمجھے اور غرور کرے جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے کہا جاچکا ہے۔

اگر دولت مند اپنی دولت پر پھولتا اور اکڑتا ہے تو فقیر کو بھی چاہئے کہ وہ اس خدا پر تکیہ کرے جو آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کا مالک ہے اور اپنے آپ کو بے پرواہ رکھے۔(۱)

۱۔ کتاب لئالی الاخبار میں لکھا ہے کہ ایک دولت مند شخص زرق برق لباس میں رسول خداؐ کی خدمت میں آیا اور بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ایک غریب شخص پھٹے پرانے لباس میں آکر پاس ہی بیٹھ گیا۔ مالدار اپنا لباس سمیٹ کر ذرا دور ہٹ گیا۔ رسول خداؐ نے فرمایا: "کیا تم ڈر گئے کہ اس کی مفلسی کا کچھ تم پر اثر نہ ہو جائے؟" وہ بولا: "نہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا تم کو یہ ڈر ہوا کہ تمہاری دولت کم ہو کر اس کے پاس نہ پہنچ جائے؟" اس نے کہا: "نہیں۔" پھر آپؐ نے فرمایا: "کیا تم کو یہ اندیشہ ہوا کہ تمہارا لباس نہ میلا ہو جائے؟" وہ بولا: "نہیں۔" تو آپؐ نے فرمایا: "پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں یہ دھیان رہے کہ مالدار کی خوشامد سے ممانعت صرف دولت کے لحاظ سے ہے ورنہ اگر ایمان اور تقویٰ وغیرہ کسی دوسرے سبب سے ہو تو عجز اور انکسار ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بالکل حکم کے مطابق ہے۔ صرف دھیان یہ رہے کہ جھکاؤ دولت کی طرف نہ لے جائے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا جھکاؤ مؤمن اور متقی مفلس اور مؤمن اور متقی دولت مند کے ساتھ ایک سا ہو۔

عجز و انکسار میں افراد کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے

عاجزی کی ایک حد ہوتی ہے جب انسان اس سے گزر جائے تو انسان کی توہین اور ذلت کا سبب بن جاتی ہے اور مؤمن کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو اس کی توہین و ذلت کا سبب ہو۔ اس لئے عاجزی کے معاملات اور اس کی کیفیت میں پورے طور پر درمیانی راہ اختیار کرنا چاہئے۔ مثلاً غیر کے مقابلے میں والدین یا رشتے دار کی خاطر زیادہ انکسار برتنا چاہئے اور باعمل علماء اور سادات کی خاطر دوسروں سے زیادہ متواضع ہونا چاہئے اور قوم سے زیادہ قوم کے سردار کی خاطر زیادہ انکسار سے کام لینا چاہئے کیونکہ جو تواضع والدین، علماء اور سادات کے لئے مناسب ہے جیسے ان کے ہاتھ چومنا ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے باعث توہین و ذلت ہو اس لئے تواضع میں اشخاص اور ان کے حالات و مقامات کا خیال رکھنا چاہئے۔

سفینۃ البحار میں امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ

گزشتہ سے پیوستہ:

وہ بولا: "میرا نفس مجھے ہر اچھے کام کو برا اور ہر برے کام کو اچھا جتاتا ہے اور میں نے اپنے برے کردار کی تلافی کے لئے اپنی آدھی دولت اس غریب کو دے ڈالی۔" آنحضرتؐ نے اس غریب سے پوچھا: "کیا تم ان کی دولت قبول کرتے ہو؟" اس نے کہا: "نہیں۔" آپؐ نے پوچھا: "کیوں؟" اس نے عرض کیا: "مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں بھی اس کی طرح غرور میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔"

کے پاس مؤمنوں میں سے ایک باپ اور اس کا بیٹا پہنچے تو آپؑ ان کے لئے کھڑے ہو گئے، ان کی تعظیم کی، انھیں مجلس میں عزت کی جگہ بٹھایا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپؑ نے حکم دیا۔ کھانا آیا، دونوں نے کھایا، پھر قنبر لگن، آفتابہ اور تولیہ لائے، آپ نے آفتابہ قنبر سے لے کر باپ کے ہاتھ دھلانا چاہا، اس شخص نے قبول نہیں کیا۔ آپؑ نے اسے قسم دی کہ وہ اسی اطمینان سے اپنے ہاتھ دھوئے جیسے کہ قنبر اس کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہو، اس شخص نے قبول کر لیا، جب آپ اس شخص کے ہاتھ دھلوانے سے فارغ ہو گئے تو آپؑ نے آفتابہ اپنے بیٹے محمد بن الحنفیہ کو دے کر فرمایا: "بیٹے! اگر لڑکا اکیلا میرے پاس آیا ہوتا تو میں خود اس کے ہاتھوں پر پانی ڈالتا لیکن خدا نے نہیں چاہا کہ جہاں باپ بیٹے یکجا ہوں تو دونوں کے ساتھ ایک سا برتاؤ کیا جائے، تو میں نے باپ کے ہاتھ دھلائے تم بھی جو میرے بیٹے ہو اس لڑکے کے ہاتھوں پر پانی ڈالو تاکہ باپ باپ کے اور بیٹا بیٹے کے ہاتھ دھلوائے۔"

عجز و انکسار کی علامتیں

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ آدمی مجلس کے آخر میں بیٹھنے پر رضامند ہو، جس کے بھی سامنے جائے سلام میں ابتدا کرے، لڑائی سے پرہیز کرے چاہے وہ حق پر ہو اور دوسرے کو پسند نہ کرتا ہو، پرہیزگاری میں مشہور ہو۔ جو شخص ان چاروں باتوں پر برابر عمل کرتا ہے عجز و انکسار کی خوبی حاصل کر لیتا ہے یعنی تواضع کی علامتیں یہ چار باتیں ہیں۔

امیر المؤمنینؑ اپنی وصیت میں فرماتے ہیں: "عاجزی اختیار کر کیونکہ یہ سب سے بڑی عبادت ہے۔" (سفینۃ البحار)

سفینۃ البحار میں روایت ہے کہ موسیٰؑ بن عمران ہر نماز کے بعد اپنے چہرے کا

دایاں اور بایاں رخ خدا کے سامنے عاجزی کے لئے خاک پر ملتے تھے اسی وجہ سے خدا نے انہیں اپنا کلیم کہا۔

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: "عاجزی یہ ہے کہ تو لوگوں کو وہی دے جو کوئی دوست دار تجھے دیتا ہے۔" (کافی)

حسن بن جہم نے آپؑ سے پوچھا کہ تواضع کا کیا اندازہ ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: "تواضع کے درجے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ انسان اپنا اندازہ خود لگائے اور اسے مناسب مقام پر عمل میں لائے اور دل بالکل درست رہے۔ دوسرے کو وہی چیز دے جو چاہتا ہے کہ وہ اسے دی جائے۔ اگر کسی نے برائی کی تو اسے بھلائی سے روک دے (برائی کے بدلے بھلائی کرے)۔ اپنا غصہ پی ڈالے۔ لوگوں سے درگزر کرے اور خدا نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (کافی)

ہمارے پیشوا سب سے بڑھ کر عاجزی کرتے تھے

سفینۃ البحار میں روایت ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کسی سوڈانی شخص کے پاس سے گزرے جو کالا اور بدصورت تھا۔ آپ نے اسے سلام کیا۔ اس کے قریب گئے اور اس سے کافی بات چیت کی۔ پھر فرمایا: "تمہیں کوئی کام ہو تو بتاؤ تاکہ میں کروں۔" لوگوں نے کہا: "اے فرزند پیغمبرؐ کیا تم ایسے شخص کے پاس آکر اس کی ضروریات پوچھ رہے ہو جو تم سے بھی زیادہ حاجت مند ہے۔" امامؑ نے فرمایا: "یہ خدا کا بندہ اور ہمارا دینی بھائی ہے، ہمارے اور اس کے بہترین باپ جو ابوالبشر آدمؑ ہیں اور بہترین دین جو اسلام ہے اس میں دونوں موجود ہیں اور شاید زمانہ ہمیں اس کا محتاج بنا دے تو ہم کس لئے اس پر تکبر کریں؟"

غرور کی جڑ جس سے بھی ہو کاٹ دینا چاہئے

محمد بن مسلم کوفے کا ایک دولت مند سردار اور حضرت امام باقرؑ کا صحابی تھا۔ ایک دن حضرت امام باقرؑ نے اس سے فرمایا: "اے محمد! تمہیں عاجزی کرنا چاہئے۔" جب محمد مدینے سے کوفے کو پلٹا چھوہاروں کی ٹوکری اور ترازو اٹھائی اور کوفے کی جامع مسجد کے دروازے میں جا بیٹھا اور آواز لگانے لگا: "جو کوئی چھوہارے چاہتا ہے آئے اور مجھ سے خریدے۔" (یہ کام نفس کا غرور دور کرنے کے لئے کر رہا تھا) اس کے رشتے دار آئے اور کہنے لگے کہ: "تو نے ہمیں اپنی اس حرکت سے بدنام کر دیا۔" اس نے کہا: "میرے مولا نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے میں اس کے خلاف نہیں کروں گا اور اس مجمع کے مقام سے اس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک کہ اس ٹوکری کے تمام چھوہارے نہ بیچ لوں۔" اس کے رشتے داروں نے کہا: "اب جو تو خرید و فروخت کرنا ہی چاہتا ہے تو اس مقام پر چلا جا جہاں گیہوں پیستے ہیں۔" اس نے منظور کر لیا۔ اونٹ اور چکی کے پتھر خرید لئے اور گیہوں پیسنے لگا۔ (تاکہ اس کام سے اپنے نفس کا غرور دور کرے اور اپنے آپ کو ایک عام آدمی کے برابر سمجھے)۔ (سفینۃ البحار منقول از کتاب اختصاص)

۸ مسلمانوں سے لڑائی

چونتیسواں گناہ جسے معتبر نص میں گناہ کبیرہ بتایا گیا ہے خدا کے دوستوں (یعنی مسلمانوں) سے لڑائی ہے جیسا کہ اعمش کی روایت میں حضرت امام صادقؑ نے اور فضل بن شاذان کی روایت میں حضرت امام رضاؑ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کے عوض عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور دنیاوی سزا جو حد ہے اس کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ میں کہا گیا ہے: "جو لوگ خدا اور اس کے پیغمبر سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہیر پھیر کر ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں (دائیں ہاتھ کا کچھ حصہ اور بایاں پاؤں یا اس کے برعکس) یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔ ان کے لئے یہ رسوائی تو دنیا میں ہے اور آخرت میں ان پر سخت عذاب ہو گا البتہ اس سزا سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں گے۔ تم لوگ جان لو کہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے۔" (سورۂ مائدہ آیات ۳۳ و ۳۴)

منہج میں لکھا ہے کہ سن چھ ہجری میں عونیہ اور عکل کے کچھ لوگ حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے سرفراز ہو کر رسول خداؐ کی صحبت میں رک گئے۔ چونکہ مدینے کی ہوا ان کے مزاج کے موافق نہیں آئی بیمار پڑ گئے۔ یہ کیفیت آنحضرتؐ سے عرض کی گئی تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ مدینے سے باہر چلے جائیں اور دودھ دینے والی اونٹنیوں کے بیچ میں رہیں جو جبل العیر کے قریب تھیں تاکہ اس مقام پر چند دن رہیں اور اونٹنیوں کا پیشاب اور دودھ پئیں جس سے ان کی بیماری دور ہو جائے۔ یہ لوگ اس گاؤں کو چلے گئے اور جب کچھ عرصے تک وہاں

رہے تو اچھے ہو گئے۔ ایک صبح کو انہوں نے صلاح کر کے رسول خداؐ کے خاص اونٹوں میں سے پندرہ اونٹ چرا لئے اور مرتد ہو کر اپنے گھر کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ خبر مدینے میں پہنچی پس حضرت رسول خداؐ کے غلام یسار نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر ان کا پیچھا کیا اور انہیں جا لیا لڑائی ہوئی اور آخر کار یسار کو پکڑ کر انہوں نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور اس کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھو دیئے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ جب رسالت مآب کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپؐ نے کرز بن جابر کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ اس نے ان سب کو پکڑ کر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور رسول خداؐ کے پاس لے آیا۔ خدا نے یہ آیت نازل کی تو رسول خداؐ نے حکم دیا چنانچہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور سولی پر لٹکا دیئے گئے۔ (منہج کا بیان یہاں ختم ہو جاتا ہے) ایسا ہی مضمون کچھ فرق کے ساتھ اہل بیتؑ کی روایات میں بھی ملتا ہے۔

محارب کون ہوتا ہے؟

فقیہوں کے نزدیک محارب وہ شخص ہوتا ہے جو تلوار، نیزہ، چھری، بندوق، لکڑی، پتھر وغیرہ ہتھیار باندھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ڈرا کر ان کا مال اسباب اور عورتیں لے بھاگے یا انہیں قتل کر ڈالے چاہے وہ شخص اکیلا ہو چاہے کچھ لوگ اور بھی اس کے ساتھ ہوں اور چاہے اس کی غرض پوری ہو یا نہ ہو یعنی لوگ ڈر جائیں اور وہ مال لے بھاگے یا کسی کو قتل کر ڈالے یا نہ کرے۔ جب وہ اس نیت سے ہتھیار باندھ کر چلتا ہے تو محارب یعنی لڑاکا ہے اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سمندر میں ہو یا خشکی پر، شہر اور آبادی میں ہو یا صحرا اور بیابان میں لٹیروں کی طرح ہو۔ یہاں تک کہ وہ ہتھیار باندھ کر کسی مسلمان کے گھر میں رات کے وقت یا دن کو گھس پڑے اور گھر والوں پر حملہ کر دے تو بھی محارب ہے۔

کتاب کافی میں لکھا ہے کہ سورۃ بن کلیب نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو اپنے گھر سے نکل کر مسجد یا کسی دوسری جگہ جانا چاہتا ہے اور ایک شخص اس کا پیچھا کرتا ہے، اسے مارتا ہے اور اس کے کپڑے چھین لیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "ایسا شخص لڑاکا ہے اور اس پر "انما جزاء الذین یحاربون...." کا اطلاق ہوتا ہے۔"

اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لڑاکا مسلمان ہے یا غیر مسلم، مرد ہے یا عورت، اسلامی مملکت میں ہے یا کافروں کے ملک میں۔ "یسعون فی الارض فسادا" کے جملے سے جو اس آیت میں موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ محارب کا مطلب مسلمانوں سے ہی لڑائی نہیں ہے بلکہ اس سے زمین میں ہر جھگڑا اور امن عامہ میں خلل مراد ہے جو خوف وہراس پھیلا کر اور عموماً ہتھیار استعمال کر کے اور قتل کی دھمکی دے کر پیدا کیا جاتا ہے غرض محارب (لڑاکا) وہ شخص ہے جو ہتھیار لگا کر اور مسلمانوں پر چڑھائی کر کے جان، مال اور عزت کی امان ختم کرتا اور چین و آرام چھین لیتا ہے۔

خدا اور پیغمبر اکرمؐ سے لڑائی

اس آیت میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے سے خدا اور رسولؐ سے لڑنے والا مراد ہے اس کی وجہ یا تو مسلمانوں کی تعظیم اور شان بڑھانا ہے اس طرح سے کہ جو معاملہ ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ گویا خدا اور رسولؐ کے ساتھ ہوا کیونکہ وہ خدا اور رسولؐ سے وابستہ ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا اور ان کے مال یا عزت یا جانوں پر ہاتھ ڈالنا حرام کر دیا ہے اور جو اس حکم کے خلاف کرتا ہے وہ خدا اور رسولؐ سے لڑنے والا اور محارب ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: خدا نے فرمایا ہے کہ جو میرے مؤمن

بندے کو ستاتا ہے وہ میرے خلاف لڑنے کا اعلان کرے اور جو میرے مؤمن بندے کی عزت کرتا ہے وہ میرے غصے سے امان میں رہے۔(کافی)

یہ بھی فرمایا ہے کہ: "جو کوئی میرے دوست کی توہین کرتا ہے وہ کھلم کھلا میرے خلاف لڑائی کے لئے کھڑا ہو گیا ہے۔" (کافی)

محارب کی حد

جیسا کہ آیت میں بیان ہوا ہے کہ اس کے ساتھ چار میں سے کوئی ایک عمل ہو سکتا ہے۔ قتل، پھانسی، الٹے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور دیس سے نکالنا۔

برہان قرآن کے صفحہ ۱۸۸ پر یوں لکھا ہے: فقیہوں کی زبان میں محاربہ سے مطلب یہ ہے کہ ایک ہتھیار بند شخص لوگوں کو ڈرانے کے لئے بستی یا بیابان یا سمندر میں رات کو یا دن کو روکے ٹوکے۔ وہ چاہے کمزور ہو یا طاقتور، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ایسا شخص فقہ کی زبان میں محارب کہلاتا ہے اور قرآن مجید اس کے عمل کو خدا اور رسولؐ کے خلاف لڑائی کے برابر شمار کرتا ہے اور اس کے متعلق کہتا ہے: "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ۔"

آیت کے ترجمے کے بعد لکھا ہے: محترم قارئین! یہ ایک معاملہ ہے جس نے کچھ روشن خیال لوگوں کی حساس طبیعت اور نازک دل کو دکھایا اور ستایا ہے اور ان کی نظر میں اسلامی سزاؤں کو جنگلی اور ظالمانہ بنا دیا ہے لیکن ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اس روشن خیال طبقے کا دل ہمیشہ مجرموں، لٹیروں اور قاتلوں ہی کے لئے کیوں ٹوٹتا ہے اور انہیں کے لئے ان کی محبت کیوں چھٹی پڑتی ہے لیکن وہ بے گناہ مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کے لئے جن کا مال، عزت اور زندگی اس باغی اور ظالم گروہ کے لالچ، خواہش اور ہوا و ہوس کا نشانہ بنتے ہیں رحم اور مہربانی کا اظہار نہیں کرتے۔

کیا سماج کے امن و سکون اور سلامتی اور بھلائی کی خاطر اس قسم کے لوگوں کی سزا اور سر کوبی موت اور بیماری کے خطرے سے ایک بیمار کی سلامتی اور نجات کی خاطر لاکھوں کروڑوں جراثیم کے مار ڈالنے سے کچھ مختلف ہے؟ کیا کوئی عقل مند آدمی ایک امپول کے انجکشن سے اتنے جراثیم مار ڈالنے کے باعث ایک ماہر ڈاکٹر پر اعتراض کرے گا اور اس کے عمل کو وحشیانہ اور ظالمانہ کہے گا؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر انصاف پسند انسان اس حکم کو سماج کے لئے رحم اور شفقت کا مظہر اور لٹیروں اور مجرموں کے لئے عدل و انصاف پر مبنی سمجھے گا پھر بھی اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ اسلام کے مہربان قانون بنانے والے نے یہ سزا جاری کرنے میں بھی رحم اور شفقت سے کام لیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے سلسلے میں حضرت امام باقرؑ سے روایت کی گئی ہے کہ محارب کی سزا اس کے استحقاق (جرم) کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اس نے قتل کیا ہے تو اس کی سزا ہاتھ پاؤں کاٹنا ہے۔ اگر اس نے صرف راستے کو پر خطر بنایا ہے تو اس کی سزا دیس نکالا ہے۔ اس روایت میں دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلام کی شریعت دینے والے نے محارب کو سزا دینے میں بھی سزا اور جرم میں تناسب رکھنے کے لئے نہایت باریکی سے کام لیا ہے اور یہ خود ایک شفقت ہے جو اس پر کی گئی ہے لیکن اسلام نے صرف اسی قدر شفقت پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ صراحت کردی ہے کہ اگر محارب گرفتاری سے پہلے پہلے توبہ کرلے گا تو وہ سزا سے بچ جائے گا اور صرف لوگوں کے وہ حقوق جو اس نے چھینے ہوں گے اس کے ذمے باقی رہیں گے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۳۴ میں بتایا گیا ہے۔

تفسیر مذکور کے صفحہ ۱۸۵ پر لکھا ہے: "انسان سماج میں جانی سے محفوظ

رہیں کیونکہ ان پانچوں اہم چیزوں میں سے کسی ایک پر بھی ظلم وزیادتی کا نتیجہ جھگڑا، قتل اور خرابیوں اور برائیوں کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور جرائم کی سزا مقرر کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ جرات اور جسارت کرنے والے لوگوں کو ان کے ظلم و ستم سے روکا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صرف حکم اور ممانعت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ صرف سزا کا خوف ہی حکم اور ممانعت کی تعمیل کرا سکتا ہے۔

عظیم مسلمان فلسفی ابو ریحان البیرونی اپنی کتاب "تحقیق ماللھند" میں ہندوؤں کے خیالات اور عقیدوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ان کا حال عیسائیوں کا سا ہے کیونکہ ان کا حال بھلائی کی بنیاد اور برائی سے باز رہنے پر منحصر ہے۔ مثلاً قتل کو بالکل ترک کر دینا، پوستین چھیننے والے کے پیچھے لباس پھینک دینا، کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے دوسرا گال کر دینا، اچھی دعائیں دینا، نمازیں پڑھنا اور دشمن کی مغفرت کے واسطے دعا مانگنا۔ یہ عمل اپنے نفس کی حد تک تو اچھا اور بھلا ہے لیکن دنیا والے سب کے سب فلسفیوں کے طبقے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان میں سے زیادہ تر نا سمجھ اور گمراہ ہیں اور انہیں تلوار اور کوڑا ہی سیدھا کر سکتا ہے اور جس وقت سے عیسائی فاتح قسطنطین ہوا ہے تلوار اور کوڑا برابر حرکت میں ہیں کیونکہ سیاست ان دونوں کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچتی۔"

اس بنیادی سبب اور عاقلانہ نقطہ نظر سے قرآن کریم قصاص کا فلسفہ یوں بیان کرتا ہے: "ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" اس آیت میں ان عقلمند انسانوں کو جو واقعات کے نتائج پر غور کرتے ہیں اور زندگی کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں مخاطب کر کے یقین دلاتا ہے کہ انسانوں اور انسانی سماجوں کی زندگانی قصاص سے وابستہ ہے کیونکہ جب کوئی شخص یہ سمجھ لیتا ہے کہ قتل کے عوض

قتل ہو جائے گا اور قصاص کا ڈراونا چہرہ قاتل کی گھات میں لگا ہوا ہے تو وہ اس خیال سے پلٹ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی زندگی کو قصاص سے اور دوسرے شخص کی جان کو ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے۔ ان باتوں پر دھیان دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے کس لئے جانے بوجھے قتل، قذف، زنا، چوری، محاربہ، شراب نوشی اور دین سے روگردانی جیسے کچھ گناہوں کی سزا واضح متن (نص) کی رو سے مقرر کردی ہے اور باقی معاملات میں خاص سزا مقرر نہیں کی بلکہ سزا کی قسم اور مقدار حاکم شرع کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے تاکہ وہ مجرم کے جرم اور حالات کے وقت اور مقام کے تقاضوں کے مطابق اسے سزا دے کیونکہ اس قسم کے گناہ کے سرزد ہونے اور پھیلنے سے سماجی روابط میں گڑبڑ اور قوموں میں مصیبت اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ (برہان قرآن کا اقتباس ختم)

ان سزاؤں کے نافذ کرنے کے متعلق روایتوں میں کچھ بیانات کا ذکر کیا ہے:

مثلاً کافی میں عمرو بن عثمان مدائنی سے نقل ہے کہ لوگوں نے حضرت امام رضاؑ سے آیت: "انما جزاء الذین یحاربون...." کا مطلب پوچھا اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ کونسا کام ہے جس پر ان چار سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دی جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: "جس وقت خدا اور رسولؐ سے جنگ کی، زمین میں جھگڑا پیدا کیا، کسی کو قتل کیا اور مال لوٹ لیا تو وہ قتل کیا جائے گا اور سولی پر چڑھایا جائے گا۔ اگر لوگوں کا مال لوٹ لیا لیکن کسی کو قتل نہیں کیا تو الٹے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اگر تلوار اٹھا کر خدا اور رسولؐ سے جنگ کی اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کسی کو قتل نہیں کیا نہ مال لوٹا تو دیس سے نکالا جائے گا۔" میں نے پوچھا: "دیس سے نکالنا کس طرح ہوگا اور دیس سے نکالنے کی حد کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "جس بستی میں

جرم کیا ہے اس سے دوسری بستی کو نکال دیا جائے گا اور اس بستی والوں کو لکھ دیا جائے گا کہ اسے نکال دیا گیا ہے۔ نہ اس کی صحبت میں بیٹھو، نہ اس سے لین دین کرو، نہ شادی بیاہ کرو، نہ کھاؤ نہ پیو۔ ایک سال تک اس کے ساتھ یہ عمل ہوگا۔"

چونکہ ہمارے زمانے میں خدائی سزائیں دینا بند ہو چکا ہے اس لئے اس موضوع کی تفصیلات، روایات، اقوال اس سے متعلق تحقیق نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

جب کوئی لڑاکا (محارب) اپنی گرفتاری سے پہلے اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی سزا (حد) معاف ہو جاتی ہے لیکن جو مال اس نے لوٹا ہے وہ اس کے مالک کو ضرور واپس دلوایا جاتا ہے، اگر قتل کیا ہے تو اس کا قصاص ہوتا ہے اور اگر حقدار چاہے تو اسے معاف کر سکتا ہے۔

چور سے بچاؤ

جو چور مال لوٹنے کے لئے ہتھیار سے حملہ کرتا ہے محارب ہے اگر مال والا اس کا مقابلہ کر سکتا ہے تو یہ جائز ہے کہ بچاؤ کرے اور اگر اس صورت میں چور قتل ہو جائے تو اس کا خون معاف ہے اور اس کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ اگر مال کی حفاظت کرنا واجب ہو یا چور اس کی عزت پر حملہ کرے تو صاحب قدرت ہونے کی صورت میں بچاؤ کرنا واجب ہے بشرطیکہ ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر چور مال والے کے قتل کر ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اپنی جان بچانے کے لئے مقابلہ کرنا واجب ہے ورنہ بھاگ جائے یا چھپ جائے یا کوئی اور ایسا کام کرے جس سے جان بچ جائے۔ جب چور کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو وہ محارب ہے یعنی جو کچھ ہتھیار بند چور سے بچاؤ کے لئے کہا گیا ہے وہی یہاں بھی عائد ہوتا ہے البتہ اس پر محارب کی حد جاری نہیں ہوگی۔ چنانچہ

جب اس میں چوری کی شرطیں موجود ہوں تو اس پر چوری کی حد جاری ہوگی ورنہ سزا اور تادیب ہوگی۔ ایسا چور مستلب ہوتا ہے یا مختلس۔ مستلب وہ ہوتا ہے جو کھلم کھلا لوگوں کا مال چرا کر بھاگ جاتا ہے اور مختلس وہ ہوتا ہے جو چھپ کر چراتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں حاکم شرع اسے وہ سزا دیتا ہے جس سے وہ سمجھتا ہے کہ چور چوری ترک کردے گا۔ مثلاً مارنا یا قید کرنا۔

لوگوں نے ایک شخص کو جو ایک بچی کے کان سے بندا اتار کر لے بھاگا تھا، حضرت امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "اس کا کام لے بھاگنا اور چوری ظاہر ہے۔ یعنی اس نے یہ کام چھپ کر نہیں کیا ہے۔ اس لئے چوری کی حد جو ہاتھ کاٹنا ہے اس پر جاری نہیں ہوسکتی بلکہ تعزیر ہوسکتی ہے اس لئے اسے مارا گیا اور قید کردیا گیا۔" (سالک)

اور محتال یعنی اس شخص کو جو دھوکا دیتا ہے اور دھوکے سے کسی کا مال اڑا لیتا ہے۔ مثلاً جعلی دستاویز تیار کرتا ہے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کا مال ہتھیا لیتا ہے تعزیر یعنی حد سے کم سزا دی جائے گی۔

۹ مردار، خون اور سور کا گوشت کھانا

پینتیسواں گناہ کبیرہ جو نص (متن) کی رو سے ثابت ہے مردار، خون اور سور کا گوشت اور اس جانور کا کھانا ہے جس کے ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ اعمش کی روایت کے مطابق حضرت امام صادقؑ نے اور فضل بن شاذان کی روایت کے مطابق حضرت امام رضاؑ نے اس کے کبیرہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۷۳ میں، سورہ انعام کی آیت ۱۴۵ میں اور سورۃ نحل کی آیت 115 میں اسے حرام بتایا گیا ہے اور سورۃ مائدہ کی آیت ۳ میں کہا گیا ہے: "حرمت علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ و المنخنقة و الموقوذة و المتردیة و النطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب و ان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق." "یعنی تمہارے لئے مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس کے ذبح کے وقت خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، وہ جانور جس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو یا پتھر اور لکڑی سے مارا گیا ہو یا بلندی سے یا کنویں میں گرا کر مارا گیا ہو یا دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو یا کسی درندے نے اسے پھاڑ ڈالا ہو اور اس میں سے کچھ کھا لیا ہو بجز اس کے جسے تم پاک کر لو اور وہ حیوان جو مخصوص پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو اور اسی طرح جوئے کے تیروں سے بٹے ہوئے یہ سب تمہارے لئے حرام اور گناہ ہیں۔"

غرض مذکورہ بالا چیزوں کا کھانا قطعی حرام ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی جگہ پر حقیقت، قسمیں اور تفصیلات جاننا ضروری ہے۔

(۱) مردار

جو جانور شرعی طہارت کے بغیر مر جاتا ہے وہ مردار ہوتا ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اگر اس میں اچھلتا ہوا خون ہو تو وہ نجس بھی ہوگا البتہ اگر اس کی طہارت ہو چکی ہو تو وہ طاہر ہے (کتے اور سور کے سوا جو ہمیشہ نجس رہتے ہیں اور کبھی پاک نہیں ہو سکتے) اگر اس کا گوشت حلال ہے تو طہارت کے بعد اس کا کھانا جائز اور حلال ہے اس لئے ایسے جانوروں کا جاننا اور ان کی شرعی طہارت کی کیفیت جاننا ضروری ہے جن کا گوشت حلال ہوتا ہے۔

انجمن تبلیغات اسلامی کے مجموعہ انتشارات میں لکھا ہے:

اسلامی فقہ میں ان حیوانات کا نہایت وضاحت اور باریک بینی سے تعین کر دیا گیا ہے جن کا گوشت حلال ہے اگر کوئی سائنس داں اس طرف غور کرے گا تو اسے اس درجہ بندی میں بڑے بڑے علمی نکتے دکھائی دیں گے۔

دین اسلام نے عام طور پر گوشت خور جانوروں کو حرام کر دیا ہے کیونکہ گوشت خوروں کے معدے سڑاہندے اور ان کا گوشت گندہ اور بدبودار ہوتا ہے اور بیماری پیدا کرتا ہے اس کے برعکس گھاس کھانے والے جانوروں کو حلال مانتا ہے۔ ناخن رکھنے والے تمام جانور حرام ہیں۔ سم (ٹاپیں) رکھنے والے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ مکروہ ہیں جیسے گھوڑا اور خچر۔ پرندوں میں حلال اور حرام کی پہچان اس کے پر ہلانے سے کی گئی ہے۔ جو اڑتے وقت اپنے پروں کو زیادہ ساکت

اور پھیلائے رکھتے ہیں حرام ہیں اور جو زیادہ تر بازو پھڑ پھڑاتے ہیں وہ حلال ہیں اور یہ بھی لکھا ہے: دین اسلام نے شکار کرنے کی آزادی دے دی ہے لیکن اسے صرف اس موقع پر جائز رکھا ہے جب کنبے کو فائدہ پہنچانا اور ان کا پیٹ بھرنا مقصود ہو اور جو شکار صرف تفریح اور محض جانور مارنے کے لئے کھیلا جائے وہ جائز نہیں ہے۔ اس دوران نماز قصر نہیں ہوتی اور روزہ بھی رکھنا چاہئے۔ (تبلیغات اسلامی کے مجموعے کی نقل ختم ہوئی)۔

جانور تین قسم کے ہوتے ہیں: زمینی جانور، آبی جانور اور ہوائی جانور۔ زمینی جانور دو قسم کے ہوتے ہیں پالتو یا خانگی یعنی وہ جانور جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور وحشی یا جنگلی جو بستی سے باہر بیابانوں اور جنگلوں میں رہتے ہیں۔

زمینی جانور

پالتو جانوروں میں صرف بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور اونٹ کا گوشت حلال ہے اور گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت مکروہ ہے۔ ان کے علاوہ باقی گھریلو جانوروں مثلاً بلی وغیرہ کا گوشت حرام ہے۔

جنگلی جانوروں میں سے ہرن کی مختلف قسمیں، پاڑا، سانبھر، بارہ سنگھا، پہاڑی بکری، جنگلی گائے، جنگلی گدھا، گورخر (زیبرا) اور نیل گائے حلال ہے۔ تمام درندہ جانوروں یعنی ان گوشت کھانے والے جانوروں کا گوشت حرام ہے جو نوکیلی چونچ اور پنجے رکھتے ہیں چاہے وہ شیر، چیتے، تیندوے اور بھیڑیے وغیرہ کی طرح طاقتور ہوں چاہے لومڑی، گیدڑ اور لکڑ بگھے کی طرح کمزور ہوں اور خرگوش کا گوشت بھی حرام ہے اگرچہ وہ درندوں میں شامل نہیں ہے۔

تمام حشرات (رینگنے اور کاٹنے والے جانور اور پتنگے) حرام ہیں جیسے سانپ،

گھریلو اور جنگلی چوہا، پتنگا، کیڑا مکوڑا، سیہی، چھچھوندر، سیاہ بھونرا، جوں، کھٹمل وغیرہ۔

ہوا اور پانی کے جانور

ہوائی جانوروں یعنی پرندوں میں ہر قسم کے کبوتر حلال ہیں جیسے قمری، چکور، بٹیر، تیتر، سنگ خوار، مرغابی، طرح طرح کی مرغیاں، مختلف اقسام کی چڑیاں، بلبل، قبرہ، صرد (ایک پرندہ ہوتا ہے جس کا سر اور چونچ سخت ہوتے ہیں اور آدھا سیاہ آدھا سفید ہوتا ہے اور چڑیا کا شکار کرتا ہے)، صوام (مٹیالے رنگ کا ایک پرندہ جس کی گردن لمبی ہوتی ہے اور جو غالباً کھجور کے پیڑ پر رہتا ہے) اور شقراق (کبوتر کے برابر کا ایک پرندہ)۔

چمگادڑ اور مور اور گوشت کھانے والا ہر پرندہ جس کے پنجے ہوں حرام ہے چاہے ایسا طاقتور ہو کہ جانور کو چیر پھاڑ سکے جیسے شکاری باز، چرخ، عقاب، شاہین اور باشق، یا کمزور ہو جیسے گدھ۔ احتیاطاً ہر قسم کے کوے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ گوشت خور پرندوں میں سے ہو۔

روایتوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق حکم خصوصیت سے معلوم ہے اور باقی پرندے جن کے بارے میں خصوصیت سے کوئی حکم نہیں ملتا ان کے گوشت کے حرام اور حلال ہونے کی دو پہچانیں شرع میں ملتی ہیں:

۱۔ اڑتے وقت پروں میں سکون سے زیادہ حرکت ہو۔

۲۔ تین چیزیں رکھتا ہو۔ ایک فالتو انگلی جو پرندے کی پنڈلی میں ہوتی ہے اور جسے صیصیہ کہتے ہیں دوسری پوٹا (حوصلہ) اور تیسری سنگدانہ (قانصہ)۔ ہر پرندے کا انڈا اسی پرندے کے مطابق حلال یا حرام ہوتا ہے۔ یعنی جس پرندے کا گوشت حلال ہوتا ہے اس کا انڈا بھی حلال ہوتا ہے اور جس کا گوشت حرام ہوتا ہے

اس کا انڈا بھی حرام ہوتا ہے۔ اگر کسی ایسے پرندے کا انڈا ہے جس کے گوشت کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ حلال ہے یا حرام تو اس کا فیصلہ یوں ہوگا۔ اگر انڈے کی چوٹی اور پیندا برابر نہیں ہیں جیسے مرغی یا کبوتر کا انڈا تو وہ حلال ہے اور اگر مساوی ہیں تو حرام ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ حلال جانور کا گوشت دو چیزوں سے حرام ہو سکتا ہے خواری (گندگی) کی نجاست سے اور انسان کے اس سے حرام کام کرنے سے اور ان دونوں باتوں کے احکام کا ذکر عملی رسالوں میں کیا گیا ہے۔

جو جانور پانی میں جیتے ہیں ان میں سے صرف سِنّے والی (سفنے دار) مچھلی کا گوشت حلال ہے اور سِنّے رکھنے سے اصل میں سِنّے رکھنا مراد ہے چاہے کنعت (ماہی قبا) کی طرح بعد میں سِنّے جھڑ ہی جائیں جو کہتے ہیں کہ بہت چنچل ہوتی ہے اور اپنے جسم کو ہر چیز سے رگڑتی رہتی ہے جس سے اس کے سِنّے (سفنے، فلس) جھڑ جاتے ہیں اور غالباً صرف دم میں لگے رہ جاتے ہیں۔

شکار سے طہارت

اچھلتا ہوا خون رکھنے والے جانوروں کی طہارت شرع کی رو سے دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک شکار سے اور دوسرے ذبح سے۔ شکار دو طرح سے حلال ہوتا ہے۔ ایک سدھے ہوئے کتے سے کہ جب اس سے کہیں جا اور وہ چلا جاتا ہے اور جب کہیں واپس آ جا تو لوٹ آتا ہے اور وہ شکار کا گوشت کھانے کا عادی نہیں ہوتا۔ اس کتے کو ہلکارنے والا بھی مسلمان ہو اور جس وقت اسے ہلکارے تو بسم اللہ کہے اور کتا بھیجنے والے شکاری کی نظر سے اوجھل نہ ہو۔

شکار کے حلال ہونے کا دوسرا ذریعہ تلوار، نیزہ اور ہر فولادی تیر بلکہ

کارتوس کی گولی بھی ہو سکتی ہے اگر ٹھیک جانور کا جسم پھاڑ دے چاہے لوہے کی ہو چاہے کوئی شکاری مسلمان ہو اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ کہے اور اگر ان شرطوں کے ساتھ کتا یا تیر شکار کو مار ڈالتا ہے اور وہ مر جاتا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری پہنچے اور شکار ابھی زندہ ہو تو اسے اس طریقے سے ذبح کرلے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شکار کے دوسرے آلات جیسے پوز پلنگ، جال اور کمند وغیرہ سے شکار جائز نہیں ہے البتہ شکاری پہنچے اور شکار زندہ ہو تو اسے ذبح کرلے۔

حلال گوشت کا جنگلی جانور بھی شکار کرنے سے اس وقت پاک اور حلال ہو سکتا ہے جب کہ وہ بھاگ سکے یا اڑ سکے۔ اس لئے ہرن کا بچہ جو بھاگ نہیں سکتا یا چکور کا بچہ جو اڑ نہیں سکتا، کتے یا ہتھیار کے ذریعے سے شکار کئے جانے پر پاک اور حلال نہیں ہو سکتا۔

گوشت کھانے کے بارے میں گفتگو

تفسیر المیزان میں سورۂ مائدہ کی آیت ۳ کے سلسلے میں کچھ مفید باتیں تین فصلوں میں بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے:

۱۔ گوشت کھانے کے متعلق طرح طرح کے عقیدے۔ اس میں شک نہیں کہ دوسرے جانوروں کی طرح انسان بھی خوراک کا ایک نظام رکھتا ہے اور جو مادی اجزا اس کام میں لاسکتا ہے اور انہیں اپنے بدن میں لگا سکتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس لئے فطرت کے مطابق اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ انسان چبا کر نگلنے والی ہر چیز کھالے۔ لیکن جو اسے نقصان دے یا جس سے اس کی طبیعت نفرت کرے اس سے پرہیز کرے۔ مثلاً یہ سمجھ لے کہ کھانے کی فلاں چیز اپنے زہریلے پن یا طبیعت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسم کو نقصان پہنچاتی ہے یا یہ جان لے کہ فلاں

چیز کے کھانے سے اسے روحانی نقصان ہوگا۔ جیسے ان غذاؤں اور خوراکوں کا کھانا جنہیں مختلف مذہبوں اور شریعتوں میں حرام بتایا گیا ہے۔

جب آدمی کی طبیعت کسی چیز کو برا سمجھ لیتی ہے تو اس کے پاس جانے سے بچتا ہے۔ مثلاً انسان پیشاب پاخانہ نہیں کھاتا کیونکہ اسے گندہ سمجھتا ہے۔ کبھی نفرت اور کراہت اعتقادات کی وجہ سے ہوتی ہے مثلاً مسلمان سور کے گوشت کو گندہ اور برا سمجھتے ہیں لیکن عیسائی پاک اور طاہر مانتے ہیں۔ مغرب والے بہت سے جانور مثلاً کیکڑا، مینڈک اور چوہا کھا لیتے ہیں جب کہ مشرق والوں کو یہ برے لگتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آدمی خاص طور سے گوشت کھانے میں مختلف طریقے رکھتے ہیں۔ بدھ مت نے تمام جانوروں کا گوشت حرام قرار دے دیا ہے اور یہ کمی اس زیادتی کے مقابلے میں ہے جو پہلے زمانے میں افریقہ کی وحشی قوموں اور دوسرے وحشیوں میں پائی جاتی تھی اور وہ طرح طرح کے گوشت یہاں تک کہ انسان کا گوشت بھی کھاتے تھے۔ عرب کے لوگ چوپایوں کا گوشت اور تمام حیوانات مثلاً چوہے اور چھپکلی بھی کھا جاتے تھے چاہے وہ خود مر جاتے یا دم گھٹنے سے مر جاتے یا انہیں کسی دوسرے طریقے سے مار ڈالتے اور کہتے تھے کہ تم جس جانور کو مار ڈالتے ہو اسے کس طرح کھا لیتے ہو اور جس جانور کو خدا نے مارا ہے اسے نہیں کھاتے؟

چین کے کچھ بت پرست جیسا کہ ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے طرح طرح کے حیوانات یہاں تک کہ کتا، بلی، کیڑے مکوڑے، گھونگھے، سیپی اور تمام حشرات کھا لیتے تھے۔ اسلام نے درمیانی راہ اختیار کی اور وہ گوشت جائز رکھے جو انسانوں کی معتدل طبیعتوں کو موافق آئیں۔ اس کی تشریح یوں کی گئی ہے:

چوپایوں میں بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، اور اونٹ حلال کر دیا۔ ان میں سے

کچھ جیسے گھوڑے گدھے کو مکروہ بتایا۔ غیر شکاری پرندوں میں انہیں حلال کر دیا جن کے پوٹا ہو اور جو اڑتے میں پر ہلائیں جیسے کبوتر اور جن کے پنجے نہ ہوں۔ پانی کے جانوروں میں کچھ مچھلیوں کو حلال بتایا جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے اور پھر حیوانات کا خون اور مردہ اور جس حیوان کو خدا کا نام لے کر پاک نہ کیا گیا ہو حرام قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں اسلام کا مقصد یہ تھا کہ فطرت کا دستور یعنی انسانوں کا مستقبل گوشت کھانے سے زندہ رکھے اور ساتھ ساتھ صحیح سوچ اور طبع سلیم کا بھی خیال رکھے اور صحیح سوچ اور طبع سلیم وہ چیز تجویز نہیں کرتی جو نقصان رساں ہے یا بری لگتی ہے اور جس سے گھن آتی ہے۔

۲۔ ممکن ہے کوئی سوال کرے کہ حیوان میں روح ہوتی ہے اور موت کی تکلیف کو وہ بھی انسان کی طرح سمجھتا اور محسوس کر سکتا ہے پھر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ہم اسے زندگی کی نعمت سے محروم کر دیں اور اس کی زندگی کی خوشگواری کو موت کی ناگواری سے بدل دیں۔ خدا سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ وہ جانور کو مار ڈالنے کا اس لئے حکم دے کہ انسان اس کا مزہ چکھے اور اس سے فائدہ اٹھائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں جذبات کو حقائق پر فوقیت دی گئی ہے۔ شریعت اور قانون سازی میں حقائق پر نظر رکھی جاتی ہے جذبات پر نہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ مادی دنیا تبدیل ہونے والی یا یوں کہئے کہ کھانے والے اور کھائے جانے والے کی دنیا ہے۔ زمین سے پیدا ہونے یا اگنے والی چیزیں زمین سے خوراک حاصل کرتی ہیں اور زمین کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں اور اپنی ہی شکل میں ڈھال لیتی ہیں۔ پھر دوبارہ زمین انہیں کھا لیتی ہے اور ختم کر ڈالتی ہے۔ اسی طرح

لگاتار زمین روئیدگی یا نباتات میں اور نباتات زمین میں ادلتی بدلتی رہتی ہے پھر حیوانات پانی اور روئیدگی سے غذا حاصل کرتے ہیں اور کچھ حیوانات کچھ دوسرے حیوانات کو کھاتے رہتے ہیں مثلاً درندہ حیوانات دوسرے حیوانات کا شکار کر کے انہیں کھاتے رہتے ہیں۔ انکے کھانے کا نظام کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ دوسری چیز نہیں کھاسکتے مثلاً پنجے والے پرند کبوتر اور چڑیا جیسے دوسرے پرند پکڑتے اور کھاتے ہیں۔

چھوٹے پرندے بھی کیڑے مکوڑے اور پتنگے وغیرہ جیسے مکھی، مچھر، پسو سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ حشرات بھی انسان اور دوسرے حیوانوں کے خون سے غذا لیتے ہیں۔ آخر میں زمین ان سب کو کھا جاتی ہے۔ اس طرح کائنات اور زندگی کے نظام نے جو دنیا کی تمام اشیاء پر حکومت کرتا ہے گوشت وغیرہ سے غذا حاصل کرنے کا قانون بنا کر اس کی طرف موجودات کی رہنمائی کردی ہے اور اس نے انسان کا ڈھنگ یہ رکھا ہے کہ گوشت اور نباتات سے پیٹ بھرتا ہے لیکن وہ نہ تو بکری کی طرح ہے کہ دانتوں سے کاٹے پھاڑے اور نہ درندوں کی طرح ہے کہ نرم کر کے چبا نہ سکے۔ اس سے بڑھ کر آدمی کی قوت ذائقہ ہے جو اس کے منہ میں ہے اور گوشت کھانے کا مزہ لیتی ہے اور پھر وہ تمام اعضاء میں ہضم اور جذب ہو جاتا ہے۔ یہ سب قدرت کی ہدایت و رہنمائی اور اس کی اجازت اور اباحت کا حکم ہے اور اسلام فطری دین ہے جس نے ان باتوں کو مباح قرار دیا ہے جس کی طرف اس کی خلقت رہنمائی کرتی ہے۔

دوسرے احکام بھی بنائے گئے ہیں جو قدرتی قانون ساز نے مقرر کر دیے ہیں یعنی ایسے گوشتوں سے پرہیز کا حکم جو جسم یا روح کو نقصان دیتے ہیں اور جن کے کھانے سے عام طور پر طبیعت گھن کھاتی ہے یا جن کا کھانا برا لگتا ہے۔ غرض جو جسم یا

روح کی نشوونما یا انسانی سماج کی سلامتی کو نقصان پہنچاتے ہیں یا جوئے اور مخصوص تیروں کی تقسیم سے حاصل ہوتے ہیں حرام قرار دے دیئے ہیں اور وہ گندی چیزیں جو انسانی طبیعتوں کو بری لگتی ہیں حرام کر دی ہیں۔

رہا ترس اور مہربانی کا قصہ جو جانوروں کو مارنے سے روکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رحم خداداد جذبہ ہے جو انسان اور بہت سے جانوروں کی فطرت میں موجود ہے لیکن قدرت نے یہ اصول نہیں بنایا ہے کہ ہر کام میں محبت پر عمل کیا جائے کیونکہ قدرت خود بھی کلیے کے طور پر محبت اور رحم سے کام نہیں لیتی اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں غموں، خرابیوں، مصیبتوں اور طرح طرح کے عذابوں اور اذیتوں کا نام و نشان بھی ہوتا۔ اس کے علاوہ انسانی رحم انصاف و عدل کی طرح نہیں ہے جو اپنے آپ ہی اچھے اخلاق میں شمار ہو جاتا۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو اچھا نہ ہوتا کہ ہم ظالموں سے پوچھ گچھ کرتے یا کسی مجرم کو سزا دیتے یا کسی دشمن سے دشمنی کرتے تو زمین اور اہل زمین تباہ اور فنا ہو جاتے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے اس خیال سے کہ رحم ایک قدرتی عطیہ ہے اس سے بھی غفلت نہیں برتی ہے بلکہ ایک عام حکم دے دیا ہے کہ محبت اور رحم سے کام لیا جائے اور جانوروں کو انہیں مارتے وقت تکلیف دینے اور ذبح کیے جانے والے جانور کی جان نکلنے سے پہلے اس کے اعضاء کاٹنے اور کھال اتارنے سے منع کیا ہے۔ گردن مروڑ کر مارنے اور ایک جانور کی نگاہوں کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنے کی ممانعت بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے پانی دکھائیں اور جتنی زیادہ سے زیادہ ہو سکے اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کی جائے۔ مزید احکام فقہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

رہی خدا کی رحمت کی بات اور یہ کہ خدا ارحم الراحمین ہے تو خدا کے رحم کے

معنی دل کی نرمی اور شعوری تاثر نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب کسی کو اتنی خیر و رحمت پہنچانا ہے جتنی کا وہ مستحق ہے۔ اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی بات کو عذاب سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ خدا کی طرف سے رحم اور بھلائی ہوتی ہے۔ ایسے ہی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ خدا کی حکمت کے لحاظ سے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قانون سازی میں ہماری غلط محبت اور رحم کا خیال کرتے ہوئے اپنی کوئی مصلحت ترک کردے یا حقیقت کے مطابق قانون بنانے میں غفلت کرے۔ غرض ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اسلام نے گوشت کھانے کی تجویز میں اور ان شرطوں اور قیدوں کے لگانے میں جو اس کے مباح اور حلال ہونے کے لئے مقرر کی ہیں فطرت کے حکم پر عمل کیا ہے۔ (فطرة اللّٰہ التی فطرالناس علیھا)

۳۔ ایک اور سوال یہ ہے کہ جب ہم نے یہ مان لیا کہ قدرت نے گوشت کھانا مباح جانا ہے پھر اس سلسلے میں اس جانور کے کھانے پر اکتفا کیوں نہیں کیا جو خود مر گیا ہو اور دوسری طرف جانور پر رحم کرنے کا بھی حکم دے دیا؟

اس کا جواب فصل دوم کی باتوں سے معلوم ہو چکا ہے کیونکہ ان معنوں میں رحم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس سے حقائق کے احکام لازمی طور پر بے اثر ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلام نے نوع انسانی میں رحم کے لطیف جذبے کی حفاظت کی خاطر رحم کے کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسکے علاوہ اگر صرف مردے وغیرہ ہی کو مباح کر دیتا تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہ تھا کہ انسان کی طبیعت میں خرابی پیدا ہوتی اور اسے جسمانی اور روحانی نقصان پہنچتا اور یہ بات خود رحمت کے خلاف ہے اور سب سے آخر میں یہ کہ یہ عام نقصان اور مشقت کا سبب ہوتا کیونکہ لوگوں کو انتظار کرنا پڑتا کہ جانور خود سے مر جائے تب اسے کھائیں۔ (تفسیر المیزان کی نقل ختم)

واضح رہے کہ انسان کے کھانے کے لئے جانور کا ذبح کرنا اس پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ یہ اس کے تکمیلی سفر کا لازمہ ہے کیونکہ جانور ذبح ہونے سے پہلے خاموش، بے شعور اور بے عقل تھا۔ ذبح کے بعد انسان کے بدن کا جزو بن کر گویا (بولنے والا) باشعور اور ذی عقل ہو گیا۔ مثلاً بھیڑ کے منہ میں زبان سے کوئی ہنر ظاہر نہیں ہوتا لیکن جب وہ انسان کے بدن کا حصہ بن جاتی ہے تو اس سے حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ خدا کی تعریف کرتی ہے اور جو خوبیاں اور ہنر انسان کے اعضاء سے ظاہر ہو سکتے ہیں وہ سب اس سے بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

شرع کے مطابق ذبح کرنے سے طہارت

پاک کرنے کا دوسرا ذریعہ شرعی ذبح ہے جس میں گردن کی چار بڑی رگیں گلے کے نیچے جہاں وہ ابھری ہوتی ہیں بالکل کاٹ دی جاتی ہیں اور اس کے لئے پانچ شرطیں مقرر ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، مرد ہو یا عورت اور وہ مسلمان بچہ بھی ذبح کر سکتا ہے جو سن تمیز کو پہنچ چکا ہو۔

۲۔ جانوار کا سر لوہے کی چیز سے کاٹا جائے اگر لوہا نہ ہو تو کسی ایسے مادے کا ہو جس سے سر کاٹنے پر حیوان مر جائے۔ شیشہ، پتھر جیسی کسی بھی تیز چیز سے جس سے اس کا سر علیحدہ ہو سکتا ہو اس کی گردن کی رگیں کاٹی جائیں۔

۳۔ ذبح کے وقت جانور کا چہرہ، ہاتھ، پاؤں اور پیٹ قبلے کے رخ ہو اور اگر بھول جائیں یا قبلے کی شناخت نہ ہو یا کسی وجہ سے جانور کا رخ قبلے کی طرف نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۴۔ ذبح کے وقت ذبح کرنے والا خدا کا نام لے۔ صرف بسم اللہ کہہ دینا ہی کافی

ہے اور اگر بھول جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔

۵۔ ذبح کرنے کے بعد وہ جانور حرکت کرے چاہے آنکھ یا اپنی پونچھ ہلائے یا اپنا پیر زمین پر مارے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بدن سے معمول کے مطابق خون نکلے۔

اونٹ ذبح کرنے میں مذکورہ بالا پانچ شرطوں کے علاوہ چھری یا لوہے کی کاٹنے والی کوئی چیز اس کے سینے اور گردن کے بیچ کے گڑھے میں کھبوئیں (کھونپیں)۔ اگر جانور سرکش ہو اور شرع کے مقرر کردہ قاعدے کے مطابق ذبح نہ کرسکیں۔ مثلاً وہ کنوئیں میں گر پڑے اور یہ امکان ہو کہ وہ وہاں مر جائے گا تو اس کے بدن پر جہاں بھی ایسا زخم لگا دیں جس زخم کے نتیجے میں وہ جان دے دے وہ حلال ہو جائے گا۔ اس کا قبلے کے رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ باقی تمام شرطیں پوری ہونی چاہئیں۔

مچھلی اس طرح پاک ہو جاتی ہے کہ اسے پانی سے زندہ پکڑلیں۔ اگر چھلکے والی مچھلی پانی سے زندہ باہر نکال لیں اور وہ پانی سے باہر آکر جان دے تو پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے اور اگر پانی میں ہی مر جائے تو پاک ہے کیونکہ اس میں خون جہندہ (اچھلنے والا خون) نہیں ہوتا البتہ اس کا کھانا حرام ہے۔ مچھلی کے شکاری کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے اگر کافر بھی مچھلی کا شکار کرتا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ یہ علم ہو کہ مچھلی پانی کے باہر آکر مری ہے۔

ٹڈی کی طہارت اس کا زندہ پکڑنا ہے۔ چنانچہ ٹڈی کو ہاتھ سے اور کسی دوسرے ذریعے سے زندہ پکڑلیں تو اس کے جان دینے پر اس کا کھانا حلال ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا پکڑنے والا مسلمان ہی ہو اور پکڑتے وقت اللہ کا نام لے۔

اس ٹڈی کا کھانا حرام ہے جس کے پر نہ نکلے ہوں اور جو اڑ نہ سکتی ہو۔

شرعی طور پر طاہر اور پاک ہونے والے جانور کے پیٹ سے اگر بچہ نکلے اور اس کی بناوٹ پوری ہو چکی ہو اور اس کے جسم پر بال نکل آئے ہوں تو وہ پاک ہے اور جس طرح اس کی ماں کا گوشت کھانا حلال ہو چکا ہے اس کا گوشت کھانا بھی حلال ہے۔

حرام گوشت تذکیے سے پاک ہو جاتا ہے

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کتے اور سور کے سوا جس حرام گوشت والے جانور کا تذکیہ ہو جاتا ہے وہ چھونے کے لئے پاک ہے لیکن اس کا کھانا حرام ہے اور جس کا تذکیہ نہ ہو تو اس کا مردہ بھی نجس ہو گا البتہ اگر خون جہندہ (اچھلنے والا خون) نہ رکھتا ہو اور تذکیے کے بغیر مر گیا ہو تو اس کا کھانا حرام ہے لیکن چھونے میں نجس نہیں ہے جیسے سانپ، کیڑے وغیرہ۔ جس حلال گوشت والے جانور کا تذکیہ ہو گیا ہو وہ پاک ہے اور اسکا کھانا بھی حلال ہے۔ اگر وہ تذکیہ کے بغیر مر گیا ہے تو نجس بھی ہے اور حرام بھی بشرطیکہ خون جہندہ نہ رکھتا ہو کیونکہ اس صورت میں اس کا کھانا تو حرام ہے لیکن وہ چھونے میں نجس نہیں ہے جیسے مچھلی جو پانی میں مر گئی ہو۔ اس لئے وہ مردہ جسکا کھانا حرام ہے وہ مردار حیوان ہے جو شرعی تذکیے کے بغیر مر گیا ہو چاہے کسی بیماری سے چاہے موت آجانے سے یا کسی خارجی سبب سے ناگہانی طور پر مر گیا ہو یا دھیرے دھیرے مرا ہو۔ چونکہ جانور کسی ناگہانی خارجی سبب سے کم مرتا ہے اس لئے ممکن ہے یہ خیال ہو کہ جانور کے مرنے کی یہ قسم مردوں میں سے نہیں ہے تو آیت خاص طور پر اس قسم کو پانچ عنوانوں میں گنتی ہے اور سب کو مردار سمجھتی ہے:

۱۔ منخنقہ: وہ جانور ہے جو دم گھٹنے سے مر جائے چاہے لڑائی یا ٹکر ہو یا کسی اور نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو چاہے کسی آلے سے اس کا گلا گھونٹ دیں۔ مثلاً اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر یا گلا دبا کر یا اس کا

سر دو لکڑیوں کے بیچ میں رکھ کر۔ ایسے طریقے جاہلیت میں (اسلام سے پہلے) جاری تھے۔

۲۔ موقوذہ: وہ جانور ہے جسے مارتے مارتے مار ڈالیں۔

۳۔ متردیہ: وہ جانور ہے جو کسی اونچی جگہ مثلاً پہاڑ پر سے گر پڑے اور مر جائے یا کنوئیں میں گر پڑے اور مر جائے۔

۴۔ نطیحہ: وہ جانور ہے جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے۔

۵۔ ما اکل السبع: وہ حیوان ہے جسے کوئی درندہ پھاڑ ڈالے اور اس میں سے کچھ کھا جائے اور باقی ماندہ مردہ ہو۔

آیت کے لحاظ "ما ذبح علی النصب" سے زمانہ جاہلیت کے چلن سے روکنا مراد ہے کیونکہ اسلام سے پہلے مشرک کعبے کے چاروں طرف پتھر گاڑ دیتے تھے، انہیں مقدس سمجھتے تھے، ان کی پوجا کرتے اور ان پر حیوانوں کو ذبح کرتے تھے۔

آیت کے الفاظ "وان تستقسموا بالازلام" سے مراد اس بات کی ممانعت ہے کہ قربانی کی بھیڑ یا اور کسی چوپائے کو تقسیم کرنے کے لئے پکڑیں پھر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ فلاں کا حصہ ہے اور فلاں کا نہیں ہے یا ہر ایک کے مختلف حصے معلوم کرنے کے لئے مخصوص تیر نکالیں اور یہ ایک قسم کا جوا ہے جیسا کہ جوئے کے بیان میں ذکر ہوا۔

مردار حرام کیوں ہو گیا؟

کتاب کافی اور امالی میں مفضل بن عمرو سے روایت ہے کہ حضرت امام صادقؑ سے اس نے پوچھا کہ: "خدا نے مردار، خون اور سور کا گوشت کیوں حرام کر دیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "خدا نے اس لئے ان چیزوں کو اپنے بندوں پر حرام اور دوسری

چیزوں کو حلال کر دیا ہے کہ جن کو حرام کیا ہے ان سے رغبت رکھتے تھے اور جنہیں حلال کیا ہے ان سے بے تعلقی ظاہر کرتے تھے (خلاصہ یہ ہے کہ حلال اور حرام کرنا ان کے فائدے کے خیال سے نہیں تھا بلکہ) خدا نے دنیا کو پیدا کیا تھا اور وہ یہ جانتا تھا ان کے جسم کس چیز سے تیار ہوئے ہیں اور کس چیز میں ان کی بھلائی ہے اس لئے جو ان کے بدن کی پرورش اور ان کی بھلائی کا سبب تھا اسے اس خوبی کی وجہ سے ان کے لئے حلال اور جائز کر دیا۔ پھر اس نے یہ بھی جان لیا کہ ان کے لئے کونسی چیزیں مضر ہیں۔ چنانچہ ان سے منع کر دیا اور انہیں ان کے لئے حرام قرار دے دیا۔ پھر انہیں حرام چیزوں کو اس شخص کے لئے حلال اور مباح کر دیا جو مجبور ہو جائے اور جو اپنے بدن کی پرورش کے لئے ان کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہ رکھتا ہو لیکن اسی قدر اور اسی حد تک حلال کیا جہاں تک کہ وہ جسم کو قائم رکھے اس سے زیادہ نہیں۔"

پھر آپؑ نے فرمایا: "جو کوئی مردار کے پاس جائے گا اور اسے کھائے گا اس کا جسم کمزور اور دبلا ہو جائے گا۔ اس کی طاقت کم اور اس کی نسل ختم ہو جائے گی۔ مردار کھانے والا آدمی اچانک مر جاتا ہے۔" (امالی۔ کافی)

شاید ان خرابیوں کی وجہ یہ ہو کہ جب حیوان اپنے آپ مر جاتا ہے یا گلا گھٹ کر مرتا ہے تو اس کے جسم میں خون کی روانی بالکل رک جاتی ہے اس کی رگوں میں گندہ اور خرابی پیدا کرنے والا خون رہ جاتا ہے جو گوشت کو خراب اور زہریلا کر دیتا ہے اور جب ذبح ہوتا ہے تو خون نکل جاتا ہے اور حیوان کا گوشت خرابی اور زہریلے پن سے محفوظ ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت امام صادقؑ کی حدیث احتجاج میں اس زندیق کے جواب میں بیان کیا گیا جس نے پوچھا تھا کہ خدا نے مردار کو کیوں حرام کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میت (لاش) اس لئے حرام کی گئی کہ اس میں اور جس پر خدا کا نام لیا

گیا ہے اس میں فرق ہو جائے اور چونکہ مردار سے خون باہر نہیں نکلا اور اس کے جسم میں ہی جاری رہ کر جم گیا اس لئے اس کا گوشت بھاری اور ناگوار ہو گیا کیونکہ وہ خون کے ساتھ ہی کھایا جائے گا۔ اس زندیق نے کہا: "تو مچھلی بھی مردار اور حرام ہونا چاہئے کیونکہ اس میں سے بھی خون نہیں نکلا؟" آپؑ نے فرمایا: "مچھلی کا تزکیہ اس سے ہو جاتا ہے کہ وہ پانی سے نکال لی جاتی ہے اور اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ خود مر جائے۔ ذبح لازم نہیں ہے کیونکہ اس میں خون نہیں ہوتا۔ یہی بات ٹڈی کے لئے بھی ہے۔" (بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۲۵۰)

علامہ مجلسیؒ نے بحار کی جلد ۴ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"چونکہ حیوان کے مردار ہونے اور اس کے حرام ہونے کے دو سبب ہوتے ہیں ایک تو ذبح اور نحر کی شرائط کا پورا نہ ہونا یعنی خدا کا نام نہ لینا (جان بوجھ کر) اور اسے قبلے کے رخ نہ کرنا اور دوسرے ذبح اور نحر نہ کرنا۔ چنانچہ امامؑ نے مردار کے حرام ہونے کو پہلی صورت میں روحانی اور دینی بات مانا ہے اس لئے کہ اگر خدا کا نام لیا جائے گا تو دنیا اور آخرت کی اور ظاہری اور باطنی برکتیں انسان کے جسم اور روح کو نصیب ہوں گی اور اگر نہیں لیا جائے گا تو وہ ان برکتوں سے محروم رہے گا۔

دوسری صورت میں جبکہ حیوان ذبح اور نحر کئے بغیر مر جائے اس کی رگوں میں جو خون رہ جائے گا اور گوشت کے ساتھ کھا لیا جائے گا تو انسان ان بڑی بڑی خرابیوں میں مبتلا ہو جائے گا جو خون کھانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب پوچھنے والے نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس لحاظ سے تو مچھلی بھی حرام اور مردار ہونا چاہئے کیونکہ وہ ذبح نہیں کی جاتی اور اس سے خون بھی خارج نہیں ہوتا تو امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ مچھلی میں زیادہ خون ہی نہیں ہوتا جو اسے ذبح کرنا ضروری ہو کہ اس کے ذریعے سے خون

باہر نکلے۔ اس میں جتنا کم خون ہے وہ اس خون کی طرح جو ذبح ہونے والے جانور کے جسم میں زائد خون بہ جانے کے بعد رہ جاتا ہے بے ضرر اور حلال ہے۔

(۲) خون

خون دو قسم کا ہوتا ہے۔ نجس اور طاہر۔ انسان کا اور ایسے جانور کا خون نجس ہوتا ہے جس میں اچھلنے والا خون ہوتا ہے یعنی اگر اس کی رگ کاٹ دی جائے تو اس سے خون اچھل کر باہر نکلنے لگے۔ چاہے خون کم ہو چاہے زیادہ۔ اس لئے جو خون دوہتے وقت دودھ میں نظر آئے وہ خود نجس ہے اور دودھ کو بھی نجس بنا دیتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس انڈے سے پرہیز کرنا چاہئے جس میں خون کا ایک ذرہ بھی دکھائی دیتا ہو۔

خون دو موقعوں پر طاہر ہوتا ہے ایک اس حیوان کا خون جس میں اچھلنے والا خون نہ ہو جیسے مچھلی اور مچھر، دوسرے حلال گوشت والے حیوان کا ذبح کے بعد جسم میں رہ جانے والا خون۔ چنانچہ جب حیوان کو شرع کے طریقے سے مار ڈالیں اور اس کا خون معمول کے مطابق خارج ہو جائے تو اس کے جسم میں جو خون رہ جائے گا وہ پاک ہوگا اور اگر جانور کے دم سادھ لینے یا اس کا سر اونچی جگہ پر رکھا ہونے کے باعث خارج ہونے والا خون اس جانور کے جسم میں لوٹ آئے تو باقی خون پاک نہیں ہوگا۔

خون چاہے پاک ہو چاہے نجس کلی طور پر حرام ہے اور طاہر خون جو مچھلی کے بدن کا حصہ ہے یا ذبح کئے ہوئے جانور کے گوشت میں اس طرح رہ گیا ہے کہ وہ گوشت کا حصہ شمار ہوتا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر اب بھی اسے خون ہی کہتے ہیں تو اس کا کھانا بھی حرام ہوگا۔

خون کھانے کے حرام ہونے کا سبب

تفسیر عیاشی میں حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ خون کھانے سے مرض کلب (شدید پیاس یا پاگل پن سا)، سنگدلی، رحم اور مہربانی کی کمی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ جو کوئی خون کھاتا ہے ماں باپ یا عزیزوں اور دوستوں کو قتل کرنے سے بھی نہیں جھجکتا۔

آپؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ خون کھانے سے جسم میں پیلا پانی پیدا ہو جاتا ہے۔(۱) جسم سے بدبو آنے لگتی ہے۔ انسان بدمزاج ہو جاتا ہے۔ اس کی نسل میں پاگل پن سا پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا دل بے رحم ہو جاتا ہے۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خون کھانے سے دل میں سختی آجاتی ہے اور دل سے مہر و محبت جاتی رہتی ہے، بدن بدبو دینے لگتا ہے، رنگ بدل جاتا ہے اور خون کھانے سے انسان میں جزام کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔(بحار جلد ۴ صفحہ ۲۵۰)

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ خون کھانے سے طاعون پیدا ہوتا ہے اور انسان کے دل میں زخم اور پھوڑا پیدا ہو جاتا ہے جو اکثر جان لیوا ہوتا ہے۔

(۳) سور

سور اور کتا دونوں قطعی نجس جانور ہیں جن کے جسم کے تمام حصے یہاں تک کہ بال اور ناخون بھی جو بے جان ہوتے ہیں اور ان کا ذبح کرنا بیکار ہے یعنی وہ کسی طرح بھی پاک ہونے کے لائق نہیں ہیں ان کا کھانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت امام رضاؑ سور کا گوشت حرام ہونے کے متعلق فرماتے ہیں: "خدا نے سور کھانا حرام کر دیا ہے کیونکہ یہ ایک ڈراؤنا اور سخت بدصورت جانور ہے جسے خدا

۱۔ وما الدم فانه یورث اکل لماء الاصفر ...... (کافی)

نے دنیا کی نصیحت اور عبرت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (یعنی اس کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور انسانی چہرے کے حسن پر خدا کا شکر ادا کریں) کہ لوگ اس عیاشی اور مکمل آزادی سے ڈریں جس کی وجہ سے خدا انسانوں کے حسین چہرے چھین کر انہیں سور کی صورت بنا دیتا ہے اور وہ مسخ ہو جاتے ہیں (جیسا کہ اس نے کچھ قدیم لوگوں سے دنیا میں ایسا عمل کیا تھا اور باقی لوگ برزخ کی حالت اور قیامت میں سور کی عادت رکھنے کے باعث انہیں کی صورت میں اٹھیں گے) اور سور کو انسانوں کے بیچ میں چھوڑ بھی دیتا ہے تاکہ ان پچھلے لوگوں کی نشانی باقی رہے جنہیں یہ صورت دے دی گئی تھی۔ سور کے گوشت کے حرام ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی خوراک دنیا کی سب سے گندی اور نجس چیز ہے۔ چنانچہ سور کے کھانے سے بہت سی خرابیاں اور نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔ (عیون الاخبار الرضا و کتاب الاطعمہ وسائل الشیعہ باب ۱)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ خدا نے کچھ لوگوں کو مختلف صورتوں میں بدل ڈالا ہے جیسے سور، بندر، ریچھ وغیرہ اور پھر ان قسموں کے کھانے کو منع فرما دیا تاکہ اس قسم کے حیوانوں سے بچ کر رہیں اور ان کے انجام اور سزا کو معمولی نہ سمجھیں۔ (تفسیر عیاشی و کتاب الاطعمہ والاشربہ وسائل الشیعہ باب ا صفحہ ۲۴۸)

انجمن تبلیغات اسلامی کی کتاب اسلام و علم امروز میں لکھا ہے:

سور ایک ایسا جانور ہے جسے سائنسدان موٹی کھال والے جانوروں کے گروہ میں شمار کرتے ہیں اور جنگلی سور اور دریائی گھوڑے کو بھی اسی نسل سے متعلق بتاتے ہیں۔ سور کا گوشت کھانے سے بہت سے نقصانات ہوتے ہیں پھر بھی لوگ اسے کھلم کھلا کھاتے ہیں اگرچہ خدا نے یہودی قوم کو سور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور

مسلمانوں کے لئے اس کا گوشت حرام کردیا ہے لیکن عیسائی آج بھی سور کا گوشت کھاتے ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ آج سور کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سمجھ چکے ہیں پھر بھی اس کا کھانا نہیں چھوڑتے۔

آج کے سائنس داں نہایت وضاحت سے سمجھ چکے ہیں کہ سور کے گوشت میں کیا کیا نقصانات ہیں اور سماج کی صحت پر اس سے کیا کیا مضر اثرات پڑتے ہیں اور اب اس کی برائی کو روکنے کے لئے دنیا میں اسے حرام کردینے کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔

لاروس میڈیکل ڈکشنری میں تنیا (کینچوے) کے لفظ کے تحت لکھا ہے (جن ملکوں میں سور زیادہ کھایا جاتا ہے ان میں "لادرری" کی بیماری زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی ملکوں میں جہاں سور بالکل نہیں کھاتے، یہ بیماری سرے سے ناپید ہے)۔

سور کے گوشت کے نقصانات

ا۔ روحانی اور اخلاقی نقصانات۔ سائنسی علم میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ انسان جس جانور کا گوشت زیادہ کھاتا ہے اس میں اسی حیوان کی نمایاں عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثلاً اگر وہ ہمیشہ گائے کا گوشت کھاتا ہے تو اس میں گائے کی صفت اور وحشیانہ قوت پیدا ہوجائے گی۔ اگر بھیڑ کا دودھ پیتا اور اس کا گوشت کھاتا ہے تو اس میں نرم مزاجی پیدا ہوجائے گی۔ سور کا گوشت کھانے سے بھی انسان میں سور کی سی عادتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ سور بے حیائی اور بے غیرتی میں مشہور ہیں اور نر مادہ کے جوڑا کھانے میں کوئی شرم لحاظ نہیں کرتے اور نہ ان میں جنسی تعصب پیدا ہوتا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یورپ والے خود اس جانور کے اس عیب کو سمجھتے ہوئے جس شخص

کو بے غیرتی کا طعنہ دینا چاہتے ہیں اسے سور کا لقب دے دیتے ہیں اور یہ ان کے یہاں کی سب سے بڑی گالی ہے۔ سور کا ایک اور روحانی نقصان یہ ہے کہ یہ جانور جس قسم کی گندگی پاتا ہے کھا جاتا ہے۔ کسی چیز سے دریغ نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مجسم گندگی بن گیا ہے۔

یہ برا جانور جسے دیکھ کر انسان گھن کھاتا ہے وہ گندہ اور گندگی کھانے والا ہے جس کے گوشت کے نقصانات جاننے کے باوجود بلاد ان یورپ والے اس کا گوشت اونچی اونچی قیمتوں پر خرید کر کھاتے ہیں۔ اس کی آنت اسی کی چربی اور خون سے بھر کر اور بھون کر شوق سے مزے لے لے کر کھاتے ہیں اور بھیڑ کا ستھرا گوشت کمتر قیمت پر خریدنے کے بجائے اس کی زیادہ قیمت ادا کرتے اور اپنے لئے بیماری مول لیتے ہیں۔

مشہور ہے کہ سور شیطان کی نشانی ہے اور یہ خیال زیادہ تر خود انہیں یورپ والوں کا ہے جو مذکورہ جانور کے مرید ہیں۔ چنانچہ اپنے مذہبی قصوں میں جس وقت شیطان کو جسم عطا کرتے ہیں تو اسے سور کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ برنباس کی انجیل جس کی حقیقت نگاری کی وجہ سے اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے سور کو شیطان کی نشانی بتاتی ہے اور کہتے ہیں کہ اس حیوان کے جسم میں شیطانی روح موجود ہے۔ آج کل عیسائیوں میں جو انجیلیں ملتی ہیں وہ بھی اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ متی (۸۔ ۳۲)، مرقس (۵۔ ۱۔ ۲۰) اور لوقا (۸۔ ۲۶ تا ۳۹) میں حضرت عیسیٰؑ کے شیطان کو سوروں کے گلے کے جسموں میں داخل کرنے اور اس گلے کو دریا کی طرف ہانکنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سو روحانی لحاظ سے بھی عیسائی سور کھانے کی برائی جانتے ہیں پھر بھی اس کا کھانا نہیں چھوڑتے۔

۲۔ جسمانی نقصانات۔ سور کے جسمانی نقصانات بہت سے ہیں جن میں سے دو قسمیں سب سے اہم ہیں۔ ایک تریکین تا تریشین اور دوسرا کرم کدو (کینچوا)۔ نیچے ان کی تفصیل دی جاتی ہے:

ا) تریکین ایک بہت چھوٹا سا جاندار ہے جو سور کے گوشت میں گھر بناتا ہے۔ تریکین ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جس کے نر کا قطر ایک ملی میٹر اور مادہ کا قطر تین ملی میٹر تک ہوتا ہے۔ اس کی مادہ ایک مہینے میں دس سے پندرہ ہزار تک انڈے دے سکتی ہے۔ تریکین صرف سور کو گوشت کھانے سے انسانی جسم میں پہنچ جاتا ہے جس سے خون کے سرخ ذرات پہلے تو بڑھتے ہیں اور پھر ختم ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خون کے ذرات کم ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان کو کمی خون کی بیماری ہو جاتی ہے جس سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

جس وقت تریکین معدے میں پہنچتے ہیں تو معدے کی رطوبتوں کے اثرانداز ہونے کی بناء پر ان کے جھتوں کی دیوار ختم ہو جاتی ہے اور یہ تیزی سے انڈے بچے دے کر معدے اور خون کے راستے سے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے سب سے پہلے سر کے چکر اور بخار آنے لگتے ہیں ان بخاروں میں ہاضمے سے متعلق بخار خاص ہوتے ہیں۔ بعد میں دست آنے لگتے ہیں۔ بخار ابتدا میں کم کم رہتا ہے جو دھیرے دھیرے بڑھتا ہے اور پھر ٹھہر جاتا ہے۔

گٹھیا جیسی دوسری مختلف تکلیفیں پیدا ہو جاتی ہیں، اعصاب کا تناؤ، جسم کی اندرونی کھجلی، کونچوں کا کھنچاؤ، تمام جسم میں تھکن اور ہٹن، چہرے

کے پٹھوں کا کھنچاؤ، آخر میں پورے جسم میں سخت درد ہونے لگتا ہے اور چار پانچ دن کے بعد موت آجاتی ہے۔

بیمار میں دوسری علامات بھی پیدا ہو جاتی ہیں جیسے چبانے، نگلنے اور سانس لینے میں دقت۔ دوسرے وجوہ سے بھی موت واقع ہو سکتی ہے کیونکہ کیڑے معدے میں پہنچ کر تیسرے ہفتے میں پٹھوں پر حملہ شروع کر دیتے ہیں اور ساتویں ہفتے میں پھیپھڑوں میں اکٹھے ہو کر مریض کے اعضائے رئیسہ کی کمزوری پیدا کر دیتے ہیں۔

ٹریکین کیڑے سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے وہ ٹریکیوز کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بیماری ان ملکوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جہاں سور کا گوشت کھایا جاتا ہے لیکن اسلامی ملکوں میں جہاں سور حرام ہے مطلق دیکھنے میں نہیں آتی۔

ٹریکین جب معدے میں پہنچ جاتا ہے تو پھر کوئی کیڑے مار دوا اس کو ختم نہیں کر سکتی اور جب ٹریکین کے ننھے بچے پٹھوں میں پہنچ جاتے ہیں تو پھر کوئی علاج ممکن نہیں رہتا بیمار کو مرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

اس بیماری کی اہمیت اور جسم میں داخلے کے متعلق بتانے کے لئے ہمارا اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ سور کے ایک کلو گوشت میں چار سو ملین (چالیس کروڑ) ٹریکین کے بچے ہو سکتے ہیں۔

ب: لادرری کی بیماری۔ سور کا گوشت کھانے سے انسان کو جو بیماریاں لگتی ہیں ان میں سے ایک نہایت خطرناک بیماری لادرری کی ہے جو کینچوؤں

سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کیڑے کے جسم میں ایک سر ہوتا ہے جس میں دو آنکڑے اور چار پنکھے ہوتے ہیں جن کی مدد سے یہ اپنے آپ کو معدے کی دیوار سے چپکا لیتا ہے۔ سر کے بعد ایک لمبی سی زنجیر ہوتی ہے جس سے اس کا بدن بنتا ہے کبھی کبھی اس زنجیر کے حلقوں کا مجموعہ کئی میٹر لمبا ہوتا ہے جس کے قریب کا حلقہ بہت چھوٹا ہوتا ہے اور جیسے جیسے اس سے دور ہٹتے جائیں حلقے رفتہ رفتہ زیادہ سخت ہوتے جاتے ہیں اور سر اور آخری حلقے کے بیچ میں برابر نئے نئے حلقے بنتے رہتے ہیں جس سے جاندار کی لمبائی بڑھتی رہتی ہے لیکن بدن کے آخری حصے کے حلقے جن میں انڈے بھرے ہوتے ہیں الگ ہو کر فضلے کے ساتھ خارج ہو جاتے ہیں۔ کینچوے کے ہر حلقے میں نر اور مادہ دونوں ہوتے ہیں اور وہ آپس میں ہی جوڑا کھاتے رہتے ہیں۔ جو انڈے اس طرح خارج ہوتے اور گھورے پر ڈھیر ہو جاتے ہیں انہیں سور کھا جاتے ہیں۔ جیسے ہی یہ انڈے سور کے معدے میں داخل ہوئے پھٹ کر نئے بچے دینے لگتے ہیں۔ جب اس سور کا گوشت انسان کھا لیتا ہے (بہت کم اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ سور کے گوشت میں کینچوے کے نئے بچے موجود نہ ہوں) تو وہ اس کی آنت میں بڑھ کر کینچوے بن جاتے ہیں۔ اس مشہور قول کے خلاف کہ کینچوا ایک سے زیادہ نہیں ہوتا انسان کے جسم میں کئی کیڑے داخل ہو سکتے ہیں۔ انسانی جسم میں کینچوؤں سے بہت سی خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے آج کل کے ماہرین کے مطابق ان سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سور کا گوشت نہ کھایا جائے۔

لاوردری کی بیماری ان ملکوں میں زیادہ ہے جہاں سور کا گوشت زیادہ کھایا جاتا

ہے جیسے جرمنی۔ سور کا گوشت کھانے کے صرف یہی دو نقصانات نہیں ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ سور کا گوشت دیر میں ہضم ہوتا ہے اور معدے کو اس کے لئے سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ سور کا گوشت کھانے سے اکثر ایک زہر پیدا ہو جاتا ہے جسے علمی زبان میں بوٹلزم (Botulism) کہتے ہیں۔

دراصل ان لوگوں کے حال پر افسوس کرنا چاہیے جو علمی تجربات کی روشنی میں سور کے نقصانات سمجھ چکے ہیں پھر بھی اس کے کھانے پر اصرار کرتے ہیں اور دین اسلام کی عظمت کا اقرار کرنا چاہیے جس نے تیرہ سو سال پہلے جب کہ دنیا اس قسم کے مسائل سے بہت دور تھی سور کے نقصانات کو نظر میں رکھتے ہوئے اسے حرام کر دیا۔

اسی طرح کتے کے بارے میں جسے اسلام نے نجس العین سمجھ کر اس کے نجس العین ہونے کا حکم لگایا اور اسے گھر میں جگہ دینے سے منع کیا۔ آخر میں آکر یہ کھلا کہ بہت سی بیماریاں کتے سے بھی انسان کو لگ سکتی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

خارش (کھجلی)، گنج اور جلدی بیماریاں جو کھمبیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہڑک (سگ گزیدگی، جنون) اور سب سے بڑھ کر کتے کے کینچوے کا مرض، کتے کی طرح طرح کی جوؤں کا انسان کو لگ جانا، سل کا مرض وغیرہ۔

ان بیماریوں اور ان کے لاحق ہونے کی تفصیل کتاب مذکور میں بیان کی گئی ہے اور یہ بھی لکھا ہے۔ ایک ایسا مائکروب دریافت ہوا ہے جو برتن چاٹنے میں کتے کی زبان سے اس برتن میں جا لگتا ہے۔ اسے مٹی کے سوا اور کوئی چیز دور نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اسلام میں اس برتن کو طاہر کرنا اسے مٹی سے مانجھنے پر موقوف ہے۔

۱۰ قصداً نماز چھوڑنا

چھتیسواں گناہ جسے نص میں کبیرہ کہا گیا ہے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینا ہے جیسا کہ صحیحہ عبدالعظیم میں حضرت امام محمد تقی، حضرت امام رضا، حضرت کاظم اور حضرت امام صادق علیہم السلام نے صراحت فرمائی ہے اسی طرح حضرت امیر المؤمنینؑ کی روایت میں اس کے کبیرہ ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ چونکہ نماز اسلام کے واضح اور ضروری احکام کی رو سے واجب ہے اس لئے جو کوئی نماز کو نہ مان کر چھوڑ دیتا ہے وہ کافر ہے اور دین اسلام سے خارج ہے۔ نماز سے انکار رسالت سے انکار اور قرآن مجید کو نہ ماننا ہے۔ ایسا شخص کافر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص نماز کے واجب ہونے سے انکاری نہیں ہے، قرآن کو حق سمجھتا ہے اور خاتم الانبیاءؐ کی رسالت مانتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نماز خدا نے واجب کی ہے لیکن وہ سستی اور غفلت سے نماز چھوڑ دیتا ہے تو وہ فاسق ہے۔

جو روایتیں نماز چھوڑنے والے کو کافر بتاتی ہیں وہ پہلی صورت حال کے مطابق ایسا کہتی ہیں اور اسی قسم کی روایتیں زیادہ ملتی ہیں اور ان سب کا مضمون بھی ایک ہی ہے۔ (اسائی الاخبار صفحہ ۳۹۴۔ وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "ایک شخص نے رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ہدایت فرمایئے۔" حضرت نے فرمایا: "جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو کوئی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو بات مسلمانوں کو کافر بنا دیتی ہے وہ واجب نماز

کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا ہے یا نماز کو غیر اہم سمجھنا اور خاطر میں نہ لانا ہے اور ایمان اور کفر میں نماز چھوڑ دینے کا فرق ہے۔"(وسائل الشیعہ)

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ شرح کافی میں فرماتے ہیں: "ان میں سے بعض روایتیں بتاتی ہیں کہ جان بوجھ کر تمام واجبات یا کچھ واجبات کو چھوڑ دینا کفر ہے اور یہ بھی کفر کے ایک معنی ہیں جو آیتوں اور حدیثوں میں ملتے ہیں کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے یا زکوٰۃ چھوڑ دینے والا کافر ہے اور جو حج نہیں کرتا وہ کافر ہے۔"

یہی ہے اس بات کا راز کہ ترک واجبات کو روایتوں میں خصوصیت سے گناہان کبیرہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حرام کام کرنے میں غالباً انسان پر شہوت غالب آجاتی ہے اور اسے گناہ پر مجبور کر دیتی ہے جیسے زنا یا مثلاً اسے غصہ مغلوب کر لیتا ہے اور اسے ظلم، گالی، مار پیٹ اور قتل جیسے گناہوں پر مجبور کر دیتا ہے۔ ترک واجبات مثلاً نماز ترک کرنے میں شہوت یا غصے کا کوئی دخل نہیں ہوتا جو نماز چھوڑ دینے پر مجبور کر دے۔ اس کا سبب نماز کو بے وقعت اور حقیر سمجھنا اور دینی کام میں سستی کرنا ہے۔ اس لئے واجبات کا ترک کر دینا خدا کو نہ ماننے کے برابر ہو جاتا ہے اور چونکہ نماز چھوڑ دینے سے دین کی بے عزتی ظاہر اور روشن ہے اس لئے اس حدیث میں خاص طور پر نماز چھوڑ دینے کو کفر سمجھا گیا ہے کیونکہ کبھی کبھی زکوٰۃ اور حج چھوڑ دینے کا سبب دولت کا لالچ بھی ہوتا ہے، روزہ چھوڑ دینے میں پیٹ کی خواہش روزہ رکھنے سے روک سکتی ہے لیکن نماز چھوڑنے کی دین کو حقیر اور بے وقعت سمجھنے کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ علل الشرائع میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام صادق سے پوچھا گیا: "ایسا کیوں ہے کہ نماز چھوڑ دینے والے کو تو کافر کہا گیا ہے لیکن زانی اور

شرابی کو کافر نہیں کہا جاتا۔ امام نے فرمایا: "اس لئے کہ زنا وغیرہ کا سبب شہوت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن نماز چھوڑ دینے کا سبب صرف اس کی تحقیر اور بے وقعتی ہے۔ زانی کو زنا کے کام میں مزہ آتا ہے۔ وہ مزہ لینے کے لئے زنا کرتا ہے اور نماز ترک کر دینے والے کو ترک نماز میں مزہ نہیں ملتا۔"

اس حدیث سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دین کو حقیر سمجھ کر واجبات کو ترک کرنا کفر ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو نماز کو حقیر سمجھتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ "جو شخص نشہ کرتا ہے میں اس کی شفاعت نہیں کروں گا اور نہ وہ مجھ سے ہے۔ جو شراب پیتا ہے وہ حوض کوثر پر نہیں پہنچ سکے گا، خدا کی قسم نہیں۔" (فروع کافی۔ فقیہ)

حضرت امام صادقؑ نے اپنے وفات کے وقت فرمایا تھا کہ "جو نماز کو حقیر سمجھتا ہے ہم اہلبیت اس کی سفارش نہیں کریں گے۔" (فروع کافی)

کچھ بے عقلوں کی غلط فہمی

جب بعض نماز چھوڑنے والوں کو نصیحت کی جاتی ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو ہمارے روزے نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ دراصل یہ جواب شیطان کا بہکاوا ہے یعنی ان کے نماز چھوڑ دینے کا سبب یہ نہیں ہے کہ خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا واحد سبب ان لوگوں کی کچی اور حقیقی بات سے لاعلمی ہے یعنی یہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ اور محتاج نہیں سمجھتے اور اس لحاظ سے انہوں نے اللہ سے اپنی بندگی کا رشتہ ختم کر دیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ پر اس کا احسان اور انعام بھی نہیں مانتے اس لئے انہوں نے اس کا شکر کرنا اور اس کی

بندگی کا فریضہ ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے نماز چھوڑ دینے کا سبب ان کی اکڑ، سنگدلی اور غنڈہ پن ہے۔ عدل الٰہی کا تقاضا کہ ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھا جائے یہ ہے کہ گندے لوگوں کو جو لوہے پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں دوزخ میں جگہ دی جائے جیسا کہ آیتوں اور روایتوں میں خبر دی گئی ہے اور ان کے مقابلے میں ان نرم مزاج لوگوں کو جو اپنے پروردگار کے سامنے جھکتے ہیں جنت میں جگہ دی جائے۔

قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ

نماز چھوڑ دینا ایسا گناہ جس کے لئے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ مدثر میں آیا ہے: "بہشتی بندے دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں دوزخ میں کونسی چیز گھسیٹ کر لے گئی۔ جنتی جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، غریبوں کو کھانا نہیں دیتے تھے (واجب خیرات نہیں کرتے تھے)، اہل باطل کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، ان کے ساتھ ساتھ باطل میں شریک ہوتے تھے اور قیامت کو نہیں مانتے تھے۔"

سورۂ قیامت میں کہا گیا ہے: "کافر سمجھتا ہے کہ وہ ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا (یعنی قیامت نہیں آئے گی) یہی وجہ ہے کہ نہ وہ پیغمبروں کو مانتا ہے جو کوئی فرض سمجھے (یعنی نہ واجب خیرات دیتا ہے اور نہ اپنے آپ کو بندہ سمجھ کر خدا کی عبادت کرتا ہے) نہ نماز پڑھتا ہے بلکہ خدا کے پیغمبروں کو جھٹلاتا اور اللہ والوں سے منہ موڑتا ہے اور اپنے گھر والوں کی طرف اتراتا ہوا جاتا ہے۔" (آیات ۳۱ و ۳۲)

اس سلسلے میں خدا قیامت کو نہ ماننے والوں اور کافروں کی کچھ بری خصوصیات بیان کرتا ہے:

۱۔ پیغمبروں کو نہیں مانتے اور ایک خدا کا اقرار نہیں کرتے۔
۲۔ نماز نہیں پڑھتے چونکہ ایمان کی ایک اہم علامت نماز ہے اور اس کی چھوڑ دینا کفر ہے۔
۳۔ پیغمبروں کو جھوٹا بتاتے ہیں۔
۴۔ سچی (خدا کی) بات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

اس کے بعد انہیں ڈراتے ہوئے اور ان کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ اولیٰ لک۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ ویل لک ہے اور اسے چار بار دہرانا تاکید کے لئے ہے یا چار مرتبہ کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ دنیا میں ہلاکت، قبر کا عذاب، قیامت کے ہول، دوزخ میں ہمیشگی۔

سورۃ ماعون میں کہا گیا ہے: "دکھاوے کی نماز پڑھنے والوں کے لئے سخت عذاب ہے جو لوگ اپنی نماز سے غافل اور بے خبر ہیں اور اسے وقعت نہیں دیتے اور اس کو خاطر میں نہیں لاتے (چونکہ اس کے ثواب پر عقیدہ نہیں رکھتے اور اسے چھوڑنے پر ملنے والے عذاب اور سختی سے نہیں ڈرتے اور ظاہر میں نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں سے کوئی نقصان نہ پہنچے اور پوشیدگی میں اسے چھوڑ دیتے ہیں) اور مستحق لوگوں سے زکوٰۃ روک لیتے ہیں یعنی انہیں زکوٰۃ نہیں دیتے۔" (آیات ۴ تا ۷)

ویل (عذاب کی سختی) اس نماز سے غفلت برتنے والوں کے لئے ہے جو دین کا ستون اور اسلام اور کفر میں فرق اور امتیاز قائم کرنے والی چیز ہے۔

"ویل" دوزخ کے ایک درجے کا نام ہے یا اس کے ایک کنوئیں یا گڑھے کا نام ہے یا عذاب کا لفظ ہے اور اس کے اوپر لگے ہوئے دو پیش اس کی برائی کے لئے ہیں

یعنی بڑا عذاب۔

سورۃ مریم میں کہا گیا ہے: "نبیوں اور امت کے نیک بندوں کے بعد ایک ایسی جماعت آئی جس نے نہایت غفلت اور جہالت کی وجہ سے نماز چھوڑ دی اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئی یہ جماعت بہت جلد "غی" کو پہنچ جائے گی (یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کا عذاب دوزخ کے باقی تمام طبقوں سے زیادہ ہے اور جس کے عذاب سے اہل جہنم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس میں ایک سانپ ہے جس کی لمبائی ساٹھ سال اور چوڑائی تیس سال کی مسافت ہے اور جب سے پیدا ہوا ہے اس نے صرف نماز چھوڑنے اور شراب پینے والے کو نگلنے کی غرض سے منہ بند کیا ہے ورنہ اس کا منہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے)۔ (آیت ۵۹)

سورۃ روم میں ارشاد ہوا ہے: "نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔" (آیت ۳۱)

اس آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ نماز چھوڑ دینے والا بت پرست اور مشرک کے برابر ہے۔

نماز کی اہمیت کے بارے میں قرآنی آیات بہت سی ملتی ہیں لیکن جتنی بیان کردی گئیں وہی کافی ہیں۔

نماز ترک کردینے کے دنیا اور آخرت میں پندرہ نتیجے

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو اپنی نماز کو حقیر سمجھے گا اور اسے ادا کرنے میں سستی کرے گا خدا اسے پندرہ بلاؤں میں مبتلا کرے گا۔ چھ بلائیں دنیا میں، تین اس کے مرتے وقت، تین قبر میں اور تین قیامت میں جب وہ قبر سے اٹھے گا۔"

دنیا کی چھ بلائیں یہ ہیں: (۱) خدا اس کی عمر اور (۲) روزی سے برکت اٹھالے گا۔ (۳) اس کے چہرے سے نیک لوگوں کی نشانی مٹا دے گا۔ (۴) جو نیک

کام کرے گا قبول نہیں ہوگا اور اس کا اجر نہیں ملے گا۔ (۵) اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (۶) نیک لوگوں کی دعاؤں سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

اس کے مرتے وقت کی تین بلائیں یہ ہیں: (۱) وہ ذلت اور خواری سے مرے گا۔ (۲) بھوکا مرے گا۔ (۳) پیاسا مرے گا۔ اس کی پیاس اتنی شدید ہوگی کہ دنیا کے دریاؤں سے چاہے جتنا پانی پیئے سیراب نہیں ہوگا۔

قبر میں جو تین بلائیں اس پر نازل ہوں گی وہ یہ ہیں: (۱) قبر میں ایک فرشتہ متعین کر دیا جائے گا جو اسے بھینچتا اور عذاب دیتا رہے گا۔ (۲) اس کے لئے قبر تنگ ہوگی۔ (۳) اس کی قبر تاریک ہوگی۔

قیامت کی تین بلائیں یہ ہوں گی: (۱) ایک فرشتہ اسے اوندھے منہ گھسیٹتا ہوا حساب کے لئے حساب کتاب کے مقام تک لے جائے گا اور لوگ اسے دیکھتے ہوں گے۔ (۲) حساب میں اس سے بہت سختی ہوگی۔ (۳) خدا اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا، اسے پاک نہیں کرے گا اور اسے دردناک عذاب ملے گا۔ (مستدرک کتاب صلوٰۃ نقل از فلاح السائل سید ابن طاؤس)

خدا کا سب سے اہم واجب فریضہ

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "قیامت میں بندے سے جو سب سے پہلا عمل پوچھا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر وہ قبول ہوگی تو دوسرے اعمال بھی قبول ہو سکیں گے اور اگر قبول نہ ہوئی تو دوسرے کام بھی نامقبول ہو جائیں گے۔" (بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۵۲)

آپؑ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ "وہ سب سے بڑا عمل کونسا ہے جس کے سبب سے بندے اپنے پروردگار کے قریب ہو سکیں گے؟"

آپؑ نے فرمایا: "خدا، پیغمبرؐ اور امامؑ کی معرفت کے بعد میں نماز سے بڑھ کر اور کوئی عمل نہیں سمجھتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت مسیحؑ جیسے نیک بندے نے کہا تھا کہ خدا نے مجھے تا زیست نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت فرمائی ہے؟" رسول خداؐ سے سب سے اچھے عمل کے بارے میں لوگوں نے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "سب سے اچھا عمل وہ نماز ہے جو وقت آتے ہی پڑھی جائے۔" (کافی)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "نماز دین کا ستون ہے۔ نماز خیمے کے بیچ کی بلی کی طرح ہے کہ جب تک وہ کھڑی ہے خیمے کی رسیاں اور کھونٹے بھی ثابت ہیں اور جب وہ لکڑی ٹیڑھی ہو جائے گی یا ٹوٹ جائے گی رسیاں اور کھونٹے بھی اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور خیمہ گر پڑے گا۔" (بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۹) اسی طرح نماز سے ایمان اور تمام اعمال اور عبادتیں وابستہ ہیں۔ اگر نماز چھوٹ جائے گی تو باقی تمام اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔

حضرت امام صادقؑ نے اس آیت "جو کوئی اپنے عقیدے سے کافر ہو جائے گا اس کا عمل بیکار ہو جائے گا (سورۂ مائدہ آیت ۵)" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: "یہ آیت کسی بیماری اور مجبوری کے بغیر نماز ترک کر دینے کے بارے میں ہے۔" (بحار الانوار جلد ۱۸) یعنی ایسی بیماری اور مجبوری یا پریشانی جس کی وجہ سے نماز کی یاد نہ رہے۔

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا ہے: "دین اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور ولایت۔" زرارہ نے پوچھا: "کونسی چیز افضل ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "ولایت! کیونکہ آل محمد علیہم السلام کی ولایت باقی چیزوں کی کنجی کی طرح ہے اور ولایت کے بعد نماز سب سے افضل ہے کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے

کہ "نماز تمہارے دین کا ستون ہے۔" (بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۱۴)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جب قیامت برپا ہوگی تو بچھو کی قسم سے ایک چیز دوزخ سے نکلے گی جس کا سر ساتویں آسمان پر، پونچھ زمین کے اندر اور منہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا اور وہ کہے گی وہ لوگ کہاں ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑے تھے۔ پھر جبرئیلؑ نازل ہوں گے اور کہیں گے تو کن لوگوں کو چاہتی ہے؟ وہ کہے گی پانچ گروہوں کو: نماز ترک کرنے والے، زکوٰۃ سے انکار کرنے والے، سود کھانے والے، شراب پینے والے اور مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے والے۔" (یعنی حرام اور ناجائز باتیں کرنے والے جیسے چغلی، مسلمان پر تہمت، باطل کی تبلیغ، ظالم کی تعریف اور ایسے شخص کی تعریف جو تعریف کا مستحق نہ ہو اور ایسے شخص کی برائی جو برائی کا مستحق نہ ہو۔ وعلیٰ ھذا القیاس)۔ (لئالی الاخبار)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس کے عذاب کی شدت سے جہنمی روزانہ ستر ہزار مرتبہ فریاد کرتے ہیں، اس میں آگ کا ایک گھر ہے، اس گھر میں آگ کا ایک کنواں ہے اور اس کنوئیں میں ایک صندوق ہے، جس میں ایک سانپ ہے، اس سانپ کے ایک ہزار سر ہیں اور ہر سر میں ایک ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک ہزار دانت ہیں اور ہر دانت کی لمبائی ایک ہزار گز ہے۔"

انسؓ نے پوچھا: "یا رسول اللہؐ! یہ عذاب کس کے لئے ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "شراب پینے اور نماز ترک کردینے والے کے لئے۔" (لئالی الاخبار صفحہ ۳۹۵)

نماز ترک کردینے والے کی سخت سزا کے بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں لیکن اتنی ہی کافی ہیں۔

نماز ترک کر دینے والے کی مدد

نماز ترک کر دینے والے کی مدد پر ملنے والی سخت سزاؤں کے متعلق بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔ مثلاً پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز چھوڑ دینے والے کی کھانے یا کپڑے سے مدد کرے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے ستر پیغمبروں کا قتل کیا ہو جن میں سے پہلے آدمؑ ہوں اور آخری محمدؐ ہوں۔ (لئالی الاخبار)

پیغمبر اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو کوئی نماز چھوڑ دینے والے کو ایک گھونٹ پانی بھی پلائے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے میرے اور تمام پیغمبروں کے مقابل ہو کر لڑائی لڑی ہو۔" آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "جو کوئی نماز ترک کر دینے والے کے ساتھ ہنسے گا اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے اس نے خانہ ء کعبہ کو ستر بار ڈھایا ہو۔" (لئالی الاخبار صفحہ ۳۹۵)

بظاہر اس قسم کی حدیثوں اور روایتوں کا مفہوم یہ ہے کہ مدد اور احسان کرنے سے نماز ترک کرنے کی جرأت بڑھتی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ گناہگار کے ساتھ نیکی اور احسان سے جب گناہ کے جاری رہنے کا امکان ہو تو وہ حرام ہوتا ہے اور نہی عن المنکر کی رو سے اس کا ترک کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔

ان باتوں کے پیش نظر اگر نماز ترک کرنے والے کی مدد سے اس میں ترک نماز کی جرأت پیدا نہ ہوتی ہو یعنی مدد کرنے نہ کرنے سے اس کے نماز ترک کرنے میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو تو معلوم نہیں کہ اس موقع پر بھی ان روایتوں کا اطلاق ہو گا یا نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مدد اور احسان، گناہ ترک کرنے اور نماز پڑھنے کا سبب بن جائے۔ اس صورت میں بلاشبہ نماز ترک کرنے والے کی مدد بہت اچھی بلکہ بعض موقعوں پر واجب بھی ہو جاتی ہے۔

نماز چھوڑ دینے کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ نماز کو نہ ماننے کی وجہ سے بالکل چھوڑ دینا۔ یعنی نماز کو خدا کا واجب فریضہ نہیں مانتا اور اس کی ادائیگی اپنے اوپر لازمی نہیں سمجھتا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے چونکہ یہ شخص دین کے ایک ضروری عمل سے انکاری ہے اسی لئے کافر ہو گیا۔ اس نے دراصل خدا کی خدائی، خاتم الانبیاءؐ کی پیغمبری اور قرآن مجید سے انکار کر دیا ہے۔ یہ ایسا شخص ہے جس پر ہمیشہ کا عذاب ہو گا اور جس کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔

۲۔ بالکل نماز ترک کر دینا لیکن اس کا سبب انکار نہیں ہے بلکہ سستی، آخرت کے کاموں کی طرف بے دھیانی اور خواہشات اور دنیا کے دھندوں میں مشغولیت ہے۔ نماز ترک کر دینے کی یہ قسم گناہ کا سبب ہوتی ہے اور انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی سخت سزا کے بارے میں جو آیتیں اور روایتیں ملتی ہیں ان میں سے کچھ بیان کی جا چکی ہیں۔ ایسا شخص اگر دنیا سے ایمان کے ساتھ جاتا ہے تو ترک نماز کے مقررہ عذاب بھگتنے کے بعد نجات پا جائے گا لیکن نماز ترک کرنے والے کا دنیا سے ایمان کے ساتھ جانا بہت مشکل ہے کیونکہ دل جو ایمان کی جگہ ہے گناہوں کی وجہ سے تاریک اور سخت ہوتا جاتا ہے اور دھیرے دھیرے اس سے ایمان کی روشنی مٹتی جاتی ہے البتہ اگر اس پر خدا کا فضل ہو جائے اور اہلبیتؑ کی محبت کی برکت سے مرتے وقت خدا اس کی فریاد سن لے تو وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے جا سکتا ہے اور پھر ممکن ہے کہ ان کی شفاعت سے اس کے عذاب میں کمی ہو جائے یا عذاب ختم ہی ہو جائے لیکن خود اہلبیتؑ سے یہ روایت ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص نماز کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دے گا وہ ہم اہلبیتؑ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

۳۔ کبھی کبھی نماز چھوڑ دینا۔ ایمان کی کمزوری اور آخرت کے کام کی طرف کم

توجہی کے باعث کبھی ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا ہے یا نماز کے اوقات کو اہمیت نہ دینے سے وقت پر نماز اس خیال سے چھوڑ دیتا ہے کہ بعد میں اس کی قضا پڑھ لوں گا۔

ترک نماز کی یہ قسم اگرچہ مذکورہ دو قسموں کی طرح نہیں ہے لیکن ایسا شخص نماز قضا کرنے اور اسے غیر اہم سمجھنے والا ضرور ہے۔ چنانچہ جو بات نماز کھونے اور اسے حقیر سمجھنے والوں کے بارے میں کہی گئی ہے وہی اس کے حق میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں خصوصیت سے کچھ روایتیں ملتی ہیں۔ مثلاً حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اصل وقت گزرنے کے بعد فرض نماز پڑھتا ہے اس کی نماز تاریک اور وحشت ناک حالت میں اوپر جاتی ہے اور اپنے پڑھنے والے سے کہتی ہے کہ تو نے مجھے ضائع کیا خدا تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے کھویا۔" آپؑ نے فرمایا: "قیامت میں بندے سے سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ نماز ہے۔ اب اگر اس کی نماز پاکیزہ ہوگی تو اس کے تمام اعمال پاکیزہ ہوں گے اور اگر نماز خراب نکلی تو اس کے باقی اعمال بھی قابل قبول نہیں ہوں گے۔" (وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ ابواب المواقیت باب اول)

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "میں اس شخص کی شفاعت نہیں کروں گا جو واجب نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اتنی دیر کرے کہ اس کا وقت ہی گزر جائے۔" (وسائل الشیعہ صلوٰۃ ابواب مواقیت)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جب تک کوئی شخص یہ دھیان رکھتا ہے کہ رات دن میں پنج وقتہ نماز بروقت ادا کرتا رہے، اس سے شیطان ڈرتا رہتا ہے اور اس کے پاس نہیں آتا، لیکن جب وہ نماز ضائع کر دیتا ہے تو شیطان میں یہ جرأت پیدا ہو

جاتی ہے کہ وہ اس سے گناہ کروائے۔" (وسائل الشیعہ صلوٰۃ ابواب مواقیت)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "جو شخص واجب نماز اس کے وقت پر پڑھتا ہے، اس کا حق پہچانتا ہے اور کسی بات کو اس پر مقدم نہیں رکھتا خدا اسے عذاب سے نجات دے دیتا ہے (یعنی اس کو عذاب نہیں دیتا) اور جو غیر وقت پر یعنی اصل وقت نکل جانے پر نماز پڑھتا ہے اور دنیا کے کاموں کو نماز پر مقدم رکھتا ہے تو اس کا معاملہ خدا پر ہے۔ اگر اس نے چاہا تو اسے بخش دے گا اور چاہا تو عذاب دے گا۔ (یعنی اس کے لئے یقینی نجات نہیں ہے)۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ ابواب مواقیت)

اول وقت نماز پڑھنے کی تاکید

اس بارے میں کہ نماز کے وقتوں کا دھیان رکھنا اور انہیں وقت پر ادا کرنا لازم ہے بہت سی روایتیں ملتی ہیں اور بہت زیادہ ہدایت کی گئی ہے کہ نماز اول وقت پڑھی جائے اور کسی عذر کے ل وقت سے ملتوی نہ کی جائے۔ ہمارے پیشوا بے حد سخت حالات میں بھی نماز کو اول وقت میں ہی ادا کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد القلوب میں روایت ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ جنگ صفین میں ایک دن لڑائی میں مشغول تھے اور اس حالت میں بھی سورج کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابن عباس نے پوچھا: "آپ سورج کو کیوں دیکھ رہے ہیں؟" آپؑ نے فرمایا: "زوال آفتاب (ظہر کی نماز کا اول وقت) دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ نماز پڑھوں۔" ابن عباس نے کہا: "کیا لڑائی کی اس کشمکش میں بھی نماز پڑھنے کا موقع ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "ہم ان لوگوں سے کس لئے لڑ رہے ہیں؟ ان سے ہماری لڑائی اسی بات کے لئے تو ہے کہ نماز قائم ہو۔" (۱)

۱۔ بحار کی دسویں جلد، مقتل ابو مخنف اور لہوف میں سید علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ عاشورے کے دن زوال آفتاب کے وقت ابو ثمامہ صیداوی نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابن عباس کہتے ہیں : "آپؑ نے کبھی نماز شب ترک نہیں فرمائی یہاں تک کہ "لیلۃ الھریر" (جنگ صفین کی سب سے زیادہ سخت رات) میں بھی نماز ادا کی۔

۴۔ نماز کی واجب باتوں میں سے کوئی ایک واجب بات ترک دینا۔ یعنی نماز اس طرح نہیں پڑھتا جس طرح کہا گیا ہے۔ اس کے صحیح و درست ہونے کا دھیان نہیں رکھتا اور اسے اہمیت نہیں دیتا مثلاً نماز غصب کیے ہوئے یا نجس لباس میں یا غصب کیے ہوئے یا نجس مقام پر پڑھتا ہے یا واجب قرأت نہیں کرتا یا غلط پڑھتا ہے اور اسے درست بھی نہیں کرتا یا قرأت اور واجب ذکر کے دوران جسم کی پوزیشن صحیح نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص نماز کے بعض حصوں کو ضائع اور خوار کرتا ہے۔ چنانچہ نماز کو غیر اہم سمجھنے والوں کے بارے میں جو کچھ حکم ہے اس کا اطلاق اس پر بھی ہوگا۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک

گزشتہ سے پیوستہ:

کی خدمت میں عرض کیا: "اے میرے آقا! ہم سب قتل ہوں گے اور ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو گیا ہے تو نماز پڑھ لیجیے (یعنی جماعت کے ساتھ) میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری آخری نماز ہوگی۔ امید ہے کہ ہم اس بڑے مقام پر خدا کا ایک فریضہ ادا کرنے کے بعد اس سے ملاقات کریں گے۔"

امام علیہ السلام نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: "تم نے نماز کی بات کی، خدا تمہیں نماز ادا کرنے والوں میں شمار کرے، ہاں یہ نماز کا اول وقت ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "اذان دو، خدا تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔" جب وہ اذان سے فارغ ہوئے تو امام نے فرمایا: "اے عمر بن سعد! کیا تو نے اسلام کے احکام بھلا دیے؟ تو لڑائی نہیں روک لیتا جو ہم نماز پڑھ لیں؟ اس کے بعد پھر لڑائی شروع کردیں گے۔"

پھر آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح نماز خوف ادا کی کہ زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی آپ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ جس طرف سے کوئی تیر یا نیزہ آتا تھا اپنے آپ کو ڈھال بنا کر اسے روک لیتے تھے یہاں تک کہ سعید کے بدن میں نیزے اور تلوار کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیر پیوست ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑے اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا لیکن اس نے نماز کے رکوع اور سجدے پورے نہیں کئے (ان میں ذکر واجب چھوڑ دیا یا صحیح نہیں پڑھا یا جسم کی صحیح پوزیشن نہیں رکھی) اس پر رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہ اپنا سر زمین پر رکھتا ہے اور کوے کی طرح جو زمین پر چونچ مارتا ہے اٹھا لیتا ہے اگر یہ شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس کی نماز یہ ہو تو یہ میرے دین پر نہیں مرے گا۔ (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ باب ۸ از کافی و تہذیب و محاسن و اربعین شہید ثانی)

پیغمبر اکرمؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز میں سے چرا لیتا ہے۔" آپؐ سے پوچھا گیا: "یا رسول اللہ! اپنی نماز میں سے وہ کیسے چراتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "نماز کے رکوع اور سجدے پورے پورے ادا نہیں کرتا۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ مستدرک باب ۸ حدیث ۱۸)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو کوئی نماز کے رکوع و سجود کو صحیح ادا نہ کرے تو وہ ایسا ہے گویا اس نے نماز ہی نہ پڑھی ہو۔"

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص نماز کے رکوع، سجدے اور دوسرے واجبات صحیح صحیح ادا کرتا ہے تو وہ نماز دمکتی چمکتی اوپر جاتی ہے۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ کہتی ہے تو نے میری حفاظت کی ہے خدا تیری حفاظت کرے۔ پھر فرشتے کہتے ہیں اس نماز پڑھنے والے پر خدا کا درود اور رحمت نازل ہو۔ اگر نماز کے واجبات صحیح صحیح ادا نہیں کرتا تو نماز اوپر اس طرح جاتی ہے کہ تاریک ہوتی ہے۔ آسمان کے دروازے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں اور وہ کہتی ہے تو نے مجھے کھو دیا خدا تجھے بھی کھو دے اور وہ نماز اس شخص کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ المستدرک)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "ہر چیز کا ایک چہرہ ہوتا ہے جو اس کے تمام اجزا سے بڑا اور محترم ہوتا ہے چنانچہ تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے تم میں سے کسی کو نہیں چاہئے کہ وہ نماز کو خراب کرے یا بگاڑے کیونکہ وہ ایمانداری کے بدن کے چہرے کی طرح ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ)

اس بارے میں بہت سی روایتیں ہیں لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ شخص جو نماز کا کوئی واجب ترک کرے جو نماز کی صحت و درستی کی شرط ہے اور وہ شخص جو نماز کو بالکل ترک کر دے دونوں برابر ہیں اتنی ہی مقدار کافی ہے۔

نماز کے قبول ہونے کے لئے دوسری شرائط بھی ہیں

ایک شخص نماز صحیح صحیح پڑھتا ہے۔ تارک نماز نہیں ہے۔ اس کی ذمہ داری ختم ہے۔ اس کے لئے کوئی عذاب نہیں ہے لیکن اس نماز کے خدا کی درگاہ میں قبول ہونے اور اس کے بڑے ثواب ملنے کے لئے دوسری شرطیں بھی ہیں جن میں سب سے بڑی شرط دھیان کی یکسوئی (حضور قلب) ہے۔ اگر نماز پڑھنے والا قبولیت کی شرطوں کا دھیان رکھ سکے تو ایسے بلند درجات پر پہنچ جائے گا جہاں کسی اور عمل سے نہیں پہنچ سکے گا۔(۱)

یہاں چند روایتیں بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو امید ہے کہ مفید ہوگا۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص دو رکعت نماز یہ دھیان رکھ کر پڑھ رہا ہے کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہا ہے تو نماز سے فارغ ہوتے ہی اس کا ہر گناہ معاف ہو جائے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب کافی و صلوٰۃ ابواب افعال الصلوٰۃ باب ۲ صفحہ ۳۴۱)

۱۔ کتاب اسرار الصلوٰۃ شہید ثانی و حاجی مرزا جواد تبریزی و کتاب صلوٰۃ الخاشعین قلم مولف۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں: "تم نے جتنی نماز حضور قلب سے پڑھی وہ تمہاری ہے۔ اگر کوئی پوری نماز میں غافل رہے یا اس کے آداب ترک کردے تو وہ پیچیدہ ہو جائے گی اور نماز پڑھنے والے کے منہ پر ماردی جائے گی۔" (وسائل الشیعہ ابواب افعال الصلوۃ باب ۳ حدیث ۱)

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "تم میں سے کسی کو سستی، افسردگی اور فضول باتیں کرتے میں نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔ نماز پڑھتے میں اپنی باتیں نہیں کرنا چاہئیں نہ نماز چھوڑ کر ان میں مشغول ہونا چاہیے کیونکہ نماز پڑھتے میں انسان اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور بندے کے لئے اس کی نماز کا اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا اس نے حضور قلب (دھیان) سے پڑھا ہے۔" (وسائل الشیعہ ابواب افعال الصلوۃ باب ۳ حدیث ۳)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "دو رکعت نماز جو مختصر طور پر حضور قلب کے ساتھ معنی و مطلب پر غور کرتے ہوئے پڑھی جائے اس عبادت سے بہتر ہے جو پوری رات کی جائے۔" (وسائل الشیعہ صلوٰۃ باب ۱۷ حدیث ۱۳)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "خدا اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کا قلب حاضر نہ ہو۔" (وسائل الشیعہ کتاب صلوٰۃ مستدرک باب ۱۶)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جب تم نماز کو کھڑے ہو تو اپنے دل کو آمادہ کرو کیونکہ جب تم نماز کا رخ کرو گے تو خدا بھی تم کو رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر تم منہ پھیرو گے تو خدا بھی تم پر رحمت کی نظر نہیں ڈالے گا۔ چنانچہ نماز پڑھنے والے کے حضور قلب کے مطابق نماز کا تہائی، چوتھائی یا چھٹا حصہ قبول ہوتا ہے اور جو اپنی پوری نماز میں غافل رہتا ہے خدا اسے کچھ بھی عطا نہیں کرتا۔" (وسائل الشیعہ

کتاب صلوٰۃ مستدرک باب ۷ احدیث ۴)

مرحوم نراقی معراج السعادت میں فرماتے ہیں: نماز خدائی معجون ہے جو بہت سے اجزاء سے مل کر بنی ہے۔ ان میں سے کچھ روح کی طرح ہیں۔ کچھ بدن کے اعضائے رئیسہ کی طرح ہیں اور کچھ باقی دوسرے اعضا کی طرح ہیں۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جیسے انسان بہت سے مقررہ اجزاء کے ملنے سے بنا ہے۔ انسان کی روح، اس کے اندرونی اعضاء اور کچھ دوسرے اعضاء جو ظاہر ہیں سب مل کر اس کے وجود کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ اعضاء مختلف قسم کے ہیں۔ یعنی ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے انسان بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے دل، جگر اور سر وغیرہ۔ کچھ ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے انسان مرتا تو نہیں لیکن ناقص ہو جاتا ہے اور انسانیت نامکمل رہ جاتی ہے جیسے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، زبان وغیرہ بعض ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے حسن جاتا رہتا ہے اور آدمی بدہیئت ہو جاتا ہے جیسے بھوں، پلک، داڑھی، کان کچھ ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے حسن مکمل نہیں ہو پاتا جیسے آنکھ کا بڑا پن، بالوں کی سیاہی، چہرے کی سرخی وغیرہ۔ اسی طرح نماز بھی ایک مرکب حقیقت ہے جسے شریعت نے مختلف چیزوں سے سجایا ہے اور ہمیں اس کے بجالانے پر مقرر کر دیا ہے۔ اس کی روح قرب کی نیت اور اس کا خلوص حضور قلب ہے۔ اس کے ارکان یعنی تکبیر، رکوع، سجدہ، تشہد اور قیام اس کے اعضائے رئیسہ ہیں جنہیں چھوڑ دینے سے نماز مر جاتی ہے یعنی ختم ہو جاتی ہے اس کے باقی واجب اعمال مثلاً رکوع، سجود، تشہد میں قرأت اور ذکر جنہیں عمداً ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور زبان وغیرہ ہیں جن کے تلف ہونے سے کبھی انسان تلف ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ نماز کے مستحب اعمال جیسے قنوت، تکبیریں اور مستحب اذکار ایسے ہیں جیسے بھوں، پلک

اور آنکھ کے گڑھے کی سیاہی جن میں سے کچھ کے زائل ہونے سے حسن زائل ہو جاتا ہے اور بعض کے ختم ہو جانے سے حسن میں کمی آجاتی ہے۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضور قلب اور قبول ہونے کی شرطیں گویا نماز کی روح ہیں اور جو نماز ان سے خالی ہو وہ بے جان جسم کی طرح ہے جس طرح بے جان جسم حیوان کے تمام خواص اور علامات سے خالی ہوتا ہے اسی طرح جو پوری نماز حضور قلب سے خالی ہو اس کا پڑھنے والا نماز کے تمام نتائج اور اثرات سے محروم رہے گا مثلاً نماز کی ایک خاصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی رو سے نماز پڑھنے والے کو ہر برے اور ممنوعہ کام سے روکتی ہے۔ (سورۃ عنکبوت آیت ۴۵) سو اگر کسی نماز پڑھنے والے سے کوئی ممنوعہ کام ظہور میں آتا ہے تو اس کی نماز روح سے خالی ہے۔

دل کی حضوری اور اقبال کیا چیز ہے؟

اقبال کے معنی ہیں کہ متوجہ رہے اور سمجھتا جائے کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ خدا کی تعریف کرے اور یہ یاد رکھے کہ وہ انسانوں جیسا مخاطب نہیں ہے تاکہ اس کے دل میں اس کی عظمت کی ہیبت اور بندگی کا حق ادا کرنے میں اپنی تقصیر کا خوف پیدا ہو۔ اپنی خطاؤں کو دیکھتے ہوئے خدا کے سامنے شرمندگی کا احساس پیدا ہو اور اس کی رحمت کے پیش نظر اس کے بے انتہا فضل و کرم کا امیدوار رہے۔ غرض اس کے دل میں خوف اور امید پیدا ہو۔

حضور قلب کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ اس کا بلند ترین درجہ حضرت امیر المؤمنینؑ میں تھا جن کے جسم سے تیر نکال لیا گیا اور آپ کو محسوس بھی نہیں ہوا۔ جنگ صفین میں آپ کی ران پر ایک تیر یوں آبیٹھا کہ لوگ اسے نکالنے کی کتنی ہی کوشش کرتے تھے لیکن آپ کے درد اور تکلیف کی وجہ سے نکال نہیں پاتے تھے۔

حضرت امام حسنؑ سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا: "ٹھہرو میرے والد کو نماز کے لئے کھڑا ہونے دو کیونکہ اس حالت میں وہ اپنے آپ سے اس قدر بے خبر ہو جائیں گے کہ انہیں احساس بھی نہیں ہوگا۔" چنانچہ حضرت امام حسنؑ کے حکم کے مطابق اسی حالت میں آپؑ کا تیر نکالا گیا۔ نماز کے بعد آپؑ کو پتا چلا کہ پاؤں سے خون بہہ رہا ہے۔ پوچھا: "یہ کیا ہوا؟" تو لوگوں نے بتایا: "نماز پڑھتے میں آپؑ کے پاؤں سے تیر نکالا گیا ہے۔"

سفینۃ البحار کی جلد ۲ کے صفحہ ۱۴۵ پر لکھا ہے کہ ایک غزوے میں جب رسول خداؐ فوج کے ساتھ تھے ایک رات کو لشکر اسلام کا پہرا عباد بن بشر اور عمار یاسر کے سپرد تھا۔ آدھی رات تک عباد کی ڈیوٹی تھی اور آدھی رات کے بعد عمار کی۔ چنانچہ عمار سو گئے اور صرف عباد بن بشر جاگ رہے تھے۔ وہ نماز پڑھنے لگے۔ اس وقت ایک کافر شب خون مارنے کی نیت سے لشکر اسلام کی طرف یہ خیال کرتے ہوئے بڑھا کہ اس وقت کوئی پہرے دار نہیں ہے اور سب سوئے ہوئے ہیں۔ اس نے دور سے عباد بن بشر کو کھڑے ہوئے دیکھا لیکن یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ یہ کوئی انسان ہے یا جانور ہے یا درخت ہے۔ اس بات کا پتا لگانے اور اپنا اطمینان کرنے کے لئے اس نے عباد کی طرف ایک تیر پھینکا۔ تیر عباد کے جسم میں پیوست ہو گیا لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس نے دوسرا تیر مارا اور انہیں سخت زخمی کر دیا اور ان کا خون بہنے لگا۔ انہوں نے پھر بھی کوئی حرکت نہیں کی۔ اس نے تیسرا تیر مارا تو آپ نے نماز کو مختصر کر کے ختم کیا اور عمار کو جگایا۔ عمار نے دیکھا کہ عباد کے جسم پر تین تیر پیوست ہیں جن کے باعث وہ خون میں ڈوب گئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: "مجھے پہلے ہی تیر پر کیوں نہیں جگا دیا؟" عباد بولے: "میں نماز میں سورۃ کہف پڑھنے میں

مشغول تھا اسے ادھورا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ دشمن مرے سر پر آپہنچے گا اور پیغمبرؐ پر حملہ کر بیٹھے گا اور اس چوکسی میں جو میرے سپرد کردی گئی ہے میری طرف سے کوتاہی ہو جائے گی میں کبھی نماز کو مختصر نہ کرتا چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔"

یہ بھی ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والا خضوع و خشوع کے ساتھ سنجیدہ اور پر سکون ہو۔ جس وقت نماز پڑھے تو اس شخص کی طرح جو اپنی عمر کی آخری نماز پڑھ کر اس سے رخصت ہوتا ہے اور استغفار کرے اور سچے دل سے کہے: "ایاك نعبد وایاك نستعین."

رکاوٹیں دور کر دینا چاہئیں

لازم ہے کہ نماز پڑھنے والا شیطان کی مکاریوں سے دور رہے اور عبادت کے قبول ہونے میں جو بات رکاوٹ پیدا کرتی ہو اس سے بچے۔ ایسی ہی ایک بات غرور کرنا ہے، یعنی اپنے عمل کو بڑا اور اچھا سمجھنا اور اپنے آپ کو اس پر فخر و ناز کرنے کا مستحق جاننا۔

نماز کی مقبولیت میں ایک رکاوٹ زکوۃ اور واجب حقوق کا ادا نہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ حسد کرنا، غرور کرنا، چغلی کھانا، پیٹھ پیچھے برائی کرنا، حرام کھانا اور شراب پینا بھی رکاوٹ ہے خاص طور سے عورتوں کا شوہر کی واجب اطاعت نہ کرنا نماز کی مقبولیت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے بالخصہ خدا کے اس فرمان کا کہ "خدا صرف پرہیزگاروں کو نماز قبول فرماتا ہے۔" (سورۃ مائدہ آیت ۲۷) مقصد یہی ہے کہ کسی فاسق اور گناہگار کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

یہ بھی لازم ہے کہ انسان ہر اس بات سے بچے جو نماز کا اجر اور ثواب کم کرتی

ہے۔ مثلاً نیند یا غفلت کی وجہ سے بھاری پن اور سستی کی حالت میں نماز نہ پڑھے، پڑھنے میں جلدی نہ کرے، ایسی حالت میں نہ پڑھے کہ پیشاب پاخانے اور ہوا خارج کرنے کی حاجت رکھتا ہو۔ آسمان کی طرف یا کسی دوسری طرف ٹکٹکی نہ باندھے بلکہ آنکھیں جھکائے رکھے اور جو بات فروتنی اور انکسار کے خلاف ہو اس سے بچے۔

لازم ہے کہ وہ کام کرے جس سے ثوب زیادہ ملے اور نماز کا درجہ بلند ہو۔ مثلاً خوشبو لگانا، نہایت صاف ستھرا لباس پہننا، انگلی میں عقیق کی انگوٹھی پہننا، بالوں میں کنگھی کرنا اور انہیں سنوارنا اور دانتوں میں مسواک وغیرہ کرنا۔

واجب نمازیں

واجب نمازیں چھ ہوتی ہیں:

۱۔ رات دن میں پانچ وقت کی نماز جس کی سترہ رکعتیں ہوتی ہیں۔ صبح کی نماز دو رکعت، ظہر کی نماز چار رکعت، عصر کی نماز چار رکعت، مغرب کی نماز تین رکعت اور عشاء کی نماز چار رکعت۔

۲۔ نماز آیات۔ جب زلزلہ آجائے یا سورج گہن یا چاند گہن لگے یا کوئی آسمانی یا زمینی حادثہ ایسا پیش آجائے جس سے لوگوں میں بہت زیادہ ہول اور خوف بڑھ جائے اس وقت دو رکعت نماز واجب ہو جاتی ہے جس کی ہر رکعت میں پانچ پانچ رکوع کئے جاتے ہیں اور جس کی تفصیل عملی رسالوں میں بیان کی گئی ہے۔

۳۔ نماز طواف یعنی جس کسی نے خانہ کعبہ کا واجب طواف کر لیا ہو اسے چاہئے کہ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھے۔

۴۔ وہ نماز جس کی نذر مانی ہو یا عہد کیا ہو یا قسم کھائی ہو یا معاوضہ لے لیا ہو۔

۵۔ وہ نمازیں جو باپ سے (اور احتیاطاً ماں سے) چھوٹ گئیں اور اس کا انتقال ہو چکا ہو بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ ان کی قضا اپنے والدین کی جانب سے بجالائے۔

۶۔ نماز میت یعنی جب مسلمان مر جائے اسے نہلانے اور کفنانے کے بعد اس پر نماز پڑھنا واجب ہے اسی طرح ان مسلمان بچوں کی نماز بھی واجب ہے جو چھ سال کی عمر میں مر گئے ہوں۔ جس پر نماز واجب ہو چکی ہے اس کی روزانہ کی نمازوں میں سے جو نماز چھوٹ جائے اس کی قضا پڑھنا اس پر واجب ہے، چاہے اس نے جان بوجھ کر نہ پڑھی ہو، چاہے بھولے سے نہ پڑھی ہو، چاہے اس وجہ سے نہ پڑھی ہو کہ وہ نماز کے پورے وقت سوتا رہا۔ اسی طرح اس نماز کی قضا بھی واجب ہے جو ایسی حالت میں پڑھی ہو کہ وہ دراصل باطل ہو گئی ہو۔ مثلاً پاک اور طاہر نہ ہو یا اس کا کوئی رکن بھول گیا ہو یا اس کا کوئی واجب رکن جان بوجھ کر چھوڑ گیا ہو۔

البتہ جو نمازیں پاگل پن یا بے ہوشی کی حالت میں چھوٹ گئی ہوں ان کی قضا پڑھنا واجب نہیں ہے اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں ہے جو اصلی کفر کی حالت میں چھوٹی ہوں اور اسی طرح عورت کے لئے ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں چھوٹ گئی ہوں البتہ جو نماز شراب کے نشے کی حالت میں چھوٹ گئی ہے اس کی قضا واجب ہے۔

یومیہ نماز کے علاوہ باقی تمام واجبی نمازیں جب چھوٹ جائیں تو ان کی قضا اس تفصیل سے واجب ہے جس کا بیان عملی رسالوں میں کیا گیا ہے۔

چھوٹی ہوئی نماز کی قضا پڑھنا چاہئے

جو واجب نمازیں آدمی سے چھوٹ جائیں ان کی قضا پڑھنے میں سستی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کچھ قضا نمازیں کسی کے ذمے ہیں تو اس کے لئے یہ وصیت کرنا واجب ہے کہ اس کے مرنے کے بعد پڑھی جائیں اور جب وہ وصیت کر دیتا ہے تو اس کے وصی پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے تہائی مال سے جس قدر کے لئے کہا ہے نماز، روزے کے لئے کسی کو اجرت پر رکھے اور اگر وصیت نہیں کی یا مال ہی نہ تھا جس کے لئے وصیت کرتا تو اس کے بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ اس کی قضا نمازیں پڑھے یا اجرت پر پڑھوائے اور اگر مرنے والے نے بیٹا نہ چھوڑا ہو اور نہ وصیت کی ہو تو اس حالت میں تمام وارثوں پر واجب نہیں ہے، لیکن احتیاط یہ ہے کہ تمام وارث یا تو خود پڑھیں یا ہر ایک اپنے اپنے حصے کے مطابق کسی کو اجرت پر رکھیں۔

مردوں کو ان نیک کاموں کا ثواب پہنچنے کے بارے میں جو زندہ لوگ ان کی طرف سے کرتے ہیں اور ان سے چھوٹے ہوئے واجبات کا عذاب اس وجہ سے ختم ہو جانے کے بارے میں کہ زندہ لوگ انہیں ادا کر دیتے ہیں اہلبیت کی معتبر روایتوں میں ذکر ملتا ہے اور درحقیقت اس کے بارے میں جو دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوا ہے یہ بات خدائی فضل کا ایک باب ہے۔ واضح رہے کہ اس نیابت کا صرف یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کا عذاب ختم ہو جاتا ہے اور اسے کچھ ثواب مل جاتا ہے لیکن نماز، روزہ اور حج جیسی عبادتوں کے بڑے معاوضے اور ان کے وسیلے سے قرب الٰہی کا حصول اس پر موقوف و منحصر ہے کہ وہ شخص خود انہیں بجالائے بلکہ قربت کی نیت سے بجالانے پر تو یہ معاوضے اور بدلے نائب شخص کو مل جاتے ہیں بہر حال عقلمند آدمی کو واجبات ادا کرنے میں اس خیال سے سستی نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے مرنے

کے بعد اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گے کیونکہ اول تو یہی معلوم نہیں ہے کہ اس کے بعد اس کے وارث کو اس سے ہمدردی بھی ہو گی اور وہ صحیح صحیح اس طرح عمل کرے گا جس سے اس کا فریضہ ادا ہو جائے دوسرے وہ اس ثواب سے بھی محروم رہ جائے گا جو اسے خود چلانے میں ملتا۔ روایت میں ہے کہ رسول خداؐ کے ایک صحابی نے وصیت کی کہ اس کے مرنے پر کھجوروں کا وہ ذخیرہ جو اس کے پاس تھا خدا کی راہ میں خیرات کر دیا جائے۔ جب وہ مر گیا تو آنحضرتؐ نے سب اس کی طرف سے خیرات کر دیا۔ اس میں سے ایک کھجور زمین پر پڑی رہ گئی تھی آنحضرتؐ نے وہ اٹھالی اور فرمایا اگر اس نے خود یہ ایک کھجور بھی خیرات کی ہوتی تو اس کے حق میں کھجوروں کے اس ڈھیر سے بہتر ہوتا جو میں نے اس کی طرف سے خیرات کیں۔

اصل بات یعنی مردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچنے کی تائید میں بہت سی شہادتیں اور سچے خواب بیان کئے گئے ہیں۔ اس مقام پر ان میں سے صرف ایک مثال بیان کی جاتی ہے جو مرحوم نوری کی کتاب دارالسلام میں موجود ہے۔

ایک بہت بڑے اور نہایت متقی بزرگ حاجی ملا علی تہرانی اپنے والد مرحوم حاجی مرزا خلیل کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ تہران کے ایک حمام میں ایک خادم تھا جسے ہم پادو کہتے ہیں اور وہ روزہ نماز ادا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن وہ ایک راج کے پاس گیا اور بولا میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے ایک حمام تعمیر کر دو۔ راج نے پوچھا: "تمہیں پیسہ کہاں سے مل گیا؟" وہ بولا: "تمہیں اس سے کیا تم تو پیسہ لو اور حمام بنا دو۔" چنانچہ اس راج نے اس کے لئے اس کے نام سے ایک حمام بنا دیا۔ اس کا نام علی طالب تھا۔

مرحوم حاجی مرزا خلیل نے فرمایا کہ جس وقت میں نجف میں تھا میں نے

خواب میں دیکھا کہ علی طالب نجف اشرف کی وادی السلام میں آیا ہے مجھے تعجب ہوا، میں نے پوچھا: "تو اس مقدس مقام تک کیسے پہنچا حالانکہ نہ تو نماز پڑھتا تھا نہ روزہ رکھتا تھا؟" اس نے جواب دیا: "اے فلاں! میں جب مر گیا تو مجھے عذاب کے لئے لے جانے کو فرشتوں نے طوق اور بیڑیاں پہنادیں۔ ادھر حاجی ملا محمد کرمان شاہی نے (جو تہران کے ایک عالم تھے) فلاں شخص کو نائب بنایا کہ وہ میری طرف سے حج ادا کرے، فلاں شخص کو میری طرف سے روزہ نماز کے ادا کرنے کے لئے اجرت پر رکھا اور میری طرف سے زکوۃ ادا کی اور جن پر ظلم کیا تھا ان کے حقوق ادا کئے، غرض میرے ذمے کوئی بار باقی نہیں رکھا، سب ادا کر دیا اور مجھے عذاب سے چھڑا دیا۔ خدا انہیں اس کے لئے جزائے خیر عطا کرے۔

میں سہما ہوا نیند سے جاگا تو مجھے اس خواب پر حیرت ہوئی یہاں تک کہ ایک عرصے کے بعد کچھ لوگ تہران سے آئے تو میں نے ان سے علی طالب کا حال پوچھا۔ انہوں نے مجھے وہی باتیں بتائیں جو میں نے خواب میں دیکھی تھیں اور وہ لوگ تک بتائے جو حج، نماز اور روزے کے لئے اس کے نائب بنائے گئے تھے۔ سب کچھ اس کے مطابق تھا جو اس نے مجھے خواب میں بتایا تھا۔ مجھے اپنے سچے خواب پر بڑا تعجب ہوا۔

۱۱ زکوٰۃ نہ دینا

سینتیسواں گناہ کبیرہ جس کی تصدیق نص سے ہوتی ہے واجب زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا ہے جیسا کہ صحیحہ حضرت عبدالعظیم میں حضرت امام محمد تقی، حضرت امام رضا، حضرت امام موسیٰ کاظم اور حضرت امام صادق علیہم السلام سے منقول ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کے لئے قرآن میں کئی جگہ آتش جہنم کا صاف صاف وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیحہ مذکور میں امامؑ اس کے گناہ کبیرہ ہونے کا ثبوت سورۃ توبہ کی آیات ۳۴ اور ۳۵ سے پیش کرتے ہیں: "جو لوگ ڈھیر لگاتے ہیں اور سونا چاندی جمع کرتے جاتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے رسولؐ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ جس دن وہ سونا چاندی جہنم کی آگ میں گرم اور لال کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں (جن پر غریبوں کو دیکھ کر وہ بل ڈال لیتے تھے) اور ان کے پہلو (جنہیں وہ غریبوں سے بچا جاتے تھے) اور ان کی پشتیں (جنہیں وہ غریبوں کی طرف کردیتے تھے) داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا یہ وہ مال ہے جسے تم نے اپنے لئے دنیا میں جمع کر کے رکھا تھا اب اپنے جمع کئے ہوئے کا مزہ چکھو۔"

روایات میں ہے کہ ان آیتوں میں مذکور جمع کئے ہوئے خزانے سے ہر وہ مال مراد ہے جس میں سے زکوٰۃ اور دوسرے واجب حقوق نہ نکالے گئے ہوں۔

سورۃ آل عمران میں کہا گیا ہے: "اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دیا ہے اور پھر وہ بخل کرتے ہیں، وہ ہرگز اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے کچھ بہتر ہوگا، بلکہ یہ ان کے حق میں بدتر ہے۔ (دنیا میں بھی کیونکہ ان کے مال سے برکت جاتی رہے گی اور آخرت میں بھی کیونکہ وہ بے حساب عذاب اور سزاؤں

کے مستحق ٹھہریں گے) کیونکہ وہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنایا جائے گا اور سارے آسمانوں اور زمین کی میراث خدا ہی کی ہے اور تم جو کچھ (خیرات اور بخل) کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے۔" (آیت ۱۸۰)

یعنی جن لوگوں کے قبضے میں مال چند دن کے لئے عارضی طور پر ہے وہ مر جائیں گے اور خدا باقی رہ جائے گا۔ اس لئے اس سے پہلے کہ تم سے یہ مال واپس لے لیا جائے اور تمہارے ہاتھ سے نکل جائے خیرات کرو اور فائدہ اٹھاؤ۔

تفسیر منہج الصادقین میں کہا گیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے: "جس کو خدا نے مال بخشا اور اس نے کنجوسی سے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی قیامت کے دن اس کا مال ایک بڑے سانپ کی شکل اختیار کرلے گا جس کے سخت زہریلے پن اور گرمی کے باعث سر کے بال اڑ گئے ہوں گے اور اس کی آنکھوں کے نیچے دو سیاہ نقطے ظاہر ہوں گے۔" اس قسم کا سانپ سخت موذی سانپ ہوتا ہے۔ وہ سانپ اس کی گردن میں لپٹ جائے گا اور اس کے منہ کو پکڑ کر بولے گا اور اسے جھڑکتے ہوئے کہے گا کہ میں ہی تیرا مال ہوں جس پر تو دنیا میں دوسروں کے سامنے فخر کیا کرتا تھا۔

گنج را دل برون کن مال را بفکن زچشم
مال تو مارست در معنی و گنجت اژدھاست

خزانے کا خیال دل سے نکال دے اور دولت کو آنکھ سے گرا دے یعنی حقیر جان کیونکہ حقیقت میں تیری دولت ایک سانپ ہے اور تیرا خزانہ اژدہا ہے۔

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے: "جو شخص اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا قیامت میں اس کا مال اس کی گردن میں آگ کا اژدہا بن کر لپٹ جائے گا اور جب تک

اس کا حساب کتاب ہوتا رہے گا اس کا گوشت چباتا رہے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۳ حدیث ۷)

آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے: "جب کوئی شخص اپنے کسی رشتے دار کے پاس آکر اس مال میں کا زائد حصہ مانگتا ہے جو خدا نے اسے عطا کیا ہے اور وہ کنجوسی سے اسے کچھ نہیں دیتا تو خداوند عالم دوزخ سے ایک اژدہا نکالے گا جو اپنی زبان اپنے منہ کے چاروں طرف پھیرے گا یہاں تک کہ وہ شخص آئے اور وہ اژدھا اس کی گردن میں لپٹ جائے۔" (منہج الصادقین سے منقول)

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "جو سونے چاندی کا مالک اس کی واجب زکوۃ (یا واجب خمس جیسا کہ تفسیر قمی میں ہے) نہیں دے گا خدا اسے قیامت کے دن ایک مسطح اور چٹیل میدان میں قید کردے گا اور ایک اژدہا اس پر مقرر کردے گا جس کے زہر کی زیادتی سے سر کے بال جھڑ گئے ہوں گے وہ اس کی طرف بڑھے گا اور وہ شخص اس سے بھاگے گا اور جب مجبور رہ جائے گا اور سمجھ لے گا کہ اب بھاگ نہیں سکتا تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھادے گا۔ پھر وہ اس کا ہاتھ اونٹ کی طرح چبائے گا۔ اس کے بعد وہ اژدہا اس کی گردن میں لپٹ جائے گا جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ جو بھیڑوں، گایوں، اونٹوں اور اپنے مال کی زکوۃ نہیں دے گا خدا قیامت کے دن اسے ایک چٹیل میدان میں قید کردے گا۔ اسے ہر کھر والا جانور روندے گا اور کچلیوں والا ہر جانور اسے چیرے پھاڑے گا اور جو کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں یا کاشت کے مال پر اپنی پیداوار کی زکوۃ نہیں دے گا تو ساتویں طبق تک زمین کا وہ ٹکڑا اس کی گردن میں قیامت تک کے لئے طوق بن کر پڑا رہے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۳ حدیث ا۔ کافی۔ معانی الاخبار)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "خدا نے زکوٰۃ نماز کے ساتھ ہی فرض کی ہے اور فرمایا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو تو جو کوئی نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ نہیں دے گا اس کی مثال اس شخص کی سی ہوگی جس نے نماز بھی نہیں پڑھی ہے کیونکہ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوٰۃ باب ۳ حدیث ۵ و ۱۴)

آپؑ سے روایت ہے: "ایک دن رسول خداؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ نے پانچ آدمیوں کو نام لے لے کر پکارا اور فرمایا کہ اٹھ بیٹھو اور ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور اس میں نماز نہ پڑھو کیونکہ تم زکوٰۃ نہیں دیتے۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوٰۃ باب ۳ حدیث ۱۳)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا وہ مرتے وقت چاہے گا کہ اسے دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کر دے۔ خدا نے قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے: "خدا مجھے واپس بھیج دے ۰۰۰۰ الخ)۔" (وسائل الشیعہ باب ۳ حدیث ۲۴) یعنی مرتے وقت کہے گا: "اے خدا مجھے دنیا میں پلٹا دے تاکہ میں اس مال سے جو چھوڑ آیا ہوں ایک نیک کام کروں تو اس سے کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا یعنی اب واپسی ممکن نہیں۔"

آپؑ اس آیت کہ: خدا ان کے اعمال کو حسرتناک بنائے گا اور وہ آگ سے باہر آنے والے نہیں ہیں، کی تفسیر میں یوں فرماتے ہیں: "یہ وہ شخص ہے جو اپنے مال پر نظر رکھتا ہے اور کنجوسی سے اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اس کے بعد مر جاتا ہے اور ان لوگوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے جو یا تو اسے خدا کی راہ اور اس کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں یا گناہ کے کاموں میں۔ اگر مال خدا کی اطاعت کی راہ میں خرچ ہوگا تو وہ اسے دوسرے کے نیک اعمال کے حساب میں دیکھے گا اور افسوس کرے گا کیونکہ یہ

اس کا مال تھا اور اگر وہ مال گناہ پر خرچ ہو گا تو گناہگار کو اس مال کے وسیلے سے گویا تقویت اسی نے پہنچائی اور یہ بات بھی اس کے لئے باعث افسوس ہو گی۔(وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۴ حدیث ۵)

اس روایت کا مضمون عیاشی، مفید، صدوق اور طبرسی نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت امام باقر اور حضرت امام صادق علیہما السلام سے بھی نقل کیا ہے۔

آپؑ مزید فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''کنجوسی کی طرح کوئی چیز اسلام کو تباہ نہیں کرتی۔'' پھر فرمایا: ''کنجوسی کی راہیں چیونٹیوں کی پوشیدہ راہوں کی طرح ہوتی ہیں جن سے شرک کی جڑیں کثیر تعداد میں چھوٹی چھوٹی ہیں۔''(وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۵ حدیث ۵)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جس زمانے میں لوگ زکوۃ نہیں دیتے اس زمانے میں فصلوں، پھلوں اور معدنیات سے برکت اٹھ جاتی ہے۔''(سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۵۵۱)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: ''صدقہ دے کر اپنے بیماروں کا علاج کرو۔ دعائیں مانگ کر بلاؤں کے دروازے بند کرو اور زکوۃ ادا کر کے اپنے مالوں کی حفاظت کرو۔''(وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۲ حدث ۳۳)

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: ''خدا کے زمین میں بہت سے مکانات ہیں جنہیں بدلہ لینے والے کہتے ہیں۔ جب خدا اپنے کسی بندے کو مال دیتا ہے اور وہ بندہ اس مال میں سے وہ حق نہیں نکالتا جو اس پر خدا نے واجب کیا ہے، تو وہ ان میں سے ایک مکان اس پر مسلط کر دیتا ہے (یعنی وہ شخص چاہنے لگتا ہے کہ اسے آباد کرے)۔ پھر وہ مال اس پر خرچ کر دیتا ہے، اس کے بعد وہ مر جاتا ہے اور اسے دوسروں کے

لئے چھوڑ جاتا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوٰۃ باب ۵ حدیث ۱۰)

کچھ روایتوں میں ہے کہ جو شخص نیک راہ میں مال خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے وہ ایسا پھنس جاتا ہے کہ اسے اس سے کئی گنا مال برائی کی راہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں بہت سی روایتیں ہیں لیکن یہاں اتنی ہی کافی ہیں۔

زکوٰۃ کا منع کرنے والا کافر ہے

ترک زکوٰۃ کی جن سزاؤں کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ گناہ کبیرہ اور بدکاری کا سبب ہے وہ اس صورت سے متعلق ہے جب اس کے واجب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو لیکن کنجوسی کی وجہ سے زکوٰۃ دیتا نہ ہو اور اگر زکوٰۃ اس وجہ سے نہ دی جائے کہ اس کے واجب ہونے پر ہی کسی شخص کا عقیدہ نہ ہو تو وہ شخص کافر اور نجس ہے کیونکہ زکوٰۃ کا واجب ہونا نماز کی طرح دین اسلام کی ضرورت ہے اور جو کوئی دین کی کسی ضرورت کا منکر ہو وہ اسلام سے خارج ہے اور ذکر زکوٰۃ کے انکار کی اسی صورت حال کا ہے۔ جن روایتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ زکوٰۃ کا انکاری کافر ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "خدا نے دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غریبوں کے لئے واجب کردیا ہے جسے دینے سے دولت مندوں کی تعریف ہوتی ہے اور وہ زکوٰۃ ہے جس کے ادا کرنے سے ان کا خون بہانا حرام ہو جاتا ہے اور وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔" (وسائل الشیعہ کتاب زکوٰۃ باب ۴ حدیث ۱)

یعنی اگر مالدار (زکوٰۃ کا عقیدہ نہ رکھتے ہوئے) واجب زکوٰۃ نہ دیں تو وہ مسلمان نہیں ہیں اور ان کا خون حرام نہیں ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا ہے: "جو شخص ایک قیراط کے برابر (دینار کے بیسویں حصے کے برابر) بھی واجب زکوٰۃ نہ دے تو وہ شخص نہ مؤمن ہے نہ مسلمان نہ وہ

شخص ہے جس کے مرتے وقت کے حال کی خدا نے یہ خبر دی ہے کہ وہ کہے گا اے پروردگار! مجھے دنیا میں پلٹا دے تاکہ میں اپنے ترکے سے ایک نیک کام کرلوں۔"(وسائل الشیعہ)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو زکوۃ کی ایک قیراط بھر مقدار بھی نہیں دے گا تو وہ (بے ایمان مرے گا) یہودیوں یا عیسائیوں کے دین پر مرے گا۔"(وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ باب ۴ حدیث ۴)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "دو خون اسلام میں ایسے ہیں جن کا بہانا خدا کی طرف سے حلال ہے اور ان دونوں کے بارے میں خدا کا حکم قائم آل محمدؐ کے ظہور تک کوئی شخص جاری نہیں کرے گا۔ جب آپؑ کا ظہور ہوگا تو آپؑ ان دونوں کے بارے میں حکم خدا جاری فرمائیں گے۔ ان میں سے ایک زنا کرنے والا ہے جس نے بیوی رکھنے کے باوجود زنا کیا۔ اسے رجم (سنگساری) سے ہلاک کریں گے اور دوسرا زکوۃ کو نہ ماننے والا ہے جس کی گردن ماریں گے۔"(وسائل الشیعہ کتاب زکوۃ و کافی)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "اگر زکوۃ ادا کر دی جائے تو مال نہ خشکی میں تلف ہوسکے گا نہ سمندر میں اور جب قائم آل محمد کا ظہور ہوگا تو آپؑ زکوۃ کو نہ ماننے والے کو پکڑ کر گردن ماریں گے۔"(وسائل لشیعہ تکاب زکوۃ باب ۵ حدیث ۸)

سورۃ فصلت میں ارشاد ہے: "اور مشرکوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت میں کافر ہونگے۔"(آیت ۶و۷)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری زندگی ہے جو شخص اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا وہ خدا سے خیانت کرتا ہے اور مشرک ہے۔"(مستدرک الوسائل)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "اے علیؑ! اس امت کے دس گروہ خدائے بزرگ سے انکاری ہیں۔ چغل خور، جادوگر، دیوث (وہ شخص جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی بیوی زنا کراتی ہے نہیں شرماتا)، وہ شخص جو پرائی عورت سے وطی کرتا ہے، وہ شخص جو کسی جانور سے وطی کرتا ہے، وہ شخص جو اپنی محرم سے زنا کرتا ہے، وہ شخص جو فتنے فساد کی آگ بھڑکاتا ہے، وہ شخص جو مسلمانوں سے لڑنے والے کافروں کو ہتھیار بیچتا ہے، وہ شخص جو زکوٰۃ نہیں دیتا اور وہ شخص جو حج کرنے کے قابل ہوتے ہوئے بھی مرتے وقت تک حج نہیں کرتا۔ (خصال)

اس قسم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والا، نماز ترک کر دینے والا اور حج چھوڑ دینے والا تینوں شخص ان فریضوں کے اگر دل سے انکاری ہیں تو کافر ہیں یعنی جس طرح آخرت میں اسلام کی برکتوں سے جس میں جہنم سے نجات شامل ہے محروم ہیں اسی طرح دنیا میں بھی اسلام کے ظاہری احکام سے محروم ہیں جن میں طہارت، نکاح کا جائز ہونا اور وراثت وغیرہ شامل ہیں البتہ اگر دل سے انکاری نہ ہوں بلکہ کنجوسی اور سستی و غفلت کی وجہ سے ان فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو تو کافر تو نہیں ہوتے اور ظاہر میں مسلمان ہی رہتے ہیں لیکن حقیقت میں اور باطن میں شرک اور کفر کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں اور دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھے تو بھی وہ سخت سزائیں پائیں گے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کا سبب

زکوٰۃ اور دوسرے صدقات کے واجب ہونے کی کچھ حکمتیں ہیں جن میں سے کچھ روایتوں میں بیان کی گئی ہیں مثلاً دولت مندوں کا امتحان ہے کہ انہیں خدا زیادہ عزیز اور محبوب ہے یا دنیا کا فانی مال اور یہ لوگ ثواب، بہشت اور خدا کے بدلوں

اور معاوضوں پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں یا نہیں اور خدا کی بندگی کا صحیح دعویٰ کرتے ہیں یا نہیں۔

انہیں حکمتوں میں مفلسوں اور پریشان حال لوگوں کی روزی کے معاملے کا انتظام بھی شامل ہے جیسا کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "درحقیقت زکوۃ دولت مندوں کے امتحان اور غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے واجب ہوئی ہے۔ اگر لوگ اپنے مال کی زکوۃ دے دیا کرتے تو کوئی مسلمان غریب اور محتاج نظر نہ آتا اور خدا نے اس کا جو حق مقرر کردیا ہے اس کی بدولت وہ بے فکر ہو جاتا۔ دراصل لوگ دولت مندوں کی گناہگاری اور اپنے واجب حقوق نہ ملنے کی وجہ سے غریب، محتاج اور ننگے بھوکے رہتے ہیں۔ یہ بالکل مناسب ہے کہ خدا اپنی رحمت سے اس شخص کو محروم کردے جو اپنے مال سے خدا کا حصہ نہیں نکالتا اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مال کی زکوۃ نکالی جائے تو کوئی مال خشکی اور تری میں برباد نہ ہو۔" (وسائل الشیعہ کتاب وافی، فقیہ وزکوۃ باب ا حدیث ۹)

انہیں حکمتوں میں سے ایک حکمت کنجوسی کی بری عادت سے نفس کا پاک ہونا اور اس گھر کھونے والی بیماری سے صحتیاب ہونا بھی ہے جیسا کہ خدا قرآن مجید میں اپنے پیغمبرؐ سے فرماتا ہے: "ان کے مالوں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کر اور ان لوگوں کو اس صدقے کی بدولت پاکیزہ بنا۔" (سورۃ توبہ آیت ۱۰۳)

خدا سورۃ حشر میں فرماتا ہے: "جو کنجوسی سے بچتے ہیں وہ لوگ نجات پانے والے ہیں۔" (آیت ۹)

کنجوسی کا علاج باربار مال دیتے رہنے سے ہوتا ہے تاکہ سخاوت کی عادت پڑے۔ صدقات کی مخصوص شرائط کے ساتھ ادائیگی کی کوشش کرتے رہنے سے اس

مہلک بیماری سے نجات مل جاتی ہے۔ (دیکھئے کلمہ طیبہ مصنفہ مرحوم حاجی نوری)

زکوٰۃ اور صدقے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے

دنیوی لحاظ سے زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے۔ اگر مال خدا کی راہ میں اور اپنے اصولوں کے مطابق خرچ ہو تو خدا کا پکا وعدہ ہے کہ اس میں برکت ہوگی۔ یہ بات کنجوسوں کے شیطانی خیال کے برعکس ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے اور خرچ کرنے والے فقیر ہو جاتے ہیں۔ یہ بخیل لوگ شیطان کے بہکاوے سے خیرات کرنا چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ سورۂ بقرہ میں خداوند عالم صاف صاف فرماتا ہے: "خیرات، مال کو بڑھاتی ہے۔" (آیت ۲۷۶) یعنی خدا دنیا میں اس مال میں برکت دے گا اور آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا۔ اور سورۂ سباء میں خداوند عالم فرماتا ہے: "تم جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو گے خدا اس کا بدلہ دے گا۔" (آیت ۳۹) یعنی دنیا میں نعمت میں اضافہ کر کے اور آخرت میں ثواب کے اضافے سے۔ سورۂ روم میں فرماتا ہے: "تم جو زکوٰۃ (واجب اور مستحب صدقات) ثواب اور خدا کی خوشنودی کی نیت سے دیتے ہو (کسی دکھاوے اور مادی بدلے وغیرہ کی غرض سے نہیں) تو ایسے ہی لوگ خدا کی بارگاہ سے کئی گنا زیادہ لینے والے ہیں۔" (آیت ۳۹) اور ان آیتوں میں اضافے سے مال کی برکت اور اجر و ثواب کی زیادتی دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ اس بات کی تائید میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں:

مثلاً حضرت زہراؑ کے خطبہ فدک میں ہے: "خدا نے ایمان حاصل کرنا اس لئے واجب کیا ہے کہ تم شرک کی نجاست سے پاک ہو جاؤ اور نماز اس لئے واجب کی ہے کہ تم غرور کی بیماری سے شفا پا جاؤ اور زکوٰۃ اس لئے واجب کی ہے کہ کنجوسی کی بیماری سے چھوٹ جاؤ (اور سخاوت کی خوبی حاصل کر لو اور گناہوں کی آلودگی سے

نجات پا جاؤ) اور تمہاری روزی میں اضافہ ہو جائے۔" (بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۱۰۹)

امیر المؤمنینؑ سے روایت ہے: "جب کوئی خیرات کا موقع پیش آنے پر خرچ کرے گا تو خدا دنیا میں اس کا عوض دے گا، پھر آخرت میں اس کے ثواب میں اضافہ کردے گا۔ (کافی) اور آپؑ نے یہ بھی فرمایا: "خیرات کرنے کے لئے رزق کی دعا مانگو۔" (وسائل الشیعہ ابواب الصدقہ باب ا حدیث ۱۹)

عدۃ الداعی میں لکھا ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے اپنے صاحب زادے سے پوچھا: "خرچ کے لئے کتنی رقم موجود ہے؟" انہوں نے کہا: "چالیس دینار۔" آپؑ نے فرمایا: "سب خیرات کردو۔" انہوں نے عرض کیا: "اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔" آپؑ نے فرمایا: "سب خیرات کردو کیونکہ خدا اس کا عوض دے گا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے اور رزق کی کنجی خیرات ہے۔" اس پر محمد نے سب رقم خیرات کردی۔ دو دن نہیں گزرے تھے کہ ایک جگہ سے امامؑ کے پاس چالیس ہزار دینار آگئے۔ آپؑ نے فرمایا: "اے بیٹے! ہم نے چالیس دینار دیئے، خدا نے اس کے بدلے میں ہمیں چالیس ہزار دینار عطا کردیئے۔"

حضرت امیر المؤمنینؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں: "جب تم مفلس اور نادار ہو جاؤ تو صدقہ دے کر خدا سے کاروبار کرو۔"

حضرت امام رضاؑ نے اپنے غلام سے فرمایا: "کیا تو نے آج کچھ خدا کی راہ میں دیا ہے؟" (یعنی خیرات کی ہے؟) اس نے کہا: "کچھ بھی نہیں۔" آپؑ نے فرمایا: "پھر خدا ہمیں معاوضہ کہاں سے دے گا؟"

حضرت امام صادقؑ آیت "فھو یخلفه" (یعنی تم جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو گے خدا اس کا بدلہ دے گا) کے متعلق ایک حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

"کیا تم وعدہ خلافی کرتے ہو؟" راوی کہتا ہے: "نہیں۔" آپؑ نے پوچھا: "پھر تمہیں خیرات کا عوض کیوں نہیں ملتا؟" وہ کہتا ہے: "معلوم نہیں۔" آپؑ نے فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی حلال طریقے سے کمائے اور حلال طریقے سے خرچ کرے تو ایک درہم خیرات کا بھی عوض ملتا ہے۔" (کافی) یعنی اگر اس کا معاوضہ نہیں ملا تو یا وہ مال حرام طریقے سے ہاتھ لگا تھا یا غلط جگہ خرچ ہوا ہے۔

اس بارے میں بھی آیتیں اور روایتیں بہت سی ملتی ہیں لیکن صرف اتنی ہی مقدار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مرحوم نوری نے کتاب کلمہ طیبہ میں خدا کی راہ میں صدقہ خیرات دینے کی برکتوں کے بارے میں چالیس حکایتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک حکایت عالم ربانی اخوند ملا فتح علی سے نقل کی ہے جو انہوں نے اپنے ایک معتبر رشتے دار سے سنی تھی کہ ایک سال گرانی کے دوران میں نے اپنے کھیت میں جو بوئے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میری فصل دوسرے مزارعوں سے پہلے پک گئی اور کھانے میں آگئی۔ ہر طبقے کے لوگ پریشانی اور بھوک میں مبتلا تھے۔ مجھے ترس آیا تو میں نے اپنے منافع کا خیال چھوڑ دیا۔ میں مسجد میں پہنچا اور میں نے اعلان کر دیا کہ میں فلاں کھیت کے جو سے دستبردار ہوتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص جو مفلس نہ ہو اس میں سے نہ لے جائے اور مفلس شخص بھی اپنی اور اپنے بچوں کی خوراک سے زیادہ نہ لے جب تک کہ باقی پیداوار حاصل نہ ہو جائے۔ چنانچہ غریب لوگوں نے اس طرف کا رخ کیا اور وہ روزانہ جو لے جانے اور کھانے لگے۔ مجھے اس کی خبر نہیں تھی کیونکہ میں نے جان بوجھ کر ان سے آنکھ چرالی تھی اور غلے کی کوئی توقع نہیں رکھی تھی یہاں تک کہ تمام فصل پک گئی اور لوگوں کو راحت ہو گئی۔ میں جب اپنی تمام فصل کی کٹائی سے فارغ ہو چکا تو میں

نے کٹائی کرنے والوں سے کہا کہ اس کھیت پر بھی جاؤ اور کاٹو ممکن ہے اس کی گھاس میں ہی کچھ نکل آیا ہو اور بیچ میں بالیں ہی باقی رہ گئی ہوں وہ لوگ وہاں گئے اور انہوں نے کٹائی کی۔ چھڑنے اور صاف کرنے کے بعد جو علاوہ باقی کھیتوں سے دگنے جو تھے۔ غریبوں کے کاٹ لے جانے سے نہ صرف یہ کہ ان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا وہ تو معمول سے بھی زیادہ ہوئے تھے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ جب خزاں آئی تو جیسا کہ دستور ہے کہ جس زمین میں فصل ہو چکی ہو اسے ایک سال کے لئے چھوڑ دینا چاہئے اور نہیں جوتنا چاہئے اس کھیت کو بھی چھوڑ دیا گیا نہ اس میں ہل چلایا نہ بیج بویا یہاں تک کہ بہار کا موسم آگیا اور برف پگھل گئی تو ہم نے دیکھا کہ وہ کھیت جوتے بوئے بغیر ہی سرسبز ہے اور اس میں تمام کھیتوں سے زیادہ اور اچھی فصل ہے۔ مجھے اتنا تعجب ہوا کہ مجھے اس کے محل وقوع کے متعلق شبہ پیدا ہو گیا۔ جب اس کی فصل پکی تو اس کی پیداوار باقی کھیتوں سے کئی گنی تھی۔ "واللہ یضاعف لمن یشاء۔"

انہی مرحوم سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک عام سڑک کے کنارے ان کا ایک انگور کا باغ تھا۔ جب انگور کے گچھے پہلی بار پکنے پر آئے تو باغبان کو حکم دیا کہ سڑک کے کنارے اس کا جو حصہ ہے اسے ہاتھ نہ لگانا اور راہگیروں کے لئے چھوڑ دینا۔ اس وقت سے تمام انگور توڑنے کے وقت تک ہر گزرنے والا توڑتا اور کھاتا رہا اور کسی نے اسے نہیں روکا ٹوکا۔ جب خزاں کے آخر میں انگور توڑنے سے فارغ ہوئے تو اس خیال سے سڑک کے کنارے کے حصے میں گئے کہ ممکن ہے کچھ انگور راہگیروں کی نظر سے پتوں میں چھپے رہ گئے ہوں۔ جب وہ انگور توڑ لئے تو لے آئے جو دوسرے تمام حصوں کے انگوروں سے کئی گنے تھے اور تمام آنے جانے والوں کے کھانے سے کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئے تھے۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہر سال جب گیہوں پاک صاف کر کے گھر لاتے تھے تو ان کی زکوۃ دیتے تھے۔ ایک سال گیہوں صاف کرنے کے بعد اور گھر لے جانے سے پہلے یہ خیال آیا کہ زکوۃ میں دیر کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ گیہوں بھی موجود ہیں اور غریب بھی حاضر ہیں۔ جن جن غریبوں کو پہچانتے تھے انہیں اطلاع کر دی۔ گیہوں کا حساب لگا کر غریبوں کا حق الگ کر کے ان میں تقسیم کر دیا باقی گیہوں لے گئے اور ان کھتیوں میں جو گھر میں موجود تھیں انڈیل دیئے۔ ہر کھتی کی گنجائش معلوم تھی۔ حساب کرنے پر پتا چلا کہ غریبوں کو دینے کے بعد بھی گیہوں کم نہیں ہوئے اور ان کی مقدار وہی رہی جو زکوۃ دینے سے پہلے تھی۔

کتاب مذکور میں مرحوم حاجی مہدی سلطان آبادی سے منقول ہے کہ ایک سال جب ہم کھلیان لگانے سے فارغ ہوئے تو ہم نے گیہوں کی پیمائش کر کے ان کی زکوۃ اسی وقت دے دی۔ اس کے بعد ایک ماہ تک وہ کھلیان اپنی جگہ ہی رہا۔ اس میں سے حیوانات اور چوہے لے جاتے رہے اور کھاتے رہے۔ ہم نے گیہوں پھر ناپے تو پہلے دن کے ناپ کے برابر ہی نکلے اور جو زکوۃ میں دیئے تھے اور حیوانات نے ضائع کر دیئے تھے ان سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

زکوۃ کی قسمیں، اس کے موقعے اور اس کی مقدار

زکوۃ دو قسم کی ہوتی ہے واجب اور مستحب۔ پھر واجب زکوۃ بھی دو قسم کی ہوتی ہے مال کی زکوۃ اور بدن کی زکوۃ (فطرہ)۔

مال کی زکوۃ کا تعلق نو چیزوں سے ہے چار قسم کا اناج (گیہوں، جو، کھجور اور کشمش)، تین قسم کے جانور (بھیڑ، گائے اور اونٹ) اور دو نقدیاں (سونا اور چاندی)۔

نصاب یعنی وہ کم سے کم مقدار جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے چاروں غلوں کی

۶۵ ۴ مثقال کم دو سو اسی من تبریزی ہے جو ۷ ۰ ۲ء ۷ ۸۴۲ کلو گرام کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی اگر غلہ اتنا ہو تو اس کی زکوۃ دینا چاہیے۔ اس غلے کی زکوۃ جو بارانی یا نہری زمین کی پیداوار ہو یا ایسی زمین کی پیداوار ہو جو بعض مصری زمین کی طرح زمینی رطوبت سے سینچی جاتی ہے دسواں حصہ اور اگر ڈول وغیرہ سے سینچی ہوئی زمین کی پیداوار ہو تو اس کی زکوۃ بیسواں حصہ ہوتی ہے۔

بھیڑ کے پانچ نصاب ہوتے ہیں:

اول چالیس بھیڑوں کی زکوۃ ایک بھیڑ ہے۔ اگر چالیس نہ ہوں تو ان پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی

دوسرا نصاب ایک سو اکیس بھیڑوں کا ہے۔ اس کی زکوۃ دو بھیڑیں ہیں۔

تیسرا نصاب دو سو ایک بھیڑوں کا ہے اس کی زکوۃ تین بھیڑیں ہیں۔

چوتھا نصاب تین سو ایک بھیڑوں کا ہے اس کی زکوۃ چار بھیڑیں ہیں۔

پانچواں نصاب چار سو بھیڑوں سے اوپر۔ یعنی ہر نصاب میں سو سو بھیڑوں کا اور اس کی زکوۃ میں ایک ایک بھیڑ کا اضافہ کرتے جایئے۔

گائے کے دو نصاب ہیں:

پہلا نصاب تیس گایوں کا ہے جس کی زکوۃ میں ایک بچھڑا دینا چاہیے جو دوسرے سال میں ہو۔ تیس گایوں سے کم پر زکوۃ نہیں لگتی۔

دوسرا نصاب چالیس گایوں کا ہے اسکی زکوۃ میں ایک بچھیا دینا چاہیے جو تین سال کا ہو۔ ساٹھ گایوں پر دو سال کے دو بچھڑے دینا چاہئیں۔ ستر گایوں کی زکوۃ میں ایک دو سال کا بچھڑا اور ایک تین سال کی بچھیا دی جائے۔ اس طرح جیسے جیسے تعداد بڑھتی جائے تیس تیس یا چالیس چالیس کا حساب کر کے اس کی زکوۃ دی جائے۔

اونٹ کے بارہ نصاب ہیں:

پہلا پانچ اونٹ کا نصاب ہے جس کی زکوۃ ایک بھیڑ ہے۔ پانچ سے کم اونٹوں پر زکوۃ نہیں لگتی۔

دوسرا نصاب دس اونٹ کا ہے اور اس کی زکوۃ دو بھیڑیں ہیں۔

تیسرا نصاب پندرہ اونٹ کا اور اس کی زکوۃ تین بھیڑیں ہیں۔

چوتھا نصاب بیس اونٹ کا اور اس کی زکوۃ چار بھیڑیں ہیں۔

پانچواں نصاب پچیس اونٹ کا اور اس کی زکوۃ پانچ بھیڑیں ہیں۔

چھٹا نصاب چھبیس اونٹ کا اور اس کی زکوۃ دو سال کا ایک اونٹ ہے۔

ساتواں نصاب چھتیس اونٹ کا اور اس کی زکوۃ تین سال کا ایک اونٹ ہے۔

آٹھواں نصاب چھیالیس اونٹ کا اور اس کی زکوۃ ایک چار سال کا اونٹ ہے۔

نواں نصاب اکسٹھ اونٹ کا اور اس کی زکوۃ پانچ سال کا ایک اونٹ ہے۔

دسواں نصاب چھتر اونٹ کا اور اس کی زکوۃ تین سال کے دو اونٹ ہیں۔

گیارہواں نصاب اکیانوے اونٹ کا اور اسکی زکوۃ چار سال کے دو اونٹ ہیں۔

بارہواں نصاب ایک سو اکیس اور اس سے زیادہ اونٹ کا اس کی زکوۃ چالیس اونٹ پر تین سال کا ایک اونٹ یا ہر پچاس اونٹ پر چار سال کا ایک اونٹ ہے۔

نقدیوں کا نصاب

چاندی کے سکے پر دو نصاب ہیں: پہلا نصاب ایک سو مثقال ہے جو اگر ایک سال تک محفوظ رہے اور اس سے کوئی لین دین نہ ہو تو لازم ہے کہ اس کا چالیسواں حصہ دے جو دو مثقال اور پندرہ چنوں کے برابر ہوتا ہے۔

دوسرا نصاب اکیس کا ہے جو پہلے نصاب پر اضافہ ہو جائے تو پوری چاندی کا

چالیسواں حصہ دے اور اگر چند سال تک رہے تو واجب ہے کہ ہر سال اس کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرتا رہے جب تک کہ پہلا نصاب بھی کم نہ ہو جائے۔

سونے کے بھی دو نصاب ہیں: پہلا بیس مثقال شرعی ہے جس میں ہر مثقال اٹھارہ چنے کا ہے اور جو معمولی پندرہ مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ جب بیس شرعی مثقال وزن کا سونے کا سکہ ایک سال تک رہے تو واجب ہے کہ اس کا چالیسواں حصہ جو نو چنے کے برابر ہوتا ہے زکوٰۃ میں دے۔

دوسرا نصاب چالیس شرعی مثقال ہے یعنی اگر بیس مثقال پر چار مزید مثقال بڑھ جائیں تو پورے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا چاہئے اور جو اس سے کم کا اضافہ ہو تو پہلے نصاب کے وہی نو(۹) چنے کافی ہیں۔ اسی طرح اگر بڑھ جائے یعنی چار چار کا اضافہ ہوتا جائے تو پورے کی زکوٰۃ دی جائے اور اگر چار سے کم بڑھے تو زیادہ زکوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ کلیے کے طور پر یوں سمجھئے کہ جب چاندی ایک سو پانچ مثقال سے اور سونا پندرہ مثقال معمولی سے بڑھ جائے تو پورے کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے بلکہ کبھی کبھی زیادہ بھی دے دیا گیا ہے۔

یہاں زکوٰۃ کے احکام مختصر طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ ان مسائل اور فروعات کی تفصیل عملی رسالوں میں موجود ہے۔ ضرورت مند لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔

فطرے کی زکوٰۃ

عیدالفطر (پہلی شوال) کی رات کو سورج ڈوبتے وقت جو شخص بالغ، عاقل اور غنی (اپنے سال بھر کے اخراجات پورے کرنے کا اہل) ہو اس پر واجب ہے کہ اپنی ذات کے حصے کا اور ان لوگوں کے حصے کا جن کے نان نفقے کا وہ کفیل ہے یہاں

تک کہ دودھ پیتے بچے اور مہمان کے حصے کا بھی فی کس ایک صاع جو تقریباً تین کلو ہوتا ہے گیہوں یا جو یا کھجوریں یا کشمش یا چاول وغیرہ کسی مستحق کو دے اور اگر اس کی قیمت ہی ادا کر دے تو وہ بھی کافی ہے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ فطرہ کا فوری فائدہ اس سال موت سے امان میں رہنا ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے اپنے اخراجات کے نگراں سے فرمایا تھا: "میرے تمام گھر والوں کا فطرہ ادا کر دو۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ بھولنا کیونکہ جس کی زکوٰۃ نہ دی تو مجھے اس کی موت کا اندیشہ رہے گا۔" آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "رمضان کے روزوں کو مکمل کرنے والا فطرہ ہوتا ہے۔" اس کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے قبول ہو جاتے ہیں۔

زکوٰۃ کا مصرف

انسان آٹھ موقعوں پر زکوٰۃ خرچ کر سکتا ہے:

۱۔ مفلس پر، اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنا اور اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ نہ اٹھا سکتا ہو، نہ عملی طور سے نہ امکانی طور پر۔ اس اعتبار سے جو شخص کسی صنعت، جائداد یا سرمائے کا مالک ہو اور سال بھر کا اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ اٹھا سکتا ہو وہ مفلس نہیں ہے۔

۲۔ مسکین پر، اس سے وہ شخص مراد ہے جو مفلس سے بھی زیادہ مشکل سے گزر کرتا ہے۔

۳۔ وہ شخص جو امام کی طرف سے یا ان کا نائب مقرر ہو، تاکہ زکوٰۃ جمع کرے اور اسے امام کو یا ان کے نائب کو یا مستحق شخص کو پہنچائے (العاملین علیھما)۔

۴۔ وہ جنکے ایمان کمزور ہیں زکوٰۃ دی جائے تاکہ انکو قوت اور ثبات حاصل ہو۔

۵۔ وہ غلام جو اپنی آزادی کی رقم ادا نہیں کر سکتا۔

۶۔ وہ جو اپنا قرض نہیں چکا سکتا۔

۷۔ خدا کی راہ میں جن سے لوگوں کا دینی فائدہ ہو جیسے دینی عمارت یا مسجد بنانا، ایسے مدرسے بنانا جن میں دینی علوم پڑھائے جائیں، پل بنانا، دو افراد یا دو گروہوں کے درمیان صلح کرانا اور عبادتوں میں مدد فراہم کرنا وغیرہ۔

۸۔ ایسے مسافر جو مجبور رہ گئے ہوں اور قرض لے کر یا اپنی کوئی چیز بیچ کر بھی اپنی منزل تک نہ پہنچ سکتے ہوں چاہے وہ اپنے وطن میں مفلس نہ ہوں۔

مستحب زکوٰۃ

سات چیزوں کی زکوٰۃ مستحب (اچھی) ہے:

۱۔ سرمایہ یعنی وہ مال جس سے انسان لین دین کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ کئی قسم کے دانے مثلاً چاول، چنے، مسور، ارد وغیرہ لیکن ترکاری اور سبزی جیسے بینگن، ککڑی، کھیرا، تربوز اور خربوزے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۳۔ گھوڑی یعنی گھوڑے کی مادہ۔

۴۔ ٹھیکے کا مال، دوکان، گھر، باغ، حمام وغیرہ۔

۵۔ لباس اور زیورات کہ ان کا ادھار دینا ہی ان کی زکوٰۃ ہے۔

۶۔ چھپا یا گڑا ہوا مال جسے مالک خرچ نہیں کر سکتا جب اس پر تصرف حاصل ہو جائے تو اس کی ایک سال کی زکوٰۃ دینا مستحب ہے۔

۷۔ جب کوئی زکوٰۃ سے بچنے کیلئے نصاب میں کمی کرے (زکوٰۃ کے نصاب کی حد سے اسے نیچے لے آئے مثلاً سال پورا ہونے سے پہلے ہی اسکا کچھ حصہ بیچ ڈالے) تو مستحب ہے کہ سال پورا ہونے پر اس مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔

باقی واجب اخراجات

زکوٰۃ کے بعد سب سے اہم واجب خرچ خمس ہے جسے خدا نے اپنے پیغمبر کے لئے اس زکوٰۃ کے عوض جو ان پر حرام کردی ہے مقرر فرمادیا ہے۔ جو کوئی ایک درہم یا اس سے کم خمس نہیں دے گا وہ آل محمدؐ کا حق غصب کرنے اور ان پر ظلم کرنے والوں میں شمار ہوگا بلکہ اگر اسے اپنے لئے حلال سمجھے گا اور اس کا واجب ہونا دل سے نہیں مانے گا تو وہ کافر ہوگا۔ اس کا واجب ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلم اور مستند اور قرآن مجید سے ثابت ہے بلکہ قرآن مجید نے اسکے ماننے کو خدا پر ایمان لانے کی ایک شرط قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: "اور اے مؤمنو! جان لو کہ تمہیں جو کچھ غنیمت میں ملا ہے اسکا پانچواں حصہ خدا، اسکے رسولؐ، رسول کے اقربا، یتیموں، مسکینوں، اور (آل رسولؐ کے) مجبور مسافروں کیلئے ہے اگر تم ایمان لائے ہو خدا پر اور مانتے ہو ان آیات قرآنی کو جو ہم نے محمدؐ پر نازل کیں یا بدر کے دن کی فرشتوں کی مدد اور فتح کو مانتے ہو جب دو گروہ (یعنی کفار اور مسلمان) باہم بھڑ گئے تھے اور حق اور باطل الگ الگ ہوگئے تھے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔" (سورۃ انفال آیت ۴۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جب خدا نے ہم اہلبیتؑ پر زکوٰۃ حرام فرمادی تو ہمارے لئے خمس بھیج دیا۔ چنانچہ صدقہ ہم پر حرام ہے، خمس ہمارے لئے واجب ہے اور نذرانہ یا تحفہ ہمارے لئے حلال ہے۔" (کافی)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "جب تک کوئی شخص مال کا خمس نکال کر ہم تک نہ پہنچادے اس سے کوئی چیز خریدنا حلال نہیں ہے۔"

آپ یہ بھی فرماتے ہیں: "قیامت کے دن لوگوں کے لئے سب سے زیادہ سخت وقت وہ ہوگا جب خمس کے حقدار کھڑے ہو کر ان لوگوں سے اپنا حق مانگیں گے

جنہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔" (کافی۔ تہذیب۔ فقیہ)۔

رزق میں کشادگی، مال کی پاکیزگی، کل کیلئے ذخیرہ

فارس کے ایک تاجر نے جو حضرت امام رضاؑ کا ماننے والا تھا آپ کو خط لکھ کر اجازت مانگی تا کہ جس مال سے خمس نہیں دیا ہے اس پر تصرف کرے۔ حضرت نے جواب میں لکھا: "واقعی خدا رزق میں وسعت دینے والا اور بخشش کرنے والا ہے اور اس شخص کو نیک کام کا ثواب دینے والا ہے جو اس کے حکم پر عمل کرتا ہے اور اسے عذاب دینے والا ہے جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ خدا نے مال کو جس طریقے سے حلال فرمایا ہے صرف اسی طریقے سے حلال ہو سکتا ہے۔ در حقیقت ہمیں اپنے دینی کاموں کو سنوارنے، اپنی اور اپنے دوستوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے اور ان لوگوں سے اپنی آبرو بچانے کے لئے خمس کی ضرورت ہے جن کی آزار رسانی کا ہم کو اندیشہ رہتا ہے۔ اس لئے ہم سے خمس نہ روکو اور اپنے آپ کو جہاں تک بنے ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو۔ سچ مچ خمس دینا تمہارے رزق کو وسعت دینے، تمہارے گناہوں کو دھو ڈالنے اور مجبوری اور پریشانی کے دن یعنی قیامت کے لئے ذخیرہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ مسلمان وہ ہے جو خدا سے کیا ہوا اپنی اطاعت اور بندگی کا وعدہ پورا کرتا ہے لیکن جو شخص صرف زبان سے خدا کو مانتا ہے اور دل سے اس کی مخالفت کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ (وافی منقول از کافی و تہذیب)

ابوالحسن اسدی کو حضرت حجتؑ کا ایک خط آپ کے خاص نائب محمد بن عثمان کے توسط سے ملا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا: "اس شخص پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جو ہمارے مال کا ایک درہم بھی اپنے لئے حلال سمجھے۔" ابوالحسن کہتے ہیں میں نے دل میں سوچا کہ یہ لعنت اس شخص کے لئے ہوگی جو امام کا

مال کھانا حلال جانے اس شخص کے لئے نہیں ہوگی جو اسے حلال جانے بغیر کھا جائے اور یہ بات ان تمام چیزوں کے لئے ہے جو خدا کی طرف سے حرام کردی گئی ہیں۔ یعنی جو شخص خدا کے حرام کو حلال سمجھ لے گا اس پر لعنت ہوگی اس لحاظ سے باقی تمام حرام چیزوں کے مقابلے میں امام کا مال کھانے کی کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ اس خدا کی قسم جس نے محمد کو حق اور سچائی کے ساتھ منتخب کیا میں نے دیکھا کہ جو کچھ خط میں لکھا تھا وہ ایک دم مٹ گیا اور اس کی جگہ یہ تحریر ہو گیا۔ "اس شخص پر جو ہمارے مال کا ایک درہم بھی ہماری اجازت کے بغیر کھائے گا خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔" (کمال الدین صدوق) یعنی چاہے اسے حلال نہ بھی جانے۔ خمس کے حکم کی تاکید کے متعلق بھی بہت سی روایتیں اور حدیثیں موجود ہیں۔

خمس واجب ہونے کے مواقع اور اس کا مصرف

خمس سات چیزوں میں واجب ہوتا ہے۔ لڑائی میں لوٹا ہوا مال، غوطہ خوروں کا سمندر سے نکالا ہوا مال، خزانہ جو ہاتھ لگ جائے، جو کچھ کانوں سے نکالا جائے، سال بھر کی کمائی میں سے خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے، وہ حلال مال جو حرام میں مل جائے اور اس کی مقدار معلوم نہ ہو، جو زمین کسی مسلمان سے کسی ذمی کافر کو منتقل ہو جاتی ہے۔

ان میں سے ہر معاملے کے متعلق شرطیں اور احکام ہیں جو عملی رسالوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

خمس کے دو حصے کرنا چاہئیں۔ اس کا ایک حصہ سادات کا حق ہے جو کسی مفلس یا یتیم سید کو یا اس سید کو پہنچانا چاہئے جو سفر میں عاجز رہ گیا ہو۔ اس کا دوسرا آدھا امام کا حق ہے جو آج کل کسی جامع الشرائط مجتہد کو پہنچانا چاہئے جو حضرت حجت کا

عام نائب ہے یا پھر اس کام میں صرف کر دینا چاہئے جس کا وہ حکم دے یا اجازت دے۔

کتاب کلمہ طیبہ میں ایسی چالیس حکایتیں بیان کی گئی ہیں جو سادات کی بزرگ نسل کے ساتھ بھلائی کرنے کے عظیم نتائج بر آمد ہونے کے بارے میں ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک حکایت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب اربعین منتجب الدین اور کتاب فضائل شاذان اور کتاب تحفة الازهار وسيلة المآل سے متعدد سندوں کے حوالے سے ابراہیم بن مہران سے نقل کیا گیا ہے کہ کوفے میں میرے پڑوس میں ایک شخص ابو جعفر نامی رہتا تھا جو لین دین میں بہت اچھا تھا۔ جب کوئی علوی اس کے پاس جاتا تھا اور کوئی چیز مانگتا تھا تو وہ اسے دے دیتا تھا۔ اگر اس کے پاس قیمت ہوتی تھی تو لے لیتا تھا ورنہ اپنے غلام کو حکم دے دیتا تھا کہ لکھ دے۔ یہ رقم علی بن ابی طالبؑ کے ذمے ہے۔ اس طرح مدت گزر گئی یہاں تک کہ وہ مفلس اور پریشان ہو گیا۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے اپنے رجسٹر میں دیکھتا تھا اگر کسی ایسے مقروض کا نام پاتا تھا جو زندہ ہوتا تھا تو کسی کو اس کے پاس بھیج دیتا تھا کہ وہ رقم اس سے لے آئے اور جو دیکھتا تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا تو اس کے نام پر لکیر کھینچ دیتا تھا۔ انہیں دنوں ایک دن وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا اپنا رجسٹر دیکھ رہا تھا کہ ایک ناصبی ادھر سے گزرا اور اس سے طنزاً بولا تیرے بڑے مقروض علی بن ابی طالبؑ نے کیا کیا؟ ابو جعفر اس کی اس بات سے غمگین ہوا اور اٹھ کر گھر میں چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں حضرت رسالت مآبؐ کو دیکھا کہ آپؐ کے ساتھ حضرت حسن اور حسین علیہما السلام بھی ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے ان دونوں سے فرمایا: "تمہارے باپ کہاں ہیں؟" حضرت امیر المومنینؑ نے جواب دیا: "میں حاضر ہوں یا رسول اللہ۔" اور آپ آنحضرتؐ کے پیچھے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: "کیا سبب ہے جو تم

اس شخص کا حق نہیں دے رہے ہو؟" امیر المؤمنینؑ نے جواب دیا: "یا رسول اللہؐ! یہ اسی کا حق ہے جو میں لایا ہوں۔" آپؐ نے حکم دیا: "اس کو دے دو۔" چنانچہ آپؑ نے سفید اون کی ایک تھیلی اسے دی اور فرمایا: "یہ تمہارا حق ہے۔" پھر رسول خداؐ نے فرمایا: "تم اسے لے لو اور جب ان کی اولاد میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تم سے وہ بھلائی چاہے جو تمہارے پاس ہے تو تم اسے واپس نہ کرنا۔ جاؤ اب تم پر افلاس کبھی نہیں آئے گا۔" وہ شخص کہتا ہے: "میں جاگا تو میرے ہاتھ میں وہ تھیلی موجود تھی۔ میں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا چراغ جلاؤ جب میں نے اس تھیلی میں نظر ڈالی تو ہزار اشرفیاں پائیں۔" بیوی کہنے لگی: "اے شخص! خدا سے ڈر، افلاس نے تجھے مجبور تو نہیں کیا تھا جو تو نے بعض تاجروں کو دھوکا دے کر ان کا مال لے لیا؟" میں نے کہا: "نہیں ہرگز نہیں۔ البتہ قصہ یہ ہے۔" پھر میں نے وہ رجسٹر طلب کیا جس میں حساب تھا تو دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ کے نام جو میں نے ان کے فرزندوں کو رقم دی تھی وہ کل ایک ہزار اشرفی ہے نہ کم نہ زیادہ۔

وہ اہل عیال جن کا خرچ واجب ہے

واجب اخراجات میں مستقل مطیع بیوی کا نفقہ اور اولاد اور اولاد کی اولاد کا نفقہ نیچے تک ان کی ضرورت کے وقت اور باپ اور ماں اور دادا اور نانی کا اوپر تک نفقہ انکی ضرورت کے وقت اور اس شخص کی مقدرت کے مطابق مناسب اور واجب مقدار میں اگر نہ دے تو گویا اس نے قطع رحم کیا ہے جس کا ذکر اور تفصیل گزر چکی ہے۔

مستحب اخراجات

مستحب اخراجات کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ مستحب صدقہ۔ اس کے بارے میں متواتر آیتوں اور حدیثوں میں تاکید آئی

ہے۔ خصوصاً جمعہ، عرفے اور ماہ رمضان میں اور بعض لوگوں مثلاً پڑوسیوں اور رشتے داروں کو دینے کے لئے۔ صدقہ بیماری کا علاج، بلا کا دور کرنے والا، رزق نازل کرنے والا، مال میں اضافہ کرنے والا(۱)، بری موت، جلنے، ڈوبنے اور پاگل ہونے کو دور کرنے والا ہے۔ جتنا زیادہ دیا جائے اس کا اتنا ہی زیادہ اثر ہوتا ہے اور کم کی کوئی حد نہیں ہے چاہے وہ ایک چھوہارا ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ ہدیہ یعنی تحفہ وہ چیز ہے جو کوئی شخص اپنے دولت مند یا مفلس دینی بھائی کو دوستی بڑھانے کے لئے دیتا ہے اور اگر قربت کی نیت سے ہو تو بڑی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

امیرالمؤمنینؑ سے روایت ہے: "اگر میں کوئی چیز اپنے دینی بھائی کو بطور ہدیہ دوں تو اسے خیرات کرنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

۱۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک شخص تھا اور اس کی بیوی بھی نیک تھی۔ خواب میں اسے بتایا گیا کہ خدا نے تیری عمر اتنی مقرر کی ہے اور یہ طے کر دیا ہے کہ تیری آدھی عمر خوشحالی میں اور آدھی مفلسی میں گزرے گی اور تجھے یہ اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو اول آدھی عمر خوشحالی میں اور آخری تنگدستی میں بسر کرے چاہے اس کے برعکس۔ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میری نیک بیوی بھی رزق میں میرے ساتھ شریک ہے میں پہلے اس سے مشورہ کرلوں۔ جب صبح ہوئی اور اس نے اپنی بیوی سے صلاح کی تو وہ عورت کہنے لگی کہ ابتدائی آدھی عمر کے لئے خوشحالی اختیار کر اور عافیت کے لئے جلدی کر شاید خدا ہم پر رحم فرما کر ہم پر اپنی نعمت تمام کردے۔ دوسری رات کو جب اس سے خواب میں پوچھا گیا کہ تو نے کیا منظور کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں پہلی آدھی عمر میں خوشحال رہنا چاہتا ہوں۔ اس سے کہا گیا کہ تیرے لئے ایسا ہی ہوگا۔

چنانچہ دنیا اس کی طرف ٹوٹ پڑی۔ جب اس کی نعمتیں کافی بڑھ گئیں تو اس کی بیوی نے کہا کہ اے شخص اپنے عزیزوں اور پریشان حال لوگوں کو صلہ دے اور ان کے ساتھ نیکی کر اور پڑوسی اور اپنے فلاں بھائی کو کچھ عنایت کر۔ اس مرد نے یہ بات مان لی اور مال بانٹنے اور خیرات کرنے میں کوئی کمی نہیں کی یہاں تک کہ اس کی آدھی عمر بیت گئی۔ اس نے اسی شخص کو خواب میں دیکھا جس نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۳۔ ضیافت یا مہمانی۔ مؤمن کی مہمانی کی فضیلت بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ یہ نبیوں کی عادت ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ ایک بار جب سات دن تک امیر المؤمنینؑ کے یہاں کوئی مہمان نہیں آیا تو آپ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں خدا نے مجھ سے اپنی مہربانی کی نظر نہ پھیر لی ہو۔

۴۔ حق معلوم۔ یہ مال کی وہ مقدار ہے جو ایک مسلمان شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اوپر فرض کرلیتا ہے کہ ہر روز یا ہر ہفتے یا ہر مہینے برابر کسی حاجت مند یا اپنے رشتے داروں کو دیتا رہے گا جیسا کہ قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے: "متقی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے مال میں سے کچھ حصہ اس محتاج کے لئے مقرر کردیا ہے جو سوال کرتا ہے اور اس محتاج کے لئے بھی جو سوال نہیں کرتا اور جس کے بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مفلس نہیں ہے۔" (سورۃ المعارج ۷۰ آیت ۲۴ و ۲۵)

۵۔ حق حصاد۔ یہ فصل کی وہ مقدار ہوتی ہے جو کاشتکار اپنی فصل اٹھاتے وقت مٹھی مٹھی راہگیروں کو بانٹ دیتا ہے اور اسے زکوٰۃ میں شمار نہیں کرتا جیسا کہ خدا فرماتا ہے: "اس کا حصہ کھلیان لگاتے وقت دے دو۔" (سورۃ انعام آیت ۱۴۱) اور صدقے کی یہ دونوں قسمیں مستحب ہیں۔ چونکہ آیتوں اور حدیثوں میں ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اس اہمیت کے لحاظ سے دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا۔

۶۔ قرض حسنہ۔ اس مسلمان کو قرض حسنہ دینا جسے قرض کی ضرورت پڑ گئی ہو۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ صدقہ دینے کی دس نیکیاں اور قرض دینے کی اٹھارہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" (وافی) جو مؤمن

گزشتہ سے پیوستہ:
اس سے کہا کہ تو نے خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کی خدا نے تجھے انعام دیا اور اب تیری آخری آدھی عمر بھی پہلی آدھی عمر کی طرح خوشحالی میں ہی بسر ہوگی۔ (کلمہ طیبہ نوری)۔

خدا کی خوشنودی کی خاطر قرض دیتا ہے تو خداوند عالم اس مال کو اس کی خیرات میں شمار کرتا ہے جب تک کہ وہ مال اس کو واپس نہ مل جائے۔(وافی) یعنی جس مدت تک وہ اسے خدا کی خوشنودی کی خاطر مہلت دیتا ہے ایسا ہے جیسے اس نے وہ تمام مال صدقہ یا خیرات کر دیا ہو کیونکہ جس لمحے میں اسے مطالبے کا حق ہے اور اس نے مطالبہ نہیں کیا تو گویا اس نے دوسری مرتبہ مال ادھار دیا۔ چنانچہ وہ مال کو دوبارہ خیرات کرنے کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "قرآن میں لفظ ماعون سے مراد جس کے ادا نہ کرنے پر عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ اس سے محتاجوں کو قرض دینا اور مانگنے والوں کو گھر کا سامان ادھار دینا مراد ہے۔"

آپؑ سے ابو بصیر نے عرض کیا: "مجھ سے میرے پڑوسی جب کوئی چیز مانگ کر لے جاتے ہیں تو توڑ ڈالتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں اب اگر میں انہیں اس سے منع کروں تو مجھے گناہ ہوتا ہے؟" تو حضرت نے فرمایا: "اگر وہ ایسے ہیں تو پھر تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

۷۔ اس مقروض (قرض دار) کو مہلت دینا یا معاف کر دینا جو اپنا قرض نہیں چکا سکتا۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص اس دن خدا کی پناہ میں رہنا چاہتا ہے جس دن کسی کو خدا کی پناہ کے سوا کوئی پناہ نہیں مل سکے گی اسے چاہئے کہ مجبور مقروض کو مہلت دے یا اسے اپنے واجبات معاف کر دے۔"

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے مجبور مقروض کو مہلت دیتا ہے تو جب تک اس کا مال اسے واپس نہ مل جائے خدا اسے ہر روز اس مال کو خیرات کرنے

یعنی صدقہ دینے کا ثواب عطا کرتا رہتا ہے۔"

حضرت امام صادقؑ سے لوگوں نے عرض کیا: "عبدالرحمٰن بن سیابہ کا کسی مرے ہوئے شخص پر کچھ مطالبہ باقی ہے تو ہم نے اس سے کہا ہے کہ اسے معاف کردے لیکن وہ نہیں مانا۔" حضرتؑ نے فرمایا: "اس پر افسوس ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ وہ جس وقت مر دے کو وہ رقم معاف کردے گا تو خدا اس کے ہر درہم کے عوض دس درہم اسے دے گا اور اگر معاف نہیں کرے گا تو وہ ایک درہم کے عوض ایک ہی درہم کا اس سے طلبگار رہے گا۔"

۸۔ محتاجوں کو لباس اور مکان کی بخشش۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے کسی دینی بھائی کو گرمی یا جاڑے کا لباس پہناتا ہے تو خدا پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے ایک بہشتی لباس پہنائے، اس کے لئے جانکنی کی تکلیف کم کردے، اس کی قبر کو کشادہ کردے اور قیامت میں جب قبر سے نکلے تو فرشتوں سے خوشی خوشی ملاقات کرے۔" (وافی)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص کسی مسلمان محتاج کا تن ڈھانپنے کے لئے اسے لباس پہنائے یا بسر اوقات میں اس کی مدد کرے (جیسے گھر اور سرمایہ وغیرہ سے) تو خدا سات ہزار فرشتے مقرر کردیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کے لئے قیامت کے دن تک استغفار کرتے رہیں۔" (وافی)

۹۔ اپنی آبرو اور عزت بچانے اور ظالموں اور مفسدوں کی برائی اور ظلم دور کرنے کی خاطر مال کی بخشش۔ روایت ہے کہ مال کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اس سے عزت اور آبرو بچائی جائے۔

۱۰۔ برابر جاری رہنے والی خیرات اور عوام کے فائدے کے لئے مال خرچ کرنا

جیسے مسجد، مدرسہ، پل، سرائیں اور حمام بنوانا، نہریں کھدوانا، دینی کتابیں چھپانا وغیرہ ایسے کام کرنا جن کا اثر برسوں تک باقی رہے اور ان کاموں کے کرنے والے کو ان کا ثواب مستقل طور پر ملتا رہے۔

مرحوم حاجی نوری دارالسلام میں بزرگ شیخ عالم ربانی شیخ عبدالحسین تہرانی سے نقل کرتے ہیں کہ جب میرزا نبی خان نے انتقال کیا جو محمد شاہ قاچار کے خواص میں سے تھا اور جو اپنی زندگی میں طرح طرح کے گناہوں اور برائیوں کے لئے بدنام رہا تھا تو میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ جیسے میں بہشت کے باغوں اور عمارتوں کی سیر کرتا پھر رہا ہوں اور ایک ایسا شخص میرے ساتھ ہے جو ان عمارتوں اور محلوں کو پہچانتا ہے۔ چنانچہ ہم ایک جگہ پہنچے تو اس شخص نے کہا: "یہ مرزا نبی خان کا مکان ہے اگر تم چاہو تو خود دیکھ لو وہ وہاں بیٹھا ہوا ہے۔" اس نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے ادھر مڑ کر دیکھا کہ وہ اکیلا ایک برآمدے میں بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے جو اس نے دیکھا تو اشارے سے بلایا میں اس کے پاس گیا تو اس نے اٹھ کر سلام کیا اور مجھے صدر مجلس میں بٹھایا اور خود اسی عادت اور انداز سے جو دنیا میں تھا بیٹھ گیا۔ میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا۔ کہنے لگا: "اے شیخ! کیا تمہیں میرے اس درجے پر تعجب ہے کیونکہ دنیا میں جو میں نے کام کئے تھے ان کی وجہ سے تو مجھے سخت عذاب ملنا چاہئے تھا، ہاں تھا تو ایسا ہی، لیکن طالقان کے علاقے میں میری ایک نمک کی کان تھی۔ میں اس کے ٹھیکے کی آمدنی ہر سال طالقان سے نجف اشرف بھیج دیا کرتا تھا تاکہ وہ حضرت امام حسینؑ کی عزاداری پر خرچ ہو۔ اس کے بدلے میں خدا نے مجھے یہ حویلی اور یہ باغ عطا کردیا۔"

شیخ مرحوم کہتے تھے کہ میں جاگا تو مجھے سخت تعجب تھا۔ میں نے اپنی کلاس میں یہ

خواب بیان کیا تو ملا مطیع طالقانی کی اولاد میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ خواب سچا ہے۔ طالقان میں ان کی نمک کی کان تھی اور وہ اس کی آمدنی جو تقریباً سو تومان ہوتی تھی نجف اشرف بھیجا کرتے تھے اور میرے والد امام حسینؑ کی عزاداری پر اسے خرچ کرنے کے ذمہ دار تھے۔ شیخ استاد مرحوم نے فرمایا: "مجھے اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا طالقان سے کوئی تعلق تھا اور وہ ہر سال نجف اشرف میں عزاداری کرتا تھا۔"

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "مرنے کے بعد کسی شخص کو صرف تین چیزوں میں سے حصہ ملتا ہے: اول وہ صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں جاری کر دیا تھا اور اس کے مرنے کے بعد بھی جاری ہو۔ دوم وہ نیک سنت جو اس نے قائم کی ہو (جیسے اذان دینا) اور اس کے مرنے کے بعد اس سنت پر عمل ہوتا رہے۔ سوم نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا اور استغفار کرتا ہو (وافی منقول از کافی و تہذیب) اور اس کی طرف سے نیک اعمال بجالاتا ہو جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔"

۱۲

حج کی توہین

اڑتیسواں گناہ کبیرہ حج کو حقیر سمجھنا اور اسے اہمیت نہ دینا ہے۔ چنانچہ حضرت امام صادقؑ سے اعمش نے اور حضرت امام رضاؑ سے فضل بن شاذان نے جو روایت کی ہے اس میں ان دونوں اماموں نے اسے گناہ کبیرہ بتایا ہے اور چونکہ حج بھی نماز کی طرح اسلام کے ضروری احکام میں شامل ہے اس لئے جو شخص حج سے منکر ہو کر اسے ترک کرتا ہے وہ کافر ہے (ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے) اور جو اس پر عقیدہ رکھتے ہوئے اس کے بجالانے میں غفلت کرتا ہے اسے اہمیت نہیں دیتا اور دنیوی مشغلوں کی وجہ سے اسے چھوڑ دیتا ہے تو ایسے بڑے واجب حکم کی عملی توہین جس کے بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے گناہ کبیرہ ہے۔

استطاعت اور مقدرت کے وقت اور سال سے آگے ٹالنا حرام ہے

حج کا بالکل ترک کرنا ہی گناہ کبیرہ نہیں ہے بلکہ مقدرت کے سال سے آگے ٹالنا بھی گناہ کبیرہ ہے چاہے وہ اس کے ایک سال کے بعد ہی کیوں نہ بجالائے کیونکہ واجب حج فوراً بجالانا چاہئے یعنی جو شخص حج کے زمانے میں مقدرت رکھتا ہو اسے اسی سال حج کرنا چاہئے اس کے لئے دوسرے سال تک رکنا حرام ہے۔

محقق شرائع میں فرماتے ہیں: "استطاعت کے سال سے آگے حج کو ٹالنا ہلاک کرنے والا گناہ کبیرہ ہے" اور شہید ثانی نے مسالک میں فرمایا ہے: "اس مسئلے میں امامیہ علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور کتاب اور سنت میں بہت سی دلیلیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استطاعت کے سال سے آگے حج کو ٹالنا

گناہ کبیرہ ہے۔" ظاہر ہے کہ حج میں دیر کرنا ایک طرح سے اسکی عملی توہین ہی ہے۔

اس کے کبیرہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں حج ترک کرنے کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے یعنی حج کا ترک کرنا خدا سے انکار اور اس کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ جس طرح شرک اور کفر بخشے نہیں جاسکتے اسی طرح حج کا ترک کرنا بھی ناقابل معافی ہے۔ خداوند عالم سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے: "جو شخص مکہ معظمہ پہنچنے کی مقدرت رکھتا ہے اس پر حج اور خانہ خدا کی زیارت واجب ہے اور جو اسے ترک کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور گھاٹے میں رہے گا کیونکہ خدا تو دنیا والوں کا محتاج نہیں ہے۔" (آیات ۹۶ و ۹۷)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "اس آیت میں لفظ "کفر" کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو حج ادا نہ کرے۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "بلاشبہ خدا نے مقدرت رکھنے والے لوگوں پر ہر سال حج واجب فرمایا ہے۔" (یعنی بدلے کے طور پر کہ اگر مقدرت کے سال میں حج ادا نہ کرے تو آخر عمر تک ہر سال ان پر وہ حج واجب ہوتا رہیگا۔ اس جملے کے معنی میں دوسرے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں جو رسالہ عروۃ الوثقیٰ میں دیکھے جاسکتے ہیں) اور یہ خدا کا حکم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: "خدا کی طرف سے ان لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہیں، خانہ کعبہ کا حج واجب ہے اور جو کوئی کافر ہو جائے اور حج چھوڑ ہی بیٹھے تو خدا دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

علی بن جعفرؑ کہتے ہیں میں نے آپؑ سے عرض کیا: "تو کیا ہم میں سے جو شخص حج نہیں کریگا وہ کافر ہو جائیگا۔" تو آپؑ نے فرمایا: "نہیں بلکہ جو شخص یہ کہے گا کہ حج ایسا نہیں ہے وہ گویا کافر ہو گیا۔" (یعنی اسکے واجب ہونے سے انکار کرنے کی بنا پر)

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص مر جاتا ہے اور حج واجب

جا نہیں لاتا جبکہ حج کی ادائیگی میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی یعنی اسے کوئی ضرورت یا پریشانی لاحق نہیں تھی نہ اسے کوئی ایسی بیماری لگی تھی جس کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکتا ہو نہ کوئی طاقتور شخص اسے روک رہا تھا تو خدا اسے قیامت میں یہودی یا نصرانی اٹھائے گا۔"(۱)

آپ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: "جو شخص حج واجب ادا کئے بغیر مر جاتا ہے (جبکہ اس کے لئے کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی) تو وہ یہودی یا نصرانی شمار ہوگا۔" آپ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ وہ قیامت میں یہودیوں اور نصرانیوں میں اٹھایا جائے گا۔

محدث فیض وانی میں فرماتے ہیں: "حدیث مذکور کے جملے "حاجة تجحف" کے معنی ایسی حاجت کے ہیں جس نے اس شخص کو مفلس بنادیا ہے یا اسے عنقریب مفلس بنانے والی ہے اور یہ جو امام نے فرمایا ہے کہ بلاوجہ حج ترک کرنے والا یہودی یا نصرانی مرے گا اس لئے فرمایا ہے کہ حقیقت میں اس پر اس کا ایمان اور اعتقاد نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حج پر اعتقاد رکھتا اور بیچ میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہوتی تو حج ضرور کرتا کہ ممکن ہے اگلے سال تک زندہ نہ رہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص سالم اور مالدار ہونے کی حالت میں مر جاتا ہے (یعنی حج کرسکتا تھا) اور حج نہیں کرتا تو وہ ایسا شخص ہوگا جس کے لئے خدا فرماتا ہے کہ اسے قیامت میں اندھا اٹھاؤں گا۔" ابوبصیر نے تعجب سے پوچھا: "کیا ایسا شخص قیامت میں اندھا اٹھے گا؟" تو آپؑ نے فرمایا: "ہاں! خدا نے اسے حق کا

۱۔ کتاب "داستانہائے شگفت" میں اس حدیث کی تائید میں دو قصے تنبیہی رکاوٹوں کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مطالعہ فرمایئے۔

راستہ دیکھنے کے قابل نہیں رکھا ہے۔" آپ" ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: "بہشت کے راستے کے لئے اسے اندھا کر دیا ہے۔" (کافی)

محمد بن فضیل کہتے ہیں: "میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں جو خدا فرماتا ہے کہ "جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا؟"

امامؑ نے فرمایا: "یہ وہ شخص ہے جو حج کو ایسی صورت میں بھی ٹال دیتا ہے جبکہ اس کے پاس حج کرنے کے لئے خرچ بھی موجود ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگلے سال کرلونگا یہاں تک کہ حج کرنے سے پہلے مر جاتا ہے۔" (من لا یحضرہ الفقیہ)

وہ آیتیں جن سے حج ترک کرنے والا مراد ہے

سورہ منافقون میں کہا گیا ہے: "ہم نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے میری موت میں دیر کیوں نہیں کی اور مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہیں دی جو میں اس وقت میں صدقہ دیتا (زکوٰۃ اور دوسرے واجب حقوق ادا کر دیتا) اور نیکوں (حج کرنے والوں) میں سے ہو جاتا لیکن خدا جب کسی شخص کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس کی موت میں دیر نہیں کرتا۔" (آیات ۱۰ و ۱۱)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے: "فاصدق" سے مراد واجب صدقہ اور "اکن من الصالحین" سے مراد حج کرنا ہے۔" (فقیہ) اور اس آیت میں بھی کہ "کہہ دو کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے زیادہ گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جو دنیا میں گمراہی میں دوڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نیکوکار ہیں۔" (سورۃ کہف آیات ۱۰۳ و ۱۰۴) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ ان لوگوں سے وہ مراد ہیں جو حج کا

فریضہ ادا کرنے میں غفلت کرتے ہیں، اسے ٹالتے رہتے ہیں اور ہر سال کہتے ہیں کہ اگلے سال کریں گے۔

حج کو ٹالنے اور ترک کرنے کو گناہ کبیرہ بتانے والی روایتیں تو بہت ہیں لیکن صرف اتنی ہی مقدار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حج میں ڈھیل ڈالنے کے دنیاوی نتائج

واضح رہے کہ حج ترک کرنے کے کچھ دنیاوی نتائج ہوتے ہیں جن کا حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک اس چیز کے حصول میں ناکامی ہے جس کی خاطر حج ٹالا جاتا ہے۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "جو شخص کوئی چیز حاصل کرنے یا دنیا کا کوئی کام کرنے کے لئے حج کو ترک کرے گا، اسے معلوم ہو گا کہ لوگ حج کر کے لوٹ بھی آئے اور اس کا کام پورا نہیں ہو پایا اور اس کا مقصد حاصل نہیں ہو پایا ہے۔" (من لا یحضرہ الفقیہ)

حج ترک کرنے سے افلاس بھی آتا ہے جیسا کہ جناب رسول خداؐ نے غدیر خم کے خطبے میں فرمایا تھا: "اے لوگو! خانہ خدا کا حج کرو۔ جو گھرانے حج کرتے ہیں وہ دولت مند ہو جاتے ہیں اور جو خاندان حج کو ترک کریں گے وہ مفلس ہو جائیں گے۔" (احتجاج طبرسی) چنانچہ حج سے انسان غنی ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: "اے لوگو! خدا حج کرنے والوں کی مدد کرتا ہے اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کا عوض (اسی دنیا میں) انہیں مل جاتا ہے اور خدا (آخرت میں) نیک بندوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا۔" (احتجاج طبرسی)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "تین باتوں کا ثواب آخرت کے علاوہ اس دنیا

میں بھی ملتا ہے۔ حج جس سے تنگدستی دور ہوتی ہے، صدقہ جو بلائیں رد کرتا ہے، نیکی اور احسان جو عمر میں اضافہ کرتا ہے۔" (مستدرک)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "اگر لوگ حج ترک کر دیں گے تو ان پر عذاب نازل ہونے میں دیر نہیں لگے گی یا ان پر عذاب نازل ہوگا۔" (کافی)۔

سماعہ کہتے ہیں کہ حضرت امام صادقؑ نے مجھ سے پوچھا: "کیا بات ہوئی کہ تم نے امسال حج نہیں کیا؟" میں نے کہا: "میں نے کچھ لوگوں کے ساتھ ایک معاملہ کیا ہے اور کچھ دوسرے کام تھے اور امید ہے کہ یہ کام جو میرے حج میں رکاوٹ بنے ہیں نیک ہوں گے۔" آپؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم خدا نے ان کاموں میں کوئی نیکی نہیں رکھی ہے جو تیرے حج کی راہ میں رکاوٹ بنے ہیں۔ ہر شخص اپنے کئے ہوئے گناہ کے باعث حج سے محروم ہوتا ہے۔" (کافی)

اسحٰق بن عمار نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا: "ایک شخص نے حج کو جانے کے لئے مجھ سے مشورہ کیا اور چونکہ میں نے اسے کمزور پایا (یعنی اس کی جسمانی اور مالی طاقت و توانائی کم دیکھی) میں نے اسے حج پر جانے سے روک دیا۔" امام نے فرمایا: "تو نے جو یہ کام کیا ہے اس کے باعث تو اس بات کا سزاوار ہے کہ تجھے ایک سال تک کے لئے کوئی مرض لاحق ہو جائے۔"

اسحٰق کہتے ہیں کہ جیسا کہ امام نے فرمایا تھا میں ایک سال تک کے لئے مریض ہو گیا۔ (کافی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو یہ نہیں چاہئے کہ کسی کو نیک کام خصوصاً حج سے روکے اور اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے خدائی راستہ بند کر دیا۔ اس کے بجائے اسے چاہئے کہ نیکی میں جلدی کرنے کا شوق پیدا کرے کہ ایسا نہ ہو اس

سے یہ کام یہ رہ جائے۔ اسی طرح ایک شخص کو یہ بھی نہیں چاہئے کہ کسی کو پیش نظر نیک کام سے دوسری نیکی کی طرف پھیرے جو اس کی سمجھ میں بہتر ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک نیکی کو ترک کردے اور بہتر نیکی بھی حاصل نہ کر سکے۔ اگر وہ نیکی کی نیت رکھنے والے کی حوصلہ افزائی کرے اور اسے نیکی میں جلدی کرنے پر مجبور کرے تو اس کا امر بالمعروف کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "اپنے دینی بھائی کو حج سے روکنے سے ڈرو اور پرہیز کرو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس عذاب آخرت کے علاوہ جو اسے دیا جائے گا وہ اس دنیا میں بھی بلاؤں میں مبتلا ہوگا۔" (وافی)

حج کی فضیلت

جس طرح حج ترک کرنے کی سخت سزائیں مقرر ہیں اسی طرح اس کے بجا لانے پر بھی بڑے بڑے انعامات، کثیر تعداد فوائد اور دنیا اور آخرت کی خوبیاں رکھی گئی ہیں جن کا اکثر روایتوں میں ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے کچھ کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں: "حج کرنے والوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں: پہلی قسم وہ ہے جس میں شامل لوگوں کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہے اور وہ یہ کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا انہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ ان کے بعد وہ لوگ ہیں جن کے صرف پچھلے گناہ بخشے جائیں گے اور تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جن کا مال اور اولاد اس وقت تک خدا کی محافظت میں رہیں گے جب تک وہ حج سے نہیں لوٹ آتے۔" (کافی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس قسم میں ایسا شخص شامل ہوگا جو حج کے قبول ہونے کی شرائط نہ رکھنے کے باعث آخرت کا ثواب نہیں پائے گا اور صرف حج سے

واپسی تک اس کے اہل و عیال اور مال کی حفاظت ہو گی۔

مسجد الحرام میں ایک شخص نے حضرت امام صادقؑ سے پوچھا: "گناہ اور بد قسمتی میں سب سے بڑھا ہوا کونسا شخص ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "وہ شخص جو موقف (یعنی عرفات اور مشعر الحرام) کے درمیان کھڑا رہتا ہے، صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، خانہ خدا کے گرد طواف کرتا ہے، مقام ابراہیمؑ میں نماز پڑھتا ہے اور اس کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے اسے نہیں بخشا ہے۔ ایسے شخص کا گناہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔" (کیونکہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہے اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ مایوسی گناہ کبیرہ ہے)۔ (وافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ)

حضرت امام صادقؑ اپنے بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: "میں حج کے لئے روانہ ہوا اور نہیں پہنچ پایا حالانکہ میں مالدار ہوں۔ حکم دیجئے میں کتنا مال خرچ کروں جو حج کا ثواب حاصل کر سکوں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "کوہ ابو قبیس کی طرف دیکھ اگر یہ سب سونا ہو جائے اور تیری ملکیت میں آجائے اور تو سب کو خدا کی راہ میں خرچ کر دے، پھر بھی تو حج کرنے والے کے درجے کو نہیں پہنچ سکے گا۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: جس وقت حج کرنے والا سفر حج کے انتظام میں مشغول ہوتا ہے جو چیز اٹھا کر رکھتا جاتا ہے اس کے عوض اس کے نام دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند ہو جاتے ہیں، جب اونٹ پر سوار ہو جاتا ہے تو وہ جو قدم اٹھاتا ہے ہر قدم پر اس کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے اور جب اس نے خانہ خدا کا طواف کر لیا تو وہ گناہوں سے پاک ہو گیا، جب وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ چکا تو پھر گناہوں سے دور ہو گیا، جب عرفات میں ٹھہرا تو پھر گناہوں سے پاک ہو گیا، جب مشعر میں ٹھہرا تو پھر

گناہوں سے پاک ہو گیا اور جب اس نے رمی کی تو پھر گناہوں سے پاک ہو گیا۔ اس طرح آنحضرتؐ ہر موقف کا بیان فرماتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو گیا، وہ گناہوں سے پاک ہو گیا، پھر آپؐ نے اعرابی سے فرمایا تو حج کرنے والے کے درجات تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟" (تہذیب باب فضل الحج)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "حج کرنے والے کے چار ماہ تک گناہ نہیں لکھے جاتے بلکہ اگر گناہ کبیرہ نہ کرے تو اس کے نام اس مدت میں نیکیاں ہی لکھی جاتی ہیں۔"

محدث فیض نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ نتیجہ خیزی، دل کے سیاہ کرنے اور چھوٹائی بڑائی کے لحاظ سے ان کے درجے ہوتے ہیں۔ شاید اس حدیث سے ان کی مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا ہر موقف میں ایک خاص قسم کے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یا ایک درجے کے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ہر قسم کے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ بعض گناہوں کو صرف عرفے کے دن عرفات کا قیام ہی پاک کرتا ہے۔

یہ بھی فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہوتے ہیں۔ اگر وہ خدا سے کچھ مانگتے ہیں تو وہ انہیں عطا کر دیتا ہے، اگر اسے پکارتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے، اگر کسی کی سفارش کرتے ہیں تو قبول کر لیتا ہے اگر خاموش رہیں گے تو مانگے بغیر انہیں عطا کر دے گا اور ایک ایک درہم کے عوض جو اس کی راہ میں خرچ کریں گے ہزار ہزار بخش دے گا۔ (وافی)

آپؑ بھی یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب حاجی مکے میں پہنچتا ہے خدا اس پر دو فرشتے متعین کر دیتا ہے جو طواف، نماز اور سعی میں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب

عرفے کے دن وہ قیام کرتا ہے تو اس کا دایاں کندھا تھپتھپاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے تیرے پچھلے گناہ بخش دیے اب اپنے مستقبل کی فکر کر۔ (وافی)

حج کی فضیلت کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں لیکن اتنی ہی کافی ہیں۔

حج کے واجب ہونے کی شرطیں

اول بالغ ہونا ہے چنانچہ اگر کوئی بچہ بلوغ سے پہلے حج کرتا ہے تو اگرچہ یہ اور دوسری عبادتوں کی طرح صحیح اور مستحب ہوگا لیکن حج واجب کا عوض نہیں ہو سکے گا۔ اگر بالغ ہونے کے بعد حج کی تمام شرطیں اس میں جمع ہو گئیں تو حج اس پر واجب ہوگا۔

دوسری شرط عقل۔

تیسری شرط اس کا آزاد ہونا (غلام نہ ہونا)۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ حج کرنے کی وجہ سے وہ ایسا مجبور نہ ہو جائے جو کوئی حرام کام انجام دے یا واجب عمل ترک کردے (بعض کہتے ہیں کہ اس معاملے میں اہم اور مہم کا لحاظ کرنا چاہیے)۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ حج پر جانے کی استطاعت رکھتا ہو۔

استطاعت کی شرطیں

استطاعت چند باتوں پر منحصر ہے:

اول: حج پر جانے اور واپس آنے کے لئے توشہ اور سواری رکھتا یا اتنا مال اس کے پاس ہو جس سے وہ اس سفر کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق توشہ اور سواری کا انتظام کر سکے۔

دوسری: اتنی صحت اور طاقت جو حج کر سکے اور واپس آسکے۔

تیسری: راستے میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو جو حج کے سفر میں خلل ڈالے۔

چنانچہ اگر اسے اس بات کا اندیشہ ہو کہ راستے میں اس کی جان، مال یا آبرو لٹ جائے گی تو اس پر حج واجب نہیں ہے۔

چوتھی: حج کی تکمیل تک کے لئے اس کے پاس وقت ہو۔

پانچویں: حج پر جانے اور واپس آنے تک کی مدت کے لئے اپنے کنبے کا خرچ رکھتا ہو اور اس کے کنبے میں وہ لوگ شمار ہوں گے جو اس کی سرپرستی اور کفالت میں ہوں گے چاہے اس پر ان کا نفقہ واجب ہو جیسے بیوی اور اولاد یا واجب نہ ہو جیسے چھوٹا یا بڑا بھائی جو تنگدست ہوں اور بھائی کے ذمے روٹی کھاتے ہوں یا جسے اس نے اپنے پاس رکھ لیا ہو اور جس کا وہ کفیل ہو یا جیسے نوکر اور ماما۔

چھٹی: حج سے واپسی پر روزی کی خاطر تکلیف اور پریشانی میں نہ پڑ جائے یعنی اس کی کمائی کا سلسلہ یا جائداد کی آمدنی یا اپنی اور اپنے کنبے کی روزی کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ ایسا نہ ہو جو جھگڑے میں پڑ جائے۔

جان لینا چاہئے کہ عمر بھر میں ایک سے زیادہ حج واجب نہیں ہیں۔ ایک حج ادا کرنے کے بعد استطاعت کی صورت میں باقی تمام برسوں کے حج مستحب ہیں۔ مذکورہ شرطوں کے جمع ہو جانے پر واجب ہے کہ اسی سال حج کرے۔ دوسرے یعنی اگلے سال کے لئے اسے ملتوی کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اگر بھول گیا اور اس سال حج نہیں کیا تو واجب ہو جاتا ہے کہ اگلے سال ادا کرے چاہے استطاعت بھی نہ رکھتا ہو اور مصیبت اور پریشانی بھی لاحق ہو۔ اگر بعد کے برسوں میں مالی استطاعت تو ہو لیکن ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جس سے حج نہ کر سکے اور اس بیماری سے شفا پانے کی بھی کوئی امید نہ ہو تو واجب ہے کہ اپنی طرف سے حج کروائے

یعنی ایک شخص کو مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے حج ادا کردے اور وہ اس شخص اجیر کے اخراجات بھی دے۔ اگر اس نے نائب بھی مقرر نہیں کیا اور مر گیا تو واجب ہے کہ لوگ اس کے اصل مال سے حج کے اخراجات علیحدہ کردیں اور اس کا واجب حج ادا کرنے کے لئے نائب مقرر کردیں چاہے اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اور چاہے اتنی رقم کے علاوہ اس کے ترکے یا وراثت میں کچھ مال باقی رہے یا نہ رہے چاہے اس کا وارث نابالغ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مردے کے واجب حج کی نیابت اس کے دوسرے مالی قرضوں کی طرح ہے جو وراثت پر مقدم ہے یعنی پہلے اس کا قرض ادا کرنا چاہئے پھر اگر کچھ مال بچ جائے تو وارثوں میں بانٹ دیا جائے۔

اس صورت میں جب کہ مرنے والے نے حج کی وصیت کی ہو اس کے حج کے اخراجات اس کے ایک تہائی مال سے محسوب کرنا چاہئیں۔

زندہ یا مردہ کے لئے نائب مقرر کرنا مستحب ہے

مستحب حج کے لئے زندہ یا مردہ شخص کی طرف سے نائب مقرر کرنا مستحب ہے جیسا کہ وسائل میں روایت ہے کہ محمد بن عیسیٰ یقطینی کہتا ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے میرے پاس کچھ رقم بھیجی کہ حضرت کی طرف سے میں خود اور میرے بھائی موسیٰ اور یونس بن عبدالرحمٰن حج کریں۔

عبداللہ بن سنان کہتا ہے کہ میں حضرت امام صادقؑ کے پاس تھا کہ ایک شخص آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام نے اسے تیس دینار دیئے کہ آپ کے فوت شدہ بیٹے اسماعیل کی طرف سے حج بجالائے اور اس پر یہ شرط عائد کردی کہ اسماعیل کی طرف سے حج اور عمرہ کے تمام افعال بجالائے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ”اگر تو ایسا کرے گا تو اسماعیل کو ایک مستحب حج کا ثواب ملے گا کیونکہ یہ حج اس کا مال خرچ

کرنے سے ہوگا اور تجھے نو حج کا ثواب ملے گا اس لئے کہ تو اپنے جسم کو تکلیف دے گا۔" (وسائل الشیعہ)

امام کا نائب پرہیزگار ہونا چاہئے

وسائل الشیعہ میں لکھا ہے کہ ابو محمد دعلجی کے دو بیٹے تھے ایک پرہیزگار اور دوسرا بدکار۔ کچھ شیعوں نے اسے رقم دی کہ حضرت حجت بن الحسن کی طرف سے حج کے لئے نائب مقرر کرے اور یہ شیعوں کی اچھی عبادت تھی۔ چنانچہ ابو محمد نے وہ رقم اپنے بدکار بیٹے کو دے دی اور اس کے ساتھ حج کیا۔ ابو محمد کہتا ہے کہ میں نے عرفے کے دن ایک گیہوں رنگ کے خوبصورت اور خوش لباس جوان کو دیکھا جو دعا مانگنے اور گڑگڑانے میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جب لوگوں کے عرفات سے مشعر کے لئے روانہ ہونے کا وقت آیا تو اس نے مجھ سے کہا: "اے شیخ کیا تجھے خدا سے شرم نہیں آتی؟" میں نے پوچھا: "کیوں؟" وہ بولا: "تجھ سے حج کرنے کے لئے کسی ایسے نائب کے لئے کہا گیا تھا جسے تو جانتا ہو اور تو اسے ایسے شخص کے سپرد کر دیتا ہے جو شراب پیتا ہے اور گناہ پر پیسہ خرچ کرتا ہے، کیا تو اندھا ہو جانے سے نہیں ڈرتا؟" پھر اس نے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا، میں شرمندہ ہوا، جب میرے حواس درست ہوئے تو میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اسے نہیں پایا۔ چالیس دن گزرنے سے پہلے پہلے میری آنکھوں میں زخم ہو گئے اور میں اندھا ہو گیا۔

کتاب کافی میں موسیٰ بن قاسم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام محمد تقی کی خدمت میں عرض کیا: "میں آپ اور آپ کے بزرگوں کی طرف سے طواف کرنا چاہتا تھا لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ امام کی طرف سے طواف کرنا جائز نہیں ہے۔" حضرت نے فرمایا: "جس قدر کر سکتا ہے طواف کر بے شک یہ کام جائز ہے۔"

راوی کہتا ہے: "پھر تین سال کے بعد میں آپؑ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کیا کہ چند سال پہلے میں نے آپؑ سے اجازت لی تھی کہ آپؑ اور آپؑ کے بزرگوں کی طرف سے طواف کروں، آپؑ نے اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ جتنا خدا نے چاہا تھا میں نے طواف کیا، ایک دن جناب رسول خداؐ کے لئے طواف کیا، ایک دن امیرالمؤمنینؑ کے لئے طواف کیا، اسی طرح آخری دن میں نے آپؑ کے لئے طواف کیا۔ اے میرے آقا! میں نے جن لوگوں (محمدؐ و آل محمدؐ) کا ذکر کیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی محبت کو میں نے اپنا دین و ایمان جانا ہے۔" حضرتؑ نے فرمایا: "ایسی صورت میں تو نے ایسا دین اختیار کیا ہے جس کے علاوہ خدا کوئی دوسرا دین قبول نہیں کرتا۔ پھر میں نے کہا کہ: "اکثر ایسا ہوا ہے کہ میں نے آپؑ کی والدہ حضرت فاطمہؑ کے لئے طواف کیا ہے اور کبھی نہیں بھی کیا۔" حضرتؑ نے فرمایا: "تو اکثر ایسا کیا کر بے شک یہ کام جو تو کرتا ہے تمام کاموں سے افضل ہے۔"

حج واجب ہونے کے اسباب

اہلبیتؑ سے ملنے والی چند روایتوں میں حج کے واجب ہونے کے اسباب اور اس کے مناسک کی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ وسائل الشیعہ میں حضرت امام رضاؑ سے ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ نیچے پیش کیا جاتا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو حج کا حکم صرف اسی لئے دیا گیا ہے کہ انہیں مادی اور روحانی فائدے پہنچیں یعنی:

۱۔ خدا سے قریب ہونا۔

۲۔ بہت زیادہ انعامات حاصل کرنا۔

۳۔ کئے ہوئے گناہوں سے پاک ہونا جب کہ اپنے ماضی پر شرمندہ ہو اور

مستقبل میں خدا کی اطاعت اور بندگی کرنا چاہتا ہو۔

۴۔ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا اور خدا کی خاطر اپنے جسم کو تکلیف دینا۔

۵۔ اپنے کنبے سے الگ ہونا اور ان کی محبت ترک کر دینا۔

۶۔ خوشیوں سے اپنے نفس کو روکے رکھنا اور سردی اور گرمی میں عاجزی اور انکسار سے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا غرض تمام تعلقات ختم کر کے خدا سے پوری پوری لو لگانا۔

۷۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو بہت سارے فائدے پہنچانا چاہے وہ مکے میں ہوں چاہے دوسرے شہروں میں چاہے وہ لوگ ہوں جو تجارت، مال برداری، خرید و فروخت، مزدوری اور کرائے پر چیزیں دینے سے کافی فائدہ اٹھاتے ہیں، چاہے وہ بہت سے غریب ہوں جنہیں کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے اور چاہے بہت سے ایسے مسلمان ہوں جن کی حاجتیں ایک مقام پر بہت سے لوگوں کے جمع ہونے سے پوری ہو جاتی ہیں۔

۸۔ حج میں اکٹھے ہونے سے بہت سے ناواقف لوگوں کو صحیح اعتقادات اور دین کے سچے احکام اور اہلبیتؑ کی روایتیں اور ان کے بارے میں چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں۔

خدا کی بندگی۔ فرشتوں سے مشابہت

حضرت امیر المومنینؑ نہج البلاغہ کے ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا نے تم پر خانہ کعبہ کا حج واجب کر دیا ہے اور اسے لوگوں کا قبلہ قرار دیا ہے۔ وہاں حج کرنے والے اسی طرح اکٹھے ہوتے ہیں جس طرح چوپائے (اس گھر میں ان لوگوں کا ثواب حاصل کرنے کے لئے جمع ہونا ایسا ہی ہے جیسا کسی پانی کے چشمے پر پیاسے

چوپایوں کا ہجوم کرتا) اور وہاں پہنچنے کا ایسا ہی شوق رکھتے ہیں جیسا کبوتر اپنے گھونسلے میں پہنچنے کا شوق رکھتے ہیں۔ خدائے بزرگ نے اس گھر کو اپنی بزرگی اور عظمت کے مقابلے میں لوگوں کی عاجزی اور اپنی عزت اور سلطنت کی تصدیق کی علامت اور نشانی قرار دیا ہے اور اپنے ان سننے والے بندوں کے لئے منتخب کیا ہے جنہوں نے (وہاں جانے کے لئے) اس کی دعوت قبول کی اور اس کے حکم کو صحیح مان کر اس پر عمل کیا۔ پیغمبروں کی جگہ کھڑے ہو کر اپنے آپ کو ان فرشتوں سے مشابہ قرار دیا جو عرش الٰہی کا طواف کرتے ہیں۔ اپنے ایمان کے سرمائے سے خدا کی عبادت کے کاروبار میں بہت زیادہ فائدہ اٹھتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں اور خدا کی بخشش کی وعدہ گاہ کے قریب پہنچنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا نے اس گھر کو اسلام کی نشانی اور پناہ چاہنے والوں کی پناہ گاہ بنایا ہے اور اس کا حج واجب کر دیا ہے، اس کا احترام لازم قرار دیا ہے اور وہاں جانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران آیت ۹۷ میں فرمایا ہے: "بیت الحرام کا حج خدا کا ان لوگوں پر حق ہے (اور اس حق کا ادا کرنا واجب ہے) جو وہاں جانے کی استطاعت اور طاقت رکھتے ہیں اور جو کوئی کافر ہو جائے (استطاعت رکھتے ہوئے بھی خدا کا حکم نہ بجالائے) تو وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اس لئے کہ خدا تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے یعنی ان سے کوئی حاجت نہیں رکھتا (اسے لوگوں کے ایمان اور عبادت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے گھاٹا اسی کا ہوتا ہے جو نافرمانی کرتا ہے)۔" (نہج البلاغہ جلد اول فیض الاسلام خطبہ ۲ صفحہ ۳۲)

زاقی نے معراج السعادت میں حج کے ظاہری اور باطنی اسباب نہایت شیریں عبارتوں میں اور اچھے اسالیب سے بیان کئے ہیں جس کے کچھ جملے یہاں دہرائے جاتے ہیں۔ حج دین کا سب سے بڑا ستون اور اتنی اچھی بات ہے کہ انسان کو

خدا کے قریب پہنچا دیتی ہے اور وہ اللہ کی طرف سے سب سے اہم فریضہ اور سب سے سخت جسمانی عبادت ہے۔ اس کا ترک کرنے والا یہودیوں اور عیسائیوں میں شمار ہوتا ہے اور بہشت سے محروم رہتا ہے۔ اس کی فضیلت اور اسے ترک کرنے کی برائی سے متعلق حدیثیں مشہور ہیں اور حدیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

انسان کی پیدائش کی اصلی غرض یہ ہے کہ وہ خدا کو پہچانے اور اس سے محبت اور انس رکھے اور یہ اس کے نفس کی پاکیزگی پر منحصر ہے اور یہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ فطری خواہشات سے دور رہے، اپنے نفس کو شہوانی لذتوں سے بچائے، دنیا کا مال و متاع ترک کر دے، خدا کی خاطر سخت اعمال بجالانے میں اپنے جسم اور اعضائے جسم کو استعمال کرے، خدا کو برابر یاد رکھے اور دل کو اس کی طرف متوجہ رکھے۔ اسی لئے خدا نے ایسی عبادتیں مقرر فرمائی ہیں جن سے یہ اغراض حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض عبادتیں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے متعلق ہیں جو مال دنیا سے دل ہٹا دیتی ہیں جیسے زکوۃ، خمس اور صدقات۔ بعض عبادتوں میں خواہشات اور لذات کو چھوڑنا پڑتا ہے جیسے روزہ۔ بعض خدا کو یاد کرنے، اس سے لو لگانے اور جسمانی اعضاء کے استعمال سے متعلق ہیں جیسے نماز اور حج کی عبادت ان سب اغراض پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں وطن چھوڑنا، جسم کو استعمال کرنا، مال کی خیرات کرنا، امیدیں توڑ لینا، محنت و مشقت برداشت کرنا، خدا سے کئے ہوئے عہد کو دہرانا، طواف، دعا، نماز اور ایسے کاموں میں مشغول ہونا بھی شامل ہے جن سے آدمی مانوس نہیں ہو پایا ہے اور جنہیں عقلیں نہیں سمجھ پاتی ہیں۔ مثلاً کنکریاں مارنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ ان جیسے اعمال سے انتہائی بندگی اور ذلت اور بے مائگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تمام عبادتیں ایسے اعمال ہیں جنہیں بہت سی عقلیں سمجھ لیتی ہیں اور اسی لئے طبیعتیں ان

سے مانوس ہو جاتی ہیں اور نفس کو ان سے لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے لیکن حج کے بعض اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ہم جیسوں کی عقلیں ان کی تہ تک نہیں پہنچ پاتیں۔ چنانچہ انہیں اپنے مالک کی بندگی اور اس کے حکم کی بجا آوری ہی کے لئے ادا کرتے ہیں اور ایسے ہی عمل میں بندگی کا اظہار زیادہ ہوتا ہے کیونکہ حقیقی بندگی اسی عمل میں ہوتی ہے جس کا سبب اپنے مالک کی اطاعت کے سوا اور کچھ نہ ہو یہی وجہ تھی کہ رسول خداؐ نے حج کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ "لبیک بحجة حقاً تعبداً ورقاً" یعنی اے خدا میں نے تجھے بندگی اور اطاعت سے حج کر کے جواب دیا ہے اور دوسری عبادتوں میں ایسا نہیں فرمایا۔ اس لئے ایسی عبادت جس کی تہ تک کسی کی عقل نہ پہنچ پائے، بندگی ظاہر کرنے میں زیادہ کامل ہے۔ اب جو لوگ ان عجیب کاموں پر تعجب کرتے ہیں وہ عبودیت اور بندگی کے اسرار نہیں جانتے اور یہی وجہ حج کے مقرر کرنے کی ہے۔

حج کے ہر عمل میں آخرت کی کسی نہ کسی حالت کا نمونہ ہوتا ہے یا اس کا کوئی اور سبب ہوتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ حج کی عبادت کے لئے لازمی ہے کہ دنیا والے ایک ایسی جگہ اکٹھے ہوں جہاں وحی لانے والے فرشتے آتے جاتے رہے ہیں اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے ہیں اور آپ سے بھی پہلے خدا کے خلیل حضرت ابراہیمؑ اس مقام پر پہنچے تھے اور وہاں ان پر فرشتے نازل ہوتے رہے بلکہ وہ مقام ایسی پاک زمین ہے جہاں آدمؑ سے خاتمؐ تک بڑے بڑے نبی برابر ٹھیرے رہے ہیں، ہمیشہ وحی نازل ہوتی رہی ہے اور فرشتے اترتے رہے ہیں۔ اسی جگہ سید الانبیاءؐ پیدا ہوئے اور آپؐ کے اور تمام نبیوں کے مبارک قدم اکثر اس زمین پر پڑے، خدا نے اسے اپنا گھر کہا، اپنے بندوں کی عبادت کی غرض سے بنایا، اپنے گھر کے اطراف کو حرم گاہ مقرر کیا۔ عرفات کو اپنے گھر کے ابتدائی میدان کے مثل قرار دیا،

اپنے گھر کے احترام اور عزت کی غرض سے اس جگہ جانداروں کا ستانا اور درختوں اور گھاس وغیرہ کا اکھاڑنا حرام کر دیا۔ اسے بادشاہوں کی راجدھانی کی طرح خاص اور اہم مقام قرار دیا جس کو دیکھنے کے لئے لوگ لمبے لمبے سفر کر کے دور دراز کے مقامات سے الجھے بالوں اور دھول سے اٹے ہوئے چہروں اور جسموں کے ساتھ وہاں آئیں تاکہ اس گھر کے مالک کے آگے جھکیں اور زبان سے اقرار کریں کہ وہ زمان اور مکان سے ماوراء ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسے محترم مقام پر جمع ہونے سے محبت پیدا ہوتی ہے اور دنیا بھر سے حج کے لئے آنے والے اچھے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوتی اور صحبت رہتی ہے۔ دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ، ان کی عظمت و بزرگی، دین الٰہی کے رائج کرنے اور خدائی احکام کے پھیلانے میں ان کی کوشش اور محنتیں یاد آجاتی ہیں اور یہ سب باتیں مل کر نفس کو پاک و پاکیزہ بنا دیتی ہیں۔ (حج کے متعلق جملہ معلومات کے لئے کتاب مذکور کا مطالعہ کیجئے)

۱۳ واجب کا ترک کرنا

انتالیسواں گناہ کبیرہ خدا کے واجبات میں سے کسی ایک واجب کا بھی ترک کردینا ہے جیسا کہ صحیحہ عبدالعظیم میں حضرت امام محمد تقی، حضرت امام رضا، حضرت امام کاظم اور حضرت امام صادق علیہم السلام کے اقوال موجود ہیں کہ کسی ایسی بات کا ترک کردینا جو خدا نے واجب فرمادی ہے گناہ کبیرہ ہے کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "جو شخص نماز کو جان بوجھ کر ترک کرے گا وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری اور حفاظت و پناہ سے دور ہو جائے گا۔"

"اوشیئاً مما فرض اللّٰہ لان رسول اللّٰہؐ قال من ترک الصلوٰہ متعمداً فقد بری من ذمة اللّٰه و ذمة رسوله."

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: "خداوند عالم نے جس بات کا حکم دیا ہے اسے ترک کردینا کفر ہے۔" جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے: "کیا تم آسمانی کتاب کے بعض احکامات اور خدائی حکم کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے؟ تم میں سے جو شخص ایسا کرتا ہے اس کی سزا دنیاوی زندگی میں خواری اور قیامت میں سخت ترین عذاب میں گرفتاری کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے۔" (سورۃ البقر آیت ۸۵) امام صادقؑ نے فرمایا ہے: "خدا نے ان لوگوں کو اس بات کے ترک کرنے پر کافر مانا ہے جس کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ انہیں مومن تو کہا ہے لیکن ان کے ایمان کو قبول نہیں کیا ہے اور اسے اپنے نزدیک ان کے لئے مفید نہیں سمجھا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ ان کی جزا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔" (کافی۔ باب وجوہ الکفر)

اس حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے کسی واجب حکم کو ترک کر دینا کفر کا ایک درجہ ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے: "اور تم کفر کے کچھ طریقوں پر عمل کرتے ہو۔" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک واجب ایسا گناہ ہے جس کے لئے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے: "ایسے شخص کی سزا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔"

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو بندہ ترک واجب کرتا ہے یا گناہ کبیرہ بجا لاتا ہے، خدا اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور اسے پاک نہیں کرتا۔" راوی نے تعجب سے پوچھا: "کیا خدا ایسے شخص پر رحمت کی نظر نہیں ڈالے گا؟" امام نے فرمایا: "ہاں! کیونکہ ایسا شخص مشرک ہو گیا ہے اور اس نے خدا کا شریک مان لیا ہے۔" وہ پھر حیرت سے پوچھتا ہے: "کیا مشرک ہو گیا ہے؟" امام نے فرمایا: "ہاں! کیونکہ خدا نے ایک بات کا حکم دیا اور شیطان نے بھی ایک بات کا حکم دیا (یعنی خدا نے جس بات کا حکم دیا ہے تو شیطان نے اسے ترک کرنے کا حکم دیا) تو اس نے اس بات کو ترک کر دیا جس کا خدا نے حکم دیا تھا اور شیطان کا حکم مان لیا۔ (واجب ترک کر کے اور حرام کام انجام دے کر)۔ پس ایسا شخص شیطان کی اطاعت کے باعث دوزخ کے ساتویں درجے میں جو منافقوں کی جگہ ہے، شیطان کے ساتھ رہے گا۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شرک سے اطاعت میں شرک مراد ہے جیسا کہ شرک کی گفتگو میں گزر چکا ہے۔

فتنہ اور دردناک عذاب

جن آیتوں میں خدا کے واجب حکم کی مخالفت کرنے پر سخت ڈراوا دکھایا اور

عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک سورۂ نور بھی ہے جس میں کہا گیا ہے: "جو خدائی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ ان پر بلا یا دردناک عذاب نازل ہوگا۔" (آیت ۶۳)

بعض مفسروں نے کہا ہے کہ ممکن ہے فتنے سے دنیاوی بلا اور آخرت کا دردناک عذاب مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتنہ اور عذاب دونوں آخرت کے ہوں۔

واجب احکامات بجالانے کی اہمیت کے بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں مثلاً پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "خدا نے مجھ سے معراج کی رات میں یہ فرمایا تھا کہ میرا بندہ میرے حکم پر عمل کرنے کے علاوہ اور کسی چیز سے میرے قریب نہیں آتا۔" (کافی)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "واجبات پر عمل کر جس سے تو سب سے زیادہ پرہیزگار انسان بن جائے۔" (کافی) اور دوسری روایتوں کے مطابق فرمایا ہے: "جس سے تو بہترین انسان بن جائے گا۔"

واجبات کیا ہیں؟

جس بات کا خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کے کرنے سے ثواب اور نہ کرنے سے عذاب ملے گا اسے فریضہ اور واجب کہتے ہیں اور خدا کے فریضے اور واجبات بہت سے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم جن پر دین اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے پانچ چیزیں ہیں: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ولایت۔ کچھ روایتوں میں ان پانچ چیزوں کو ارکان دین اور اسلام کے اصول کہا گیا ہے۔ وسائل کے مصنف نے اس مضمون کی کچھ روایتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ امر معروف اور نہی منکر جہاد ہی کی ایک

قسم ہے اور جہاد بھی ولایت کے تابع ہے جیسا کہ روایت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ خمس جس کی تفصیل گزر چکی ہے ایسا ہے جیسے سادات کو زکوٰۃ دینا اور تبرّا بھی ولایت کا اہم جزو ہے پس دین کے ارکان اور فروع کل دس ہو جاتے ہیں: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد، امر بہ معروف، نہی از منکر، تولا اور تبرا۔ نماز، حج، زکوٰۃ اور خمس کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے جو پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے۔ باقی کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

ماہ رمضان کا روزہ

ماہ رمضان کے روزے کا واجب ہونا دین اسلام کی ضرورت ہے۔ اس کا نہ ماننے والا مرتد اور واجب القتل ہے۔ اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے کسی عذر کے بغیر اسے ترک کرتا ہے لیکن اس کے واجب ہونے سے انکار نہیں کرتا تو اسے سزا دینا چاہئے یعنی پچیس کوڑے مارنا چاہئیں یا پھر حاکم شرع جتنی تعداد مناسب سمجھے اتنے کوڑے مارے اور اگر پھر روزہ ترک کرے تو دوبارہ بھی سزا دے اور تیسری بار اسے قتل کر دے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص ماہ رمضان میں کسی عذر کے بغیر ایک دن بھی کھانا کھائے تو اس سے ایمان کی حقیقت جاتی رہتی ہے۔" (ثواب الاعمال صدوق) آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو شخص کسی عذر کے بغیر ماہ رمضان کے تین روزے کھا جائے اسے تینوں دن امام کے سامنے حاضر کیا جائے۔ تیسری بار اسے قتل کر دینا چاہئے۔"

خدا کی راہ میں جہاد

جہاد بھی نماز روزے کی طرح دین اسلام کا ایک رکن ہے جیسا کہ روایت

میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ اس کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں اور اس کے ترک کرنے کی سزا کے متعلق بہت سی آیتیں اور حدیثیں اور روایتیں ملتی ہیں۔

جہاد کی کئی قسمیں ہیں: پہلی قسم کافروں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے ابتداًمیں ان سے لڑائی لڑنا۔ اس قسم کے جہاد کی کچھ شرطیں ہوتی ہیں مثلاً امام کا حکم یا امام کے خاص نائب کا حکم اور چونکہ ہمارے زمانے میں امامؑ غائب ہیں اور ان کے کوئی خاص نائب بھی نہیں ہیں اس لئے ابتدائی جہاد ساقط ہے یعنی واجب نہیں ہے۔

دوسری قسم ان کافروں سے لڑنا ہے جنھوں نے مسلمانوں پر اس لئے حملہ کردیا ہو کہ وہ اسلام اور اس کے آثار ہی ختم کرڈالیں۔ اس قسم کے جہاد کے لئے امامؑ یا ان کے نائب کی اجازت یا حکم کی شرط نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں یہاں تک کہ عورتوں پر بھی طاقت اور استطاعت کی صورت میں واجب ہے (بطور واجب کفایہ) کہ وہ لڑیں، اسلامی علاقے کو بچائیں اور غیروں اور کافروں کا فساد دور کریں۔

تیسری قسم کافروں کی اس جماعت سے جنگ کرنا ہے جنھوں نے مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کا مال لوٹنے کے لئے حملہ کردیا ہو چاہے ان کی نیت مذہب تبدیل کرانا اور اسلام کو مٹانا نہ ہو۔ اس قسم میں بھی امام یا ان کے نائب کی اجازت یا حکم کی ضرورت نہیں ہے۔

چوتھی قسم جان، مال اور عزت بچانے کے لئے لڑنا ہے اور یہ ہر مسلمان پر ہر اس شخص کے خلاف واجب ہے جو چاہتا ہے کہ اسے یا دوسرے مسلمان کو قتل کر ڈالے یا اس کی عزت یا دوسرے مسلمان کی عزت پر ہاتھ ڈالے یا اس کا یا دوسرے مسلمان کا وہ مال واسباب لوٹ لے جس کی حفاظت کرنا واجب ہے بشرطیکہ قوت رکھتا ہو اور خطرے سے محفوظ ہو۔ اسے چاہئے کہ اپنا اور دوسروں کا بچاؤ، بچاؤ کی شرطوں

کے مطابق کرے۔ ان چاروں قسموں میں سے ہر قسم کے متعلق بہت سے احکام اور تفصیلات ہیں جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔

مرحوم کاشف الغطاء کتاب اصل الشیعہ میں یوں لکھتے ہیں:

جہاد اسلامی عمارت کا سنگ بنیاد اور اس کے خیمے کی میخ اور ستون ہے کیونکہ جہاد سے اسلام کا خیمہ برپا، دینداری کے علاقے پھیلے ہوئے اور شریعت کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اگر جہاد نہ ہوتا تو اسلام دنیا والوں کے لئے رحمت اور انسانوں کے لئے برکت کا باعث نہ ہوتا۔

جہاد جان و مال کی خیرات اور خدا کی راہ میں قربانی دینا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو اور زمین پر ظلم اور تباہی کا خاتمہ ہو جائے۔

ہمارے عقیدے کے مطابق جہاد دو قسم کا ہوتا ہے ایک جہاد اکبر جو اندرونی دشمن یعنی نفس کا مقابلہ ہے تاکہ اس لڑائی سے نفس کی ناپسندیدہ خصوصیات جیسے بے علمی، ظلم و ستم، غرور اور گھمنڈ، جلن، کنجوسی اور دوسری بری باتیں دور ہو جائیں جیسا کہ فرمایا ہے: "اعدی عدوك نفسك التي بين جنبيك" یعنی تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں رہتا ہے۔

دوسرا جہاد اصغر (چھوٹا جہاد) اور وہ خارجی دشمن کا مقابلہ ہے جو سچائی کا دشمن ہے، بھلائی کا دشمن ہے، خوبی کا دشمن ہے اور دین کا دشمن ہے۔

نفس کا علاج، گھٹیا خصوصیات اور خراب جبلتوں اور عادتوں کا دور کرنا ہے جس کی بنیادیں پختہ اور راسخ ہو گئی ہوں اور طبیعت ثانی بن گئی ہوں۔ یہ اس قدر مشکل ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس قسم کے جہاد کو اپنے کچھ مقولات میں جہاد اکبر کہا ہے اور خود آپؐ اور آپؐ کے بزرگ اصحاب بھی زندگی بھر ان دونوں جہادوں میں مشغول رہے۔

اس اعتبار سے ان لوگوں نے اسلام کو اتنے عزو احترام اور کمال کے درجے تک پہنچا دیا کہ جب ہم قلم رکھ کر کل (صدر اسلام) کے مسلمانوں کے جہاد کا تصور کریں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون اور آہ و فریاد کی جگہ دل کے ٹکڑے سینے سے باہر آجائیں اور عبادت پر عبادت اور کلمے پر کلمہ سبقت لے جانے لگے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی۔ تم خود اپنی عقل سے معلوم کرلو کہ میرے قلم کو کس چیز نے باندھ دیا اور میرے بیان کو روک دیا۔ کس چیز نے میرا دل پگھلا دیا اور میرے غم میں جوش پیدا کر دیا اور بات کرنے اور خفیہ راز کے ظاہر کرنے کی آزادی بھی مجھ سے چھین لی۔

امر بہ معروف اور نہی از منکر

امر بہ معروف یعنی دوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنا اور نہی از منکر یعنی دوسرے کو گناہ سے روکنا یہ دونوں پچھلے چھ واجبات کی طرح اسلام کے ارکان اور اہم فرائض ہیں اور جہاد کا ایک شعبہ ہیں۔ چنانچہ بہت سی روایتوں میں صراحت کی گئی ہے۔ ان کے بارے میں زوردار حکم اور ان کے ترک کرنے کی سخت ممانعت بہت سی آیتوں اور روایتوں میں ملتی ہے جن میں یہاں کچھ کا بیان کیا جاتا ہے۔

سورۃ آل عمران میں کہا گیا ہے: ''تم میں سے جو لوگ مسلمانوں کو نیکی کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے اور برائے سے منع کرتے ہیں وہ حقیقت میں نجات پانے والے ہیں۔'' (آیت ۱۰۴)

خدا نے اس آیت میں تبلیغ کی تاکید کے ساتھ ساتھ امر بہ معروف اور نہی از منکر کو واجب قرار دیا ہے۔ اسی سورت میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے: ''تم مسلمان بہترین امت ہو (یا تھے) جسے خدا نے دنیا کے لوگوں کے سامنے ظاہر کیا کیونکہ تم امر بہ معروف اور نہی از منکر کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آیت ۱۱۰)

سورۂ مائدہ میں ان لوگوں کو ملامت کرتے ہوئے جو نہی از منکر کو ترک کر چکے ہیں خدا فرماتا ہے: "یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اپنی اپنی امت کو گناہ کی باتوں (مثلاً کتاب میں تبدیلی اور حق کے خلاف گفتگو)، رشوت ستانی اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔ واقعی یہ کتنا برا رویہ ہے جو یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔" (آیت ۶۳)

اصحاب سبت کے قصے میں خدا یوں فرماتا ہے: "یہ ایسی قوم تھے کہ خدا نے سنیچر کے دن مچھلی کا شکار ان کے لئے حرام کر دیا تھا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ان میں سے ایک جماعت نصیحت کر کے انہیں شکار سے منع کرتی تھی، کچھ دوسرے خاموش تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے بلکہ منع کرنے والوں کو چپ ہونے کو کہتے تھے کہ ان سے تعلق ہی نہ رکھو اور انہیں ہلاک ہو جانے دو، جب وہ قوم گناہ میں ڈوب گئی تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا، صرف برائی سے روکنے والے ہی نجات پا سکے، باقی یعنی گناہگار اور وہ لوگ جو برائی سے نہیں روکتے تھے سب بندر بن گئے اور ہلاک ہو گئے۔" (سورۂ اعراف آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶)

ان آیتوں سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ امر بہ معروف اور نہی از منکر کو ترک کرنا ایسا گناہ ہے جس کے لئے قرآن مجید میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ منکر کا بجا لانے والا اور نہی از منکر کا ترک کرنے والا دونوں عذاب کے یکساں مستحق ہیں کیونکہ اگر برائی کرنے والے نے حرام کام کیا ہے تو نہی از منکر کو ترک کرنے والے نے بھی واجب الٰہی کو جو نہی از منکر ہے چھوڑ دیا ہے اور یوں گناہگار ہو گیا ہے۔ (تفسیر المیزان میں ان آیتوں کی تفسیر میں اہلبیت کی روایتیں دیکھئے)۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے: "بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہو گئے ان پر داؤد

نے اپنی زبان سے لعنت کی (کیونکہ اصحاب مائدہ نے لعن و نفرین کی تھی) یہ لعنت جس کے نتیجے میں وہ مسخ ہو گئے ان پر اس لئے پڑی کہ ایک تو وہ نافرمانی میں حد سے بڑھ جاتے تھے اور دوسرے ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کو اس برے کام سے جو وہ کرتے تھے نہیں روکتے تھے۔ کیسا برا تھا وہ کام جو یہ لوگ کرتے تھے۔" (سورۃ مائدہ آیات ۷۸ و ۷۹)

آیت میں نہی از منکر کو ترک کرنے والوں کے لئے سخت تنبیہ ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "یہ لوگ جو نہی از منکر نہ کرنے کے نتیجے میں پیغمبروں کی لعنت کے مستحق ہوئے اور ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں کبھی گناہگاروں کے ساتھ نہیں رہتے تھے اور ان کی مجلسوں اور محفلوں میں شرکت نہیں کرتے تھے لیکن جب انہیں دیکھتے تھے تو ان کے سامنے خوش ہوتے اور ان سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔" (وسائل الشیعہ کتاب امر بہ معروف)

روایتوں میں امر بہ معروف اور نہی از منکر

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: "تم کو امر بہ معروف اور نہی از منکر کرنا چاہئے۔ اگر نہیں کرو گے تو تم پر برے لوگ مسلط ہو جائیں گے پھر تمہارے نیک لوگ چاہے جتنی دعائیں کریں قبول نہیں ہوں گی۔" (وسائل الشیعہ)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جب میری امت امر بہ معروف اور نہی از منکر کو چھوڑ دے تو پھر خدا کے قہر و عذاب کے پہنچنے کا انتظار کرے۔"

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "خدا اس کمزور مؤمن کو دشمن سمجھتا ہے جو دین نہیں رکھتا۔"

آپؐ سے پوچھا گیا: "اے رسول خدا! ایسا شخص کون ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: ”وہ شخص ہے جو نہی از منکر نہیں کرتا یعنی دوسروں کو برائی سے نہیں روکتا۔“ (وسائل الشیعہ)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: ”خدا نے حضرت شعیبؑ پر وحی بھیجی کہ میں تمہاری قوم کے ایک لاکھ آدمی ہلاک کردوں گا۔ چالیس ہزار بدکار اور ساٹھ ہزار نیک۔“ شعیبؑ نے پوچھا: ”اے پروردگار! برے تو خیر عذاب کے مستحق ہیں لیکن نیک کیوں؟“ خدا نے فرمایا: ”کیونکہ یہ گناہگاروں سے مل گئے اور میرے غضب کے باوجود ان سے ناراض نہیں ہوئے اور انہیں برائی سے نہیں روکا۔“ (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: ”ان لوگوں پر سخت عذاب نازل ہوگا جو امر بہ معروف اور نہی از منکر چھوڑ دیں گے۔“ (وسائل الشیعہ)

امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: ”بے شک خدا نے تم سے پہلے والے لوگوں پر امر بہ معروف اور نہی از منکر ترک کرنے کے باعث لعنت فرمائی ہے، چنانچہ نادانوں کو گناہ کرنے پر اور داناؤں کو نہی از منکر چھوڑ دینے پر لعنت فرمائی ہے۔“

امر بہ معروف اور نہی از منکر واجب ہو جاتا ہے

چار شرطیں جمع ہونے پر امر بہ معروف اور نہی از منکر واجب ہو جاتا ہے:

۱۔ معروف اور منکر کا علم۔ جس بات کا دوسرے کو حکم دینا چاہے اور اسے انجام دینے کیلئے مجبور کرے تو یہ لازم ہے کہ اس بات کے واجب ہونے کا یقین رکھتا ہو۔ مثلاً وہ دین کی ضرورت ہو یا ایسا معاملہ ہو جس پر تمام علماء اور مجتہدوں کا اتفاق ہو اور اگر مسئلہ اختلافی ہو تو اس کے لئے حکم دینا واجب نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ شخص جو اسے چھوڑ رہا ہے وہ ایسے شخص کی تقلید کرتا ہو جو اسے واجب نہیں جانتا۔

ایسی صورت میں بھی جب یہ شبہ ہو کہ واجب کا ترک کرنے والا شرعی یا

عقلی عذر رکھتا ہے اس کا حکم دینا واجب نہیں ہے اسی طرح نہی از منکر میں بھی چاہئے کہ جس بات سے منع کرنا چاہتا ہے اس کا حرام ہونا مسلّم ہو۔ مثلاً اگر یہ دیکھے کہ کوئی کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے اور یہ شبہ ہو کہ یہ غیبت اس کے نزدیک ایسا معاملہ ہے جس کی اسے شرع کی رو سے اجازت دے دی گئی ہو تو اس سے روکنا واجب نہیں ہے بلکہ اس کی بے عزتی کا سبب بھی ہو تب بھی جائز نہیں ہے۔ غرض جس بات کے کرنے کا حکم دینا چاہتا ہے اس کے معروف ہونے کا (حکم کی رو سے اور موضوع کے اعتبار سے) علم ہونا چاہئے اور جس بات سے روکنا چاہتا ہے اس کا منکر یعنی برا ہونا بھی (حکم کی رو سے اور موضوع کی رو سے) مسلّم ہونا چاہئے۔

۲۔ امر اور نہی کے فائدے اور نتیجے کا گمان غالب ہو۔ اگر یہ یقین ہو کہ اس کے امر و نہی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تو امر و نہی واجب نہیں ہے۔

حضرت امام صادقؑ سے پوچھا گیا: "پیغمبر اکرمؐ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ظالم حاکم کے سامنے سچی بات کہنا ہے؟"

امام نے فرمایا: "یہ ایسے موقعے اور معاملے کیلئے ہے جب واقفیت کے بعد اسے حکم دے اور وہ بھی قبول کرلے یعنی مان لے اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ نہیں مانے گا تو پھر نہ کہے۔" (وسائل الشیعہ) اس حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ اثر کا گمان رکھتا ہو۔

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "امر بہ معروف اور نہی از منکر ایسے مؤمن کے لئے ہو جو نصیحت قبول کرنے والا ہو تاکہ وہ نصیحت مان لے یا ایسے جاہل کے لئے ہو جو علم کا طالب ہو تاکہ دانا بن جائے یعنی واقف ہو جائے لیکن جو صاحب قدرت شخص نصیحت سننے یا ماننے کو آمادہ نہ ہو اسے امر اور نہی کرنا لازم نہیں ہے۔" (اس لئے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا)۔ (وسائل الشیعہ کتاب امر بہ معروف)

۲۔ جس نے معروف ترک کر دیا ہو یا جو منکر کا مرتکب ہو گیا ہو اور وہ واجب کے ترک کرنے اور فعل حرام کے ارتکاب پر اصرار کرتا ہو اب اگر وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور اس گناہ کو چھوڑ بیٹھا ہے تو اس پر امر و نہی ساقط ہے یعنی اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ فقیہوں نے کہا ہے کہ جب اس سے شرمندگی کے آثار ظاہر ہوں اور اس گناہ کے چھوڑ دینے کا ارادہ واضح ہو تب بھی امر و نہی اس پر ساقط ہے چاہے اس شخص کا ترک حرام یا فعل واجب معلوم بھی نہ ہو۔

۳۔ امر اور نہی سے کوئی بگاڑ یا نقصان نہ ہو۔ چنانچہ اگر امر بہ معروف یا نہی از منکر میں اپنے یا کسی مسلمان کی جان و مال اور آبرو کے نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ واجب نہیں رہتا۔

یہ حدیث جو بیان کی گئی ہے کہ: سب سے بڑا شہید وہ ہے جو کسی ظالم کے سامنے حق بات کہے اور وہ ظالم اسے قتل کروا ڈالے۔ وہ ایسے موقعے کے لئے ہے جبکہ ابتدا میں نقصان اور فساد کا اندیشہ نہ ہو بلکہ یہ گمان ہو کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہو گا پھر سچ بات کہے اور قتل ہو جائے۔

مشکوک یا ذرا سا نقصان قابل توجہ نہیں ہے

نقصان کے خیال سے امر بہ معروف اور نہی از منکر کو ترک کرنے والوں کی برائی میں حدیثیں ملتی ہیں۔ مثلاً جابرؒ حضرت امام باقرؑ سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں کہ آخری زمانے میں کچھ ایسے منافق اور جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو امر بہ معروف اور نہی از منکر کو واجب نہیں سمجھیں گے بجز اس وقت کے جبکہ وہ نقصان سے محفوظ ہوں اور وہ اپنے لئے عذر و معذرت پیش کریں گے۔ یعنی نہی از منکر سے بھاگنے یا بچنے کے لئے بہانے گھڑیں گے۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ وہ نماز، روزہ اور

ایسے کام جن سے ان کے نفسوں اور مال کو کوئی نقصان نہیں ہوگا بجا لائیں گے اور اگر ان اعمال سے بھی ان کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو وہ ان کو بھی ترک کر دیں گے جس طرح انہوں نے امر بہ معروف اور نہی از منکر کے سب سے بڑے خدائی فریضے کو صرف نقصان پہنچنے کے احتمال سے ترک کر دیا (کافی) اس قسم کی حدیث کی دو وجہیں ممکن ہیں:

۱۔ ان روایتوں میں نقصان سے مشکوک نقصان مراد ہے یعنی نقصان کا باطنی یا حقیقی علم رکھے بغیر بلکہ وہ صرف اس شک اور شبہے کے باعث امر بہ معروف اور نہی از منکر کو ترک کر دیں گے کہ شاید اس سے انہیں کوئی نقصان پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت ان کے دین وایمان کی کمزوری کی دلیل ہے اس لئے قابل ملامت ہے۔

۲۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جزوی اور تھوڑا سا نقصان مراد ہو جو ایک عقلمند دیندار شخص کے نزدیک قابل توجہ نہیں ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ حرام کام کرنے والے کو اس خیال سے نہیں روکتا کہ وہ کہیں اس فائدے سے محروم نہ ہو جائے جسکی وہ اس سے آس لگائے ہوئے ہے حالانکہ اسے خدا کے سامنے نہی از منکر کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی نقصان جو عقلمندوں کے نزدیک قابل توجہ ہو سکتا ہے معلوم ہو یا اس کا شبہ ہو کہ اگر امر بہ معروف یا نہی از منکر کیا تو وہ نقصان پہنچ جائے گا صرف اسی وقت امر و نہی کا وجوب (واجب ہونا) باقی نہیں رہتا۔

کم اہم اور زیادہ اہم کا خیال رکھنا چاہئے

جاننا چاہئے کہ امر اور نہی صرف اس وقت واجب نہیں رہتے جبکہ ان کے ترک کرنے میں بھی کوئی نقصان نہ ہو ورنہ پھر نقصان کے درجے کا لحاظ رکھنا چاہئے

یعنی اگر امر بہ معروف اور نہی از منکر کے ترک کرنے میں ان کے بجالانے سے زیادہ نقصان ہو تو ترک نہیں کرنا چاہئے اور اگر امر بہ معروف اور نہی از منکر بجالانے میں ان کے ترک کرنے سے زیادہ نقصان ہو تو ترک کر دینا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنا چاہتے ہیں یا اس کا مال یا عزت لوٹنا چاہتے ہیں اور وہ انہیں روک سکتا ہے اور اس کا اثر بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے اسے کچھ برا بھلا سننا پڑے گا اور تکلیف اٹھانا پڑے گی تو اس موقعے پر اسے نہی از منکر کرنا چاہئے کیونکہ نہی از منکر سے اسے جو نقصان پہنچے گا وہ اس نقصان کے مقابلے میں ہیچ ہے جو اس مسلمان کو پہنچنے والا ہے۔

اختصار کے خیال سے بات زیادہ بڑھانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

نہی از منکر کی قسمیں

نہی از منکر کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ دل، زبان اور ہاتھ سے منع کرنا اور ان تینوں قسموں کے کئی کئی درجہ ہوتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا واجب ہے یعنی جب تک زیادہ آسان اور سہل درجہ اثر کر سکتا ہو زیادہ سخت درجے کا انکار جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اور تشریح بیان کی جاتی ہے:

۱۔ دل سے انکار۔ ایمان کی ضروری شرط یہ ہے کہ ایک شخص کو ہر بری اور حرام چیز بری لگے اور وہ اس سے نفرت کرے اور ہر معروف اور نیکی کو پسند کرے۔ جس وقت کوئی حرام کام سامنے آئے تو اپنی دلی نفرت ظاہر کرے، اس حرام سے منہ پھیر لے، اس کا ارتکاب کرنے والے سے ناخوش ہو اور بات نہ کرے اور اگر مجبور ہو تو بات کرتے وقت منہ پھیر لے۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں: "رسول خداؐ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ

گناہگاروں سے رکھائی اور بے مروتی سے ملیں۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "خدا نے کسی شہر کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے دو فرشتے بھیجے۔ جب وہ اس شہر میں پہنچے تو انہوں نے ایک عبادت گزار کو عبادت کرتے دیکھا۔ انہوں نے خدا سے عرض کیا: اے پروردگار! تیرا فلاں بندہ تو عبادت میں مشغول ہے ہم اس شہر پر کیسے عذاب نازل کریں؟ آواز آئی: اس شخص کی پرواہ نہ کرو کیونکہ اس نے کبھی ہماری خاطر غصہ نہیں کیا اور گناہگاروں سے کبھی رکھائی اور ترش روئی سے پیش نہیں آیا۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ اپنے کچھ اصحاب کو نہی از منکر ترک کرنے پر ملامت کر رہے تھے، راوی بولا: "ہم تو منع کرتے ہیں لیکن لوگ نہیں مانتے اور برائی سے باز نہیں آتے۔" آپؑ نے فرمایا: "ان کی صحبت سے بچو اور ان کی مجلسوں میں نہ جاؤ۔" (وسائل الشیعہ)

آپؑ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے: "برائی یا حرام کام کرنے والے سے کہہ دو یا ہم سے دور رہو یا برائی چھوڑ دو۔ اگر وہ نہ مانے تو اس سے بچو اور الگ ہو جاؤ۔"

جہاں تک ہو سکے پہلی ہی بار نہی از منکر کرو تاکہ بعد میں بار بار منع نہ کرنا پڑے اور پہلی بار بھی جب تک آسان درجہ حاصل ہے اور واقعی اثر کرتا ہے زیادہ سخت درجے پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً رکھائی کو غصے پر اور غصے کو ترک صحبت یعنی ساتھ چھوڑنے یا الگ ہو جانے پر مقدم رکھنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک آسان طریقے سے کام چل سکتا ہو مشکل اور سخت طریقہ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشخاص کے لئے نہی کا پہلا درجہ جو صرف انکار قلبی ہے دوسرے درجے یعنی انکار زبانی سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مثلاً نرم

گفتگو اور میٹھی باتیں غصے اور ترک صحبت سے آسان ہوتی ہیں اس صورت میں دوسرے درجے کو پہلے رکھنا چاہیے۔

۲۔ زبان سے انکار۔ اس میں بھی پہلے آسان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ شروع میں نرم اور ملائم باتوں اور وعظ و نصیحت پر اکتفا کرنا چاہیے جیسا کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے فرمایا تھا کہ فرعون سے نرمی سے باتیں کرو شاید خبردار ہو جائے یا ڈر جائے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۴)

اگر نرم باتیں اثر نہ کریں تو کڑی باتیں سناؤ اور باتوں کی نرمی اور سختی میں بھی ان کے درجوں کا خیال رکھو۔

۳۔ جب زبان سے منع کرنے پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تو ہاتھ سے انکار کرنا ہوتا ہے چاہے مار پیٹ سے، چاہے سزا وغیرہ سے لیکن جب تک آسان طریقے سے اثر ممکن ہو سخت مار نہیں دینا چاہیے اور اگر معمولی مار سے فائدہ نہ ہو تو سخت مار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا اثر ہو۔

جب یہ یقین ہو کہ جس برا کام کرنے والے کو منع کرنا چاہتا ہے اس نے صاحب شریعت کو سخت ناراض کیا ہے۔ مثلاً شوہر دار عورت سے زنا کر کے اور اغلام سے اور یہ خیال ہو کہ ایسی مار سے جس سے زخم آسکتا ہے اثر ہوگا، یہ برا کام چھوٹ جائے گا اور غیر معمولی نقصان بھی اسے نہیں پہنچے گا (معمولی نقصان قابل تلافی ہوتا ہے) تو اس صورت میں نہی از منکر کے لیے اس کی سخت مار پیٹ بھی واجب ہے۔ جب کسی طرح بھی کوئی اثر نہ ہو تو پھر نہی از منکر کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔

زندوں کے بیچ میں مردہ

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: "بعض مومن دل، زبان اور ہاتھ سے نہی

از منکر کرتے ہیں۔ یہ لوگ تمام اچھے پہلو رکھتے ہیں۔ بعض دل اور زبان سے نہی کرتے ہیں تو ان میں دو اچھی خصلتیں ہوتی ہیں اور تیسری خصلت کی کمی ہوتی ہے۔ کچھ صرف دل سے انکار کرتے ہیں تو ان میں ایک اچھی خصلت ہوتی ہے اور دوسری دو خصلتوں کی جو اس سے افضل ہیں ان میں کمی ہوتی ہے لیکن جس میں تینوں خصلتیں نہیں ہوتیں وہ زندہ انسانوں میں مردے کی طرح ہوتا ہے۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر کے سامنے تمام نیک اعمال اور خدا کی راہ میں کیا جانے والا جہاد ایسے ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک بوند۔ امر بہ معروف اور نہی از منکر سے کسی کی موت قریب نہیں آجاتی اور نہ کسی کا رزق کم ہو جاتا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

تولاّ اور تبرّا

واجب کاموں میں خدا کی دوستی اور ان لوگوں کی دوستی شامل ہے جن کی دوستی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں سر فہرست چودہ معصوم ہیں ان سے اتر کر ان کے شیعہ اور محب دار، ان کی پاک اولاد اور ان سے منسوب ہونے کے باعث سادات کی بزرگ نسل۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی محبت اور دوستی کو پیغمبرؐ کی رسالت کا معاوضہ بتایا گیا ہے۔

تبرا اور برأت کا مطلب خدا کے تمام دشمنوں اور خدا کے دوستوں کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا ہے جن میں سب سے بڑھ کر آل محمدؐ کا حق مارنے والے اور ان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ غرض اس کا مطلب ہر اس شخص کو دشمن سمجھنا ہے جس سے خدا اور رسولؐ بیزار ہیں۔

اس سے گناہ اور گناہگاروں کو دشمن سمجھنا بھی مراد ہے۔ چنانچہ عبادت اور عبادت گزاروں کو دوست رکھنا تولا میں داخل ہے۔ ان دونوں فرائض الٰہی کی عظمت

اور اہمیت کے بارے میں جن کا شمار ارکان دین میں ہوتا ہے۔ بہت سی قرآنی آیتیں (سورۃ برأت آیت ۲۴) اور متواتر روایتیں ملتی ہیں اور چونکہ یہ مذہب کی ضرورتیں ہیں اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے صرف برکت کی خاطر چند حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ولایت اور ان میں سے کسی کو ولایت کی طرح لازم نہیں کیا گیا اور نہ ان کی طرح کسی کا حکم دیا گیا۔" (کافی)

ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں: "دین کی بنیاد میں اہلبیتؑ کے دوستوں کی دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی اور اہلبیتؑ کی پیروی اور اطاعت و تقلید بھی شامل ہے۔" (کافی)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ ایمان کے سب سے مضبوط رشتے (جو اس کے مالک کو نجات دلاتے اور ابدی نیکی و سعادت مہیا کرتے ہیں) کون سے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔" بعضوں نے کہا: "نماز۔" کچھ نے کہا: "روزہ۔" بعض نے کہا: "زکوٰۃ۔" چند اصحاب نے کہا: "حج اور عمرہ۔" اور کچھ نے بتایا: "جہاد۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم نے جو کچھ بتایا ان میں فضیلت تو ہے لیکن یہ سب سے مضبوط وسیلے نہیں ہیں بلکہ مضبوط ترین رشتہ ایمانی خدا کی خاطر دوستی اور دشمنی کرنا، خدا کے دوستوں سے دوستی کرنا اور خدا کے دشمنوں سے دوری اختیار کرنا ہے۔" (کافی)

حضرت امام رضاؑ اپنے خط میں اسلامی قوانین کے سلسلے میں لکھتے ہیں: "ان لوگوں سے دوری اور علیحدگی جنہوں نے آل محمدؐ پر ظلم کئے ہیں، ناکثین، قاسطین اور

مارقین (جنگ جمل میں علی سے لڑنے والے لوگوں، صفین میں معاویہ ملعون کی طرف سے لڑنے والوں اور نہروان کے خارجیوں) سے بیزاری اور ان لوگوں سے بیزاری واجب ہے جنھوں نے امیر المؤمنینؑ کی ولایت سے انکار کیا اور ان کے اول اور آخر میں آنے والوں سے بھی۔

علیؑ اور ان کے پیروی کرنے والوں مثلاً سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، ابو الہیثمؓ، سہل بن حنیفؓ، عبادہ بن الصامتؓ، ابو ایوب انصاریؓ، خزیمہ بن ثابتؓ، ابو سعید خدریؓ وغیرہ کی دوستی اور ان لوگوں کی دوستی واجب ہے جو ان کی طرح کے تھے۔" (عیون اخبار الرضا صفحہ ۲۶۸)

حضرت باقرؑ فرماتے ہیں: "خدا کی قسم اگر پتھر بھی ہمیں دوست رکھے گا تو خدا اسے بھی ہمارے ساتھ ہی محشور کرے گا اور کیا دین کی حقیقت دوستی اور دشمنی کے علاوہ بھی کچھ اور ہو سکتی ہے؟" (بحار)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی اپنے ایمان کے ساتھ خدا کی زیارت کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ خدا، رسول اور مؤمنوں سے (جن کے سردار امام معصومین علیہم السلام ہیں) محبت کرے اور ان کے دشمنوں سے دوری چاہے۔" (روضہ کافی)

اہلبیتؑ کے حق سے انکار

کتاب وسائل کے باب تعیین کبائر میں ایک حدیث کے سلسلے میں جس میں حضرت امام صادقؑ نے گناہان کبیرہ گنائے ہیں لکھا ہے: وانکار حقنا یعنی اہلبیتؑ کے حق سے انکار کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ فرماتے ہیں: "وانکار ما انزل اللّٰہ." یعنی خدا نے جو بات قرآن مجید میں نازل فرمائی ہے اس سے

انکار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اہلبیتؑ کے حق سے انکار کا مطلب وہی ولایت ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح ماانزل اللہ کے انکار سے آل محمدؐ کے حقوق اور ان کی ولایت مراد ہے۔

غرض ان تینوں عبارتوں سے جو تین حدیثوں میں آئی ہیں وہی ولایت مراد ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حق اہلبیتؑ سے مراد وِلایت اور وَلایت (واو کے زیر اور زبر کے ساتھ) ہے۔ یعنی ان کی ولایت اور حکومت کا حق اور انہیں اولوالامر سمجھنا۔ چنانچہ مذہب امامیہ کے نزدیک ان کا اقرار مذہب کا اصول ہے اور اس سے انکار کرنے والا ایمان سے بالکل خارج ہے۔

ان کی وَلایت (واو کے زبر سے) کا حق یعنی ان کی محبت اور تائید و حمایت جس کا تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے دین اسلام کی ضرورت ہے اس لئے فرض ہے اور اس سے انکار کرنے والا ناصبی، دین اسلام سے بالکل خارج اور ہر نجس شے سے زیادہ نجس ہے۔

رہا ما انزل اللہ کا انکار تو ظاہر ہے کہ اس سے وہ تمام باتیں جو خدا نے نازل فرمائی ہیں مختلف موضوعات کی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ جو کچھ خدا نے (یقینی طور پر) نازل فرمایا ہے ان میں سے ایک چیز سے بھی انکار کرنا گناہ کبیرہ اور کچھ موقعوں پر کفر کا سبب ہے اور چونکہ سب سے اہم چیز جو خدا نے سخت تاکید کے ساتھ نازل فرمائی ہے وہ ولایت کا موضوع ہے اس لئے اس سے انکار شدید قسم کا گناہ کبیرہ ہے بلکہ اس گناہ کبیرہ کی بعض قسم (مثلاً اہلبیتؑ کی دشمنی) بالکل کفر کا سبب ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

رہی اولیائے خدا سے لڑائی جو قطعی ظاہر ہے کہ خدا کے دوست ہیں یعنی جو شخص خدا کے کسی دوست سے دشمنی کرے گا وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور چونکہ آلِ محمدؐ خدا کے تمام دوستوں کے سردار ہیں اس لئے ان سے دشمنی اور لڑائی کفر کی سب سے شدید قسم ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن منادی آواز دے گا وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے ہمارے دوستوں کی مخالفت اور مزاحمت کی تھی۔" اس پر کچھ ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے چہروں پر گوشت نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مؤمنوں کو ستایا ان کی مخالفت کی۔ ان سے دشمنی برتی اور ان کے دین کو نقصان پہنچایا۔ اس پر حکم ہوگا کہ انھیں دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ (کافی)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ معراج کی رات میں خدا نے مجھ پر ایک یہ وحی بھی نازل فرمائی تھی کہ جو کوئی میرے کسی دوست کو ذلیل و پریشان کرتا ہے اس نے بلاشبہ مجھ پر لڑائی میں گھات لگائی ہے اور جو کوئی مجھ سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا۔ میں نے کہا: "اے پروردگار! یہ تیرا دوست کون ہے؟ یہ تو میں نے سمجھ لیا کہ جو کوئی تجھ سے لڑے گا۔" خدا نے فرمایا: "یہ وہ شخص ہے جس سے میں نے تیری، تیرے وصی (علی علیہ السلام) کی دوستی اور پیروی اور تیری اور تیرے وصی کی اولاد اور نسل (یعنی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام) کی دوستی اور پیروی کا عہد لیا ہے۔" (کافی)

۱۴ گناہ پر اصرار

چالیسواں گناہ کبیرہ گناہوں پر اصرار ہے یعنی باربار گناہ کرنا ہے۔ اعمش حضرت امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں: **والاصرار علی صغائر الذنوب** اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح حضرت امام رضاؑ سے صدوق نے نقل کی ہے کہ آپ **والاصرار علی الذنوب** کو گناہ کبیرہ میں شمار فرماتے ہیں اور ایسے ہی حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ جس گناہ صغیرہ پر اصرار ہو وہ صغیرہ نہیں کبیرہ ہے جس طرح وہ گناہ کبیرہ جس پر شرمندگی ہو اور جس کے ترک کرنے کا ارادہ کرلیا جائے پھر کبیرہ نہیں رہتا یعنی اس کی سزا باقی نہیں رہتی۔ (کافی)

یہ حدیث صاف صاف دلالت کرتی ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے تھے: "خدا کی قسم جب تک بندہ اپنے گناہ پر اصرار کرتا رہے گا خدا اس کی کوئی عبادت اور اطاعت قبول نہیں کرے گا۔" (کافی)

یہ حدیث بھی اس بات پر کھلی دلالت کرتی ہے کہ اصرار سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے کیونکہ جب گناہ، صغیرہ کبیرہ گناہوں کے ترک کر دینے اور فرائض کی انجام دہی سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور بخش دیا جاتا ہے عبادتوں اور اطاعتوں کے قبول ہونے میں کس طرح رکاوٹ بن سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گناہ پر اصرار کرنا گناہ کبیرہ ہے جس کی وجہ سے دوسری تمام عبادتیں ناقابل قبول رہتی ہیں۔

کافی میں رسول خداؐ کی ایک اور حدیث ہے کہ سنگدلی کی ایک نشانی گناہ پر

اصرار کرنا ہے۔

اس شرط سے گناہ کی معافی کہ اس پر اصرار نہ ہو

گناہ پر اصرار کے کبیرہ ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ خدا نے گناہ کے ترک کر دینے کو گناہوں کی بخشش اور بہشت میں پہنچنے کی شرط قرار دیا ہے۔ وہ آل عمران کی سورت میں فرماتا ہے: "وہ لوگ جب کوئی برا کام (گناہ کبیرہ) کرتے ہیں یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں (یعنی گناہ صغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخشنے والا کون ہو سکتا ہے اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ جب یہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے تو ان کا انعام خدا کی بخشش اور بہشتوں میں دائمی قیام ہو گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور عمل کرنے والوں کا انعام کتنا اچھا ہے۔" (آیت ۱۳۵)

تفسیر المیزان میں لکھا ہے: فاحشہ کے معنی برا فعل ہیں اور اس کا استعمال زنا کے لئے ہوتا ہے اس لئے اگر اس آیت میں اس سے مراد خصوصیت سے زنا ہے تو لامحالہ لفظ ظلم سے خاص گناہ صغیرہ مراد ہو گا اور جملہ ذکروا اللّٰہ سے جو اس آیت میں موجود ہے یہ مطلب نکلے گا کہ توبہ اور استغفار کی بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان خدا کو یاد کرے اور دل کی گہرائی سے اس سے لو لگائے ورنہ صرف زبان ہلا کر عادت یا کسی اور وجہ سے جو کچھ بھی کہا جائے گا کوئی فائدہ نہیں دے گا اور جملہ "ولم یصروا علی مافعلوا" نے توبہ و استغفار کو گناہ پر اصرار نہ کرنے سے مشروط کر دیا ہے کیونکہ گناہ پر اصرار اور اسے بار بار دہرانا انسان کی روح میں ایک ایسی کیفیت اور حالت پیدا کر دیتا ہے جس کی موجودگی میں پھر خدا کی یاد بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی اور اس حالت سے مراد ہے خدا کے حکم کو حقیر سمجھنا، اس کی توہین کی اہمیت نہ جاننا اور اپنے آپ کو اس

کی مقدس بارگاہ میں بڑا سمجھنا اور ظاہر ہے کہ انسان میں ایسی حالت پیدا ہو جانے سے پھر بندگی کی روح باقی نہیں رہتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا کی یاد کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جان لینا چاہئے کہ یہ واقعہ اس صورت میں پیش آتا ہے جب گناہ پر جان بوجھ کر اصرار کیا جائے اسی لئے فرمایا ہے: "وھم یعلمون."

سب سے بڑا گناہ کبیرہ

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "گناہ پر اصرار کرنے سے ڈرو اور بچو کیونکہ اصرار سب سے بڑا گناہ کبیرہ اور سب سے بڑا جرم ہے۔" (کتاب الغرر للآمدی) اور خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا اس پر اصرار کرتا ہو۔ (کتاب الغرر للآمدی) اسی طرح فرماتے ہیں: "الاصرار اعظم حوبة" گناہوں پر اصرار سب سے بڑا گناہ ہے۔

محقق خوانساری امیر المؤمنینؑ کے اس جملے کی تشریح اور ترجمہ یوں فرماتے ہیں: گناہ پر اصرار گناہ کے لحاظ سے زیادہ بڑا ہوتا ہے یعنی اصرار دوسرے گناہوں سے بڑا ہوتا ہے اسی لئے حوبہ کو زیر سے پڑھا جائے اور ممکن ہے کہ حوبہ کو زبر سے پڑھا جائے تو مطلب یہ نکلے گا کہ اصرار زیادہ بڑا گناہ ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ اصرار گناہ صغیرہ پر ہی کیوں نہ ہو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اصرار کا گناہ باقی تمام کبیرہ گناہوں سے بھی زیادہ بڑا ہوتا ہے اور اس کی تائید حضرت امام صادق علیہ السلام کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم کسی شخص کے گناہوں پر اصرار کی وجہ سے خدا اس کی کوئی عبادت اور اطاعت قبول نہیں کرے گا۔

گناہ پر اصرار کیا ہوتا ہے؟

تمام فقہاء کا اس بات پر تو اتفاق بلکہ اجماع ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار گناہ

کبیرہ ہو جاتا ہے لیکن اصرار کے معنی میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق ان کے کئی قول ہیں۔ ان میں تسلیم شدہ بات جو بالاتفاق اصرار اور کبیرہ ہے یہ ہے کہ ایک شخص جس گناہ صغیرہ کے ارتکاب کے بعد پشیمان نہیں ہوتا بلکہ پھر اس کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے برابر جاری رکھتا ہے۔ مثلاً ریشمی لباس پہننا یا انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہننا جو مردوں کے لئے حرام ہے اگرچہ اس کا گناہ کبیرہ ہونا ثابت نہیں ہوا ہے لیکن اس صورت میں جب وہ اس لباس اور انگوٹھی کا پہننا ترک نہیں کرتا بلکہ اس کا پہننا برابر جاری رکھتا ہے وہ بالکل گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ مثلاً ایک شخص کسی نامحرم کو تاکتا یا دوسروں کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جاری رکھتا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنی ہر نظر پر شرمندہ ہو اور استغفار کرے تو ایسے اصرار اور مداومت کو فقیہوں نے بالاتفاق گناہ کبیرہ کہا ہے۔

جب کئی قسم کے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو اور نہ انہیں کرتے ہوئے شرمندہ ہو نہ استغفار کرے۔ مثلاً ریشمی لباس پہنے، سونے کی انگوٹھی انگلی میں ڈالے، نامحرم پر نظر کرے اور اس سے مصافحہ کرے اور جسم سے جسم بھڑائے تو شہید علیہ الرحمہ نے کتاب قواعد میں اور کچھ دوسرے فقیہوں نے فرمایا ہے کہ یہ بھی صغیرہ پر اصرار اور کبیرہ میں شمار ہے یعنی ان کے نزدیک لغت یا عام رواج کے مطابق کسی طرح بھی ایک ہی قسم کے گناہ صغیرہ پر اصرار اور کئی قسم کے گناہان صغیرہ کے ارتکاب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کچھ فقیہوں نے فرمایا ہے کہ کئے ہوئے گناہ سے توبہ نہ کرنا بھی اصرار گناہ ہے چاہے وہ گناہ پھر نہ کرے اور چاہے پھر وہ گناہ کرنے کی نیت بھی نہ رکھتا ہو لیکن تحقیق کی نظر سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں آخری صورتوں میں

لغت یا عرف عام کے لحاظ سے اصرار کا اطلاق مشکل ہے بلکہ لفظ اصرار کے عرفی معنی کے خلاف ہے۔

ان آخری دو صورتوں کا ماخذ دو روایتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک جابرؓ کی حضرت باقر علیہ السلام سے روایت جو پچھلی آیت کے جملے "ولم یصروا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اصرار یہ ہے کہ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور اس سے استغفار نہیں کرتا اور اس کے ترک کرنے کی نیت بھی نہیں رکھتا۔" پس ممکن ہے کہ امام کا مقصد اس اصرار کا مطلب بیان کرنا ہو جو اس آیت میں آیا ہے نہ کہ وہ اصرار جو گناہ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے۔

دوسری روایت حضرت امام باقر علیہ السلام سے ابن ابی عمیر نے کی ہے اور اس کا وہ ٹکڑا جو یہاں دلیل بنتا ہے یہ ہے کہ "ہر مؤمن کو اس کے کیے ہوئے گناہ کبیرہ کی سزا ملے گی بجز اس صورت کے جبکہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہوگا اور جیسے ہی وہ شرمندہ ہوا اور اس نے توبہ کی وہ شفاعت کا مستحق ہے اور جو اپنے گناہ پر شرمندہ نہ ہو وہ اصرار کرنے والا ہے اور اصرار کرنے والا بخشے جانے کے لائق نہیں ہوتا کیونکہ وہ دراصل اس بات پر ایمان نہیں رکھتا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر اسے خدا کے وعدوں کا یقین ہوتا تو وہ ضرور پشیمان ہوتا۔ (وسائل الشیعہ کتاب جہاد)

اس حدیث میں بھی جابرؓ کی حدیث کی طرح حضرت نے شرمندہ نہ ہونے اور کیے ہوئے گناہ سے توبہ اور استغفار نہ کرنے کو اصرار سمجھا ہے چاہے وہ پھر گناہ نہ کرے بلکہ پھر گناہ کرنے کی نیت بھی نہ رکھتا ہو۔

لیکن جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے اول تو امام کے کلام کا موضوع گناہ کبیرہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کرنا اصرار ہو۔ لیکن گناہ صغیرہ میں

اس گناہ کی عملی تکرار ہی اصرار ہوتا ہے۔ دوسرے امام کا کلام ایسے موضوع سے متعلق ہے جہاں توبہ نہ کرنا خدا کے وعدوں سے بے پروائی اور قہر خدا سے امان کے باعث ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ترک توبہ خود مکر خدا سے بے خوفی ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس شرمندہ نہ ہونے اور توبہ نہ کرنے کو مجازاً اصرار کہتے ہوں۔ چنانچہ حضرت امام باقرؑ سے یہ قول منسوب ہے: "گناہ پر اصرار مکر خدا سے بے خوفی ہے، اور مکر خدا سے صرف گھاٹا پانے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔" (تحف العقول)

مختصر یہ ہے کہ اصرار کے تسلیم شدہ معنی گناہ کی عملی تکرار ہے اس گناہ کے بعد شرمندہ ہوئے اور توبہ کئے بغیر اس طرح کہ عرف عام میں یہ کہا جائے کہ اس نے گناہ جاری رکھا یا گناہ میں اضافہ کیا۔

(۱) گناہ کو چھوٹا سمجھنا

کچھ عالموں نے کہا ہے کہ ہر صغیرہ گناہ اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور اس کی چند ایسی صورتیں ہیں جو گناہ صغیرہ پر صادق آتی اور اسے گناہ کبیرہ میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ مثلاً گناہ کا چھوٹا سمجھنا یعنی جب کسی سے کوئی صغیرہ گناہ سرزد ہو اور وہ اسے چھوٹا اور حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو خدا کی سزا کا مستحق نہ جانے تو اس کا گناہ کبیرہ اور وہ قہر خدا کا سزاوار بن جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس نے خدا کی ممانعت کو حقیر جانا اور بندگی کے دائرے سے باہر نکل گیا اور روایات کی صراحت کے مطابق ایسا گناہ بخشے جانے کے قابل نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام کبیرہ گناہوں سے دوری اختیار کرنے کے بعد بھی گناہان صغیرہ پر اصرار کرنا ہو یا معرفتِ خدا کے فضل اور

رحمت پر منحصر ہے ورنہ خدا کی ہر ممانعت کے لئے چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ عقل کی رو سے سزا کا مستحق ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ فضل خدا صرف اسی شخص پر ہوتا ہے جو اس کی بندگی کے راستے سے نہیں ہٹتا اور جو کوئی تکبر اور نخرے کرنے والا ہے اور اپنی بے مائگی اور خدا کی عظمت نہیں پہچانتا اور اسی وجہ سے اپنے گناہ کو حقیر گردانتا ہے اس پر خدا کا فضل نہیں ہوگا بلکہ ایسا شخص انتقام اور ذلت کا مستحق ہوگا۔

غرض خداوند عالم اپنے فضل سے اس شخص کے گناہ صغیرہ کو (کبیرہ ترک کرنے کے بعد) بخش دے گا جو اپنے گناہ کو چھوٹا اور حقیر نہیں سمجھتا۔ حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں سب سے سخت گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا اسے حقیر سمجھے۔ (وسائل الشیعہ)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "بخشے نہ جانے والے گناہوں میں ایک شخص کا یہ کہنا بھی شامل ہے کہ اس گناہ کے علاوہ جو میں نے کیا ہے، کاش میرا اور کسی کے بارے میں اور کوئی مواخذہ نہ ہوتا۔ (وسائل الشیعہ) یعنی یہ گناہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔" آنحضرتؐ کا یہ قول بھی ہے: "ان گناہوں سے ڈرتے رہو جنہیں چھوٹا اور حقیر سمجھا گیا ہے۔ یقیناً خدا کی طرف سے انہیں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور یہ گناہ اس شخص پر جمع کردیے جائیں گے یہاں تک کہ وہ اسے ہلاک کردیں گے۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا ہے: "ان گناہوں سے ڈرو اور بچو جنہیں چھوٹا اور حقیر سمجھا گیا ہے۔" راوی نے پوچھا: "حقیر گناہ کونسے ہیں؟" امامؑ نے فرمایا: "ایک شخص گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے اگر اس گناہ کے سوا میرا اور کوئی گناہ نہ ہوتا تو میں کتنا خوش قسمت ہوتا۔ یہ گناہ تو چھوٹا اور ناچیز ہے۔" (کافی باب استغفار الذنب)

(۲) گناہ پر خوشی

گناہ صغیرہ کو جو باتیں گناہ کبیرہ بنا دیتی ہیں ان میں کئے ہوئے گناہ پر خوشی و مسرت کا محسوس کرنا بھی ہے کیونکہ خدا اور قیامت پر ایمان لانے کا لازمہ کئے ہوئے گناہ پر غمگین اور شرمندہ ہونا ہے چاہے وہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جس شخص کو اس کے نیک اعمال خوش کرتے اور برے اعمال غمگین بنا دیتے ہیں وہ مؤمن ہے۔" (وسائل الشیعہ)

جس طرح خدا بڑا ہے اسی طرح اسکے امر اور نہی کی مخالفت بھی بڑی ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ سے روایت ہے: "گناہ کرتے وقت اس گناہ کی طرف مت دیکھ جو تیری نظر میں چھوٹا ہے بلکہ خدا کی عظمت اور بڑائی پر دھیان دے جس کی تو مخالفت کر رہا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد)

جس طرح گناہ پر شرمندگی اور افسوس اسے ختم اور اس کے کرنے والے کو پاک کر دیتے ہیں اسی طرح گناہ پر خوشی و مسرت اسے بڑا بناتی اور مضبوط و مستحکم کر دیتی ہے اور در حقیقت گناہ پر خوشی مکر الٰہی سے بے خوفی ہے جس کے گناہ کی بڑائی بیان کی جا چکی ہے۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو شخص گناہ کرتے میں خوش ہوتا اور ہنستا ہے وہ روتا ہوا جہنم میں جائے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد)

اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے: "گناہ کی چار باتیں خود اس گناہ سے بدتر ہیں، (۱) گناہ کو چھوٹا سمجھنا، (۲) اس پر فخر کرنا، (۳) اس پر خوش ہونا اور (۴) اس پر اصرار کرنا۔" (مستدرک)

(۳) گناہ کا ظاہر کرنا

اپنا گناہ دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور بیان کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کا اظہار خدا کی محترم چیزوں کی توہین بھی ہے۔

حضرت رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی نیک کام کرتا ہے اور اسے غیر خدا سے چھپاتا ہے تو وہ نیکی (اس نیکی کے مقابلے میں جو ظاہر ہوتی ہے) ستر گنی ہو جاتی ہے اور جو کوئی گناہ کرتا ہے اگر اس نے اسے (بے غیرتی اور بے پروائی سے) ظاہر کر دیا تو اس پر خدا کی تباہی واقع ہو گی (یعنی توبہ کی توفیق نہیں ہو گی تو خدا کی مہربانی کی نظر سے گر جائے گا) اور اگر اس نے اسے چھپائے رکھا تو بخش دیا جائیگا۔" (کافی)

جاننا چاہیے کہ دو صورتوں میں گناہ ظاہر کر دینے سے نقصان نہیں ہوتا۔ ایک اس جگہ جہاں عقل تقاضا کرے۔ مثلاً طبیب کے سامنے اس کا اظہار، اگر علاج کے لئے اس کا اظہار ضروری ہو یا جہاں کسی عالم کے سامنے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے ضرورت کا تقاضا ہو، دوسرے گناہگاری کا خصوصی نہیں عمومی اظہار۔ اس سے بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ظاہر کرتے وقت عجز اور انکسار بہت عمدہ چیز ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں خدا کی بارگاہ میں گناہگار ہوں، روسیاہ ہوں، مجھ سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوئے ہیں بلکہ خدا کے سامنے گناہگاری کا اقرار بہترین مناجات اور عبادت ہے اور توبہ کے قبول ہونے، دل کی نورانیت بڑھانے اور درجہ بلند کرنے میں بڑے اثرات رکھتا ہے۔

غرض گناہ کا عمومی اعتراف اور قصور کا اقرار غرور کی ضد ہے اور دین کے بزرگوں کا پسندیدہ طریقہ رہا ہے یہاں تک کہ خطوں اور کتابوں میں لوگ اپنے لئے عاصی، مذنب (گناہگار)، اقل (سب سے کم یعنی کمتر ہونے)، احقر العباد (سب سے

چھوٹا بندہ) وغیرہ کے لقب لکھا کرتے تھے۔

(۴) انسان کی سماجی حیثیت اور گناہ

جب کوئی شخص سماج میں اس طرح ممتاز ہو کہ اس کے کردار اور گفتار کا لوگوں کے حالات پر اثر پڑ سکتا ہو مثلاً اہل علم اور پاکیزگی اور تقویٰ میں مشہور لوگوں سے جو دنیا والوں کی روحانی پیشوائی کے لائق ہوتے ہیں جب کوئی گناہ صغیرہ بھی سرزد ہوتا ہے تو اس سے لوگوں میں گناہ کبیرہ کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ کبھی کبھی تو اس بات سے ان کا ایمان اور عقیدہ بھی ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔ تو اس شخص کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا گناہ صغیرہ بھی منکر کا حکم ہے یعنی برائی کرنے کا تقاضا ہے۔ یعنی عملی طور سے اور عقل اور شرع کی رو سے بھی اسکا علم اور عقل اس کے گناہ کی اہمیت بڑھا دیتے ہیں اور اسکے صغیرہ کو کبیرہ کے زمرے میں لے آتے ہیں۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جاہل کے ستر گناہ بخش دیے جائیں گے اس سے پہلے کہ عالم کا ایک گناہ بخشا جائے۔" (کافی)

زلة العالم تفسد العوالم

محقق خوانساری امیر المؤمنینؑ کے اس جملے کی تشریح اور ترجمے میں فرماتے ہیں کہ عالم کی غلطی کئی دنیاؤں کو خراب کر دیتی ہے۔ عالم کی غلطی سے وہ گناہ مراد ہے جو وہ کرتا ہے یا وہ غلطی اور خطا ہے جو اس سے شرعی حکم میں واقع ہوتی ہے اور ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک سے کئی دنیاؤں کو بگاڑ ڈالنا اس اعتبار سے ہے کہ جب عالم علم اور عقل کے باوجود گناہ کرتا ہے، تو اس کی برائی اکثر لوگوں کی نظر سے دور ہو جاتی ہے اور وہ اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور اسے معمولی شمار کرتے ہیں اور جو خطا اور غلطی وہ کسی حکم شرع میں کرتا ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حکم بہت سے

لوگوں میں مدتوں تک جاری رہے اور ان کے بہت سے کاموں کی بنیاد اسی پر رکھی رہے اس لئے لازم ہے کہ عالم گناہ سے پرہیز کرنے اور اپنے آپ کو خطا اور غلطی سے بچانے میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط سے کام لے۔ (الغرر والدرر للآمدی)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا ہے: "عالم کی غلطی کشتی کے ٹوٹ جانے کی طرح ہوتی ہے جو خود ڈوب جاتی ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی ڈبو دیتی ہے۔"

سچ مچ کے گناہ کبیرہ میں شمار ہے

یہ جو کہا گیا ہے کہ گناہ صغیرہ استحقار (حقیر سمجھنا، لاپرواہی برتنا)، استصغار (چھوٹا سمجھنا)، گناہ سے خوشی، اصرار اور علم (یعنی یہ معلوم ہو کہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے) میں سے کسی ایک عنوان کے ساتھ کبیرہ ہو جاتا ہے اس سے بظاہر حقیقی کبیرہ اور شدید سزا کا مستحق ہونا مراد ہے۔ یعنی گناہ صغیرہ ان میں سے کسی ایک عنوان کے ساتھ گناہ کبیرہ کی مانند عذاب کا مستحق بن جاتا ہے لیکن گناہ صغیرہ کا ان میں سے کسی ایک عنوان کے ساتھ اس طرح اصطلاحی کبیرہ ہونے کا علم نہیں ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا فاسق اور غیر عادل ہو جائے بلکہ اس کے برعکس ظاہر ہے اور گناہ صغیرہ کے اصطلاحی کبیرہ ہونے کی مسلمہ خصوصیت اس پر اصرار ہے۔

اصرار کا تعین عمومی اور روایتی ہے

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اصرار یہ ہے کہ کسی مقررہ گناہ کو دوبارہ کیا جائے لیکن ہر بار گناہ کے بعد نہ پشیمان ہو نہ توبہ کرے یا پھر مجموعی طور پر بہت سے گناہ سرزد ہوں چاہے وہ مختلف نوعیت کے ہوں۔

لیکن گناہ کی تکرار یا ان کی کثرت کی تعداد کتنی ہو اس کا تعین عمومی اور روایتی ہوتا ہے۔ اس کے لئے کوئی مقررہ پیمانہ نہیں ہے کیونکہ گناہان صغیرہ اپنے

باہمی اختلاف اور گناہان کبیرہ کے قریب اور دور ہونے کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض تین بار میں کبیرہ ہو جاتے ہیں بعض اس سے زیادہ مرتبہ میں، کچھ کم مرتبہ میں۔ بہر حال اس بات کا تعین عمومی اور روایتی لحاظ سے ہوتا ہے۔

قابل توجہ

جن گناہوں کا ذکر چالیس عنوانات کے تحت کیا گیا ہے وہ ایسے گناہ ہیں جن کے کبیرہ ہونے کی صراحت معتبر آیتوں اور حدیثوں میں کی گئی ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ کتاب وسائل الشیعہ کے باب تعیین الکبائر میں کتاب جہاد سے دو مرسل روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں سے ایک میں ان گناہان کبیرہ کے تحت جن کا کسی نص میں حوالہ نہیں ہے اخلال البیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں الحیف فی الوصیہ کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ نص میں بیان ہونے والے گناہوں میں سے کوئی بات چھوٹنے نہ پائے۔

الجنف فی الوصیة

وصیت میں جنف کے معنی ہیں تمام وارثوں یا ان میں سے بعض پر اس طرح ظلم و ستم کرنا کہ انہیں وراثت سے محروم کردیا جائے۔ تفسیر قمی میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۲ کی تشریح کے سلسلے میں حضرت امام صادقؑ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جنف یہ ہے کہ بعض وارثوں کو نوازے اور بعض وارثوں کو محروم رکھے اور اثم یہ ہے کہ آتش کدوں کو آباد کرنے اور مغنیات تیار کرنے کا حکم دے۔ (مختصر بات یہ ہے کہ اس کے مال کو حرام کام میں خرچ کرنے کی وصیت کرے) ہر صورت میں یہ وصی پر ہے کہ وہ ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہ کرے۔

مفلس وارث کا لحاظ کرنا ضروری ہے

اگر وارث مالدار ہو تو وصیت کرنے والا اپنے تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے اور اس سے زیادہ کی وصیت وارث کی اجازت پر موقوف ہے اور جو بعض وارث مفلس یا زیادہ نیک اور متقی ہوں تو وصیت کرنے والا اپنے تہائی مال میں سے کچھ مال کی ان کے لئے وصیت کر سکتا ہے کہ ان کے ورثے کے حق سے زیادہ انہیں دیا جائے۔

اگر وارث مفلس ہو تو بہتر یہ ہے کہ وصیت نہ کرے یا چھٹے یا پانچویں حصے سے زیادہ کی وصیت نہ کرے کیونکہ مفلس وارث کی ضرورت پوری ہو جانا خود ایک اچھا مصرف ہے کیونکہ یہ صلہ رحم ہے خاص طور پر اگر نابالغ ہو۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "میرے نزدیک ترکے کے پانچویں حصے کی وصیت کرنا اس سے بہتر ہے کہ میں چوتھائی حصے کی وصیت کروں اور چوتھائی کی وصیت تہائی کی وصیت سے بہتر ہے اور جس شخص نے اپنے ترکے کے تہائی حصے کی وصیت کی اس نے گویا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔" (بحار جلد ۲۳ صفحہ ۴۶) یعنی جتنے کی وصیت کر سکتا تھا اور جس سے ورثہ کو محروم رکھ سکتا تھا وہ کر بیٹھا۔

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے کچھ مقدار اپنے ان رشتے داروں کو دینے کی وصیت کرے جو اس کے وارث نہیں ہیں تو یہ مستحب ہے اور جو ایسی وصیت نہیں کرتا تو مرتے وقت اس کا عمل اللہ کی نافرمانی پر ختم ہوگا۔" (بحار جلد ۲۳، منقول از فقہ الرضاؑ) یعنی وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا اور گناہگار ہوگا اور شاید اس کے گناہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صلہ رحم کا خیال نہیں رکھا جو اللہ کے اہم واجبات میں داخل ہے اور اس صورت میں جب کہ ایسی وصیت ترک کرنا لوگوں کے لئے قطع رحم ہو۔ مثلاً جبکہ کوئی دولت مند شخص غیر وارث مفلس

رشتے دار رکھتا ہو (اور ان کے لئے وصیت نہ کرے) تو یہ فعل بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔

وارث دوسروں پر مقدم ہے

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ اس کے کئی چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور مال دنیا میں سے اس کے پاس صرف چھ غلام تھے۔ مرتے وقت اس نے سب کو آزاد کر دیا۔ جب اس کا معاملہ حضرت رسول خداؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "اس کے ساتھ کیا کیا گیا۔"

لوگوں نے کہا: "ہم نے اسے دفن کر دیا۔"

آپؐ نے فرمایا: "اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اسے مسلمانوں کے قریب دفن ہونے دیتا کیونکہ وہ اپنے بچوں کو بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ گیا۔" (وافی)

قاعدے کے مطابق ترکے کی تقسیم

غرض یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس کے وصی پر لازم ہے کہ وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت پر عمل نہ کرے جب تک کہ وارث اس کی اجازت نہ دے۔

اس کے علاوہ حرام کاموں میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور وصی پر واجب ہے کہ اگر مرنے والے نے وصیت بھی کی ہے تو اسے نظر انداز کر دے اور نیک کاموں میں خرچ کرے۔

اس کے علاوہ بعض وارثوں کو ورثے سے محروم کر دینا بھی جائز نہیں ہے اور وصی پر واجب ہے کہ ان کا جو حصہ خدا نے مقرر کر دیا ہے وہ ان کو دے۔(۱)

۱۔ مزید معلومات کے لئے عملی رسالے اور فقہ کی کتابیں دیکھیے۔

اگر ایسے مالدار شخص کے جس کے پہلے درجے کے وارث (مثلاً اولاد اور والدین) موجود ہوں دوسرے طبقے کے (مثلاً بھائی اور بہن) یا تیسرے درجے کے رشتے دار (مثلاً چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں) مفلس ہوں تو اسے وصیت کرنا چاہئے کہ اس کے ترکے میں سے کچھ ان مفلس رشتے داروں کو بھی دے دیا جائے اور اگر وہ ایسی وصیت نہ کرے اور عام اصطلاح میں قطع رحم کرے تو سمجھے کہ وہ گناہگار مرا ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے۔ حضرت امام صادقؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ حسن افطس کو جو آپ کے چچا کا بیٹا تھا آپ کے مال میں سے ستر اشرفیاں دی جائیں۔ ایک شخص نے کہا: "اے آقا! آپ ایسے شخص کو بخشش کررہے ہیں جس نے آپ پر حملہ کیا اور جو آپ کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔" امام نے فرمایا: "تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان لوگوں میں شمار نہ کیا جاؤں جن کی خدا نے صلہ رحم کے باعث تعریف کی ہے اور ان کی صفت میں فرمایا ہے: "والذین یصلون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب" اور پوری حدیث قطع رحم کی بحث میں نقل کی گئی ہے۔

دوسرا باب: غیر واضح کبیرہ گناہ

پہلی فصل

جیسا کہ کتاب کی ابتدا میں بیان کیا گیا گناہوں کا کبیرہ ہونا چار میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت ہوتا ہے۔ اول اس کے کبیرہ ہونے کی کسی معتبر نص میں صراحت کی گئی ہو۔ دوسرے قرآن مجید یا کسی معتبر روایت میں اس کے لئے جہنم اور عذاب کا صاف صاف یا ضمنی طور پر وعدہ کیا گیا ہو۔ تیسرے کتاب یا سنت میں یہ صراحت کی گئی ہو کہ یہ گناہ ان کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا ہے جن کا کبیرہ ہونا مذکورہ بالا دو طریقوں سے ثابت ہو چکا ہے۔ چوتھے وہ گناہ دینداروں کے نزدیک بڑا ہو۔

پہلی قسم پہلے باب میں چالیس گناہوں کے سلسلے میں تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے۔ باقی تین قسمیں دوسرے باب کی تین فصلوں میں بیان کی جائیں گی۔ ان گناہوں کی گنتی شروع کرنے سے پہلے جن کے لئے جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے یہ جان لینا چاہئے کہ اس حکم کا ماخذ وہ بہت سی روایتیں ہیں جن میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے۔ مثلاً ابن ابی یعفور کے صحیحہ میں حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے کہ کسی شخص کی عدالت ان کبیرہ گناہوں کے ترک کرنے سے جانی جاتی ہے جن کے لئے خدا نے دوزخ کا وعدہ کیا ہے۔

اس قول سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے لئے جہنم کا وعدہ

کیا گیا ہے کبیرہ ہے۔ اسی طرح صحیحہ علی بن جعفرؑ میں ہے کہ وہ اپنے بڑے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے ان کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھتے ہیں جن کے متعلق خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: "ان یجتنبوا کبائر ......" تو امامؑ فرماتے ہیں: "کبیرہ وہ گناہ ہیں جن کے لئے خدا نے دوزخ لازم کردی ہے" اور اسی طرح کافی میں امام صادقؑ کا قول حلبی سے نقل کیا گیا ہے۔

ابو بصیر کہتا ہے: "میں نے حضرت امام صادقؑ کے متعلق سنا ہے کہ آپؑ نے جب یہ آیت پڑھی "جسے دانائی بخشی گئی ہے اسے بہت کچھ خیر بھی عطا کی گئی ہے" تو حضرت نے دانائی (حکمت) کے معنی بیان فرمائے، امام کا پہچاننا اور کبیرہ گناہوں سے الگ رہنا جن کا ٹھکانا خدا نے جہنم بتایا ہے۔" (کافی)

آپ ہی سے محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ خدا نے جس گناہ کی سزا دوزخ قرار دی ہے وہ کبیرہ ہے۔ (کافی)

غرض بہت سی نصوص خصوصاً صحیحہ عبدالعظیم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید یا سنت معتبرہ میں رسول خدا یا ائمہ علیہم السلام کی طرف سے جس گناہ کے لئے خصوصیت سے آتش دوزخ کے وعدے کا ذکر کیا گیا ہے وہ کبیرہ ہے چاہے صاف صاف اور براہ راست ہو جیسے نماز ترک کرنے والے کا دوزخ میں جانا۔ (سورۃ مریم آیت ۵۹) یا بالواسطہ ہو جیسا کہ خدا فرماتا ہے: "نماز ترک کرنے والا مشرک ہے۔" (سورۃ روم آیت ۳۱) اور اس کے بعد فرماتا ہے: "مشرک آتش جہنم میں رہے گا۔" (سورۃ بینہ آیت ۶) "اسی طرح چاہے اس کے عمل کے عوض آتش جہنم کا صاف صاف وعدہ کیا گیا ہو۔" (سورۃ ماعون آیات ۴ تا ۵) یا کسی سلسلے میں وعدہ کیا گیا ہو مثلاً پیغمبر اکرمؐ کا قول ہے جو کوئی نماز جان بوجھ کر چھوڑے گا وہ خدا اور اس کے رسولؐ

کی پناہ سے خارج ہے۔(من ترک الصلوۃ متعمداً فقد بری من ذمۃ اللّٰہ و ذمۃ رسولہ)۔ اور ظاہر ہے کہ اس جملے میں نماز ترک کرنے والے کے دائمی عذاب اور ہلاکت سے کنایہ ہے۔ چنانچہ صحیحہ عبدالعظیم میں ترک نماز کے گناہ کبیرہ ہونے کے لئے اسی حدیث کو بطور ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

اسی سے ابن عباس کے اس قول کی صحت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کبیرہ گناہ سات کے مقابلے میں سات سو کے قریب ہیں کیونکہ جن گناہوں کے لئے کتاب یا معتبر سنت میں عذاب کا صاف صاف یا ضمنی طور پر وعدہ کیا گیا ہے وہ بہت ہیں۔ اگر انہیں تفصیل کے ساتھ الگ الگ جمع کیا جائے تو سات سو سے بھی اوپر ہو جائیں گے اور ان کا جمع کرنا بھی وقت کی تنگی کے باعث سخت مشکل اور دقت طلب ہے اس لئے یہاں ان میں سے کچھ ایسے گناہوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں لوگ زیادہ تر مبتلا ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ یاد دہانی بھی کرائی جاتی ہے کہ جو گناہ پہلے باب میں بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب کبیرہ ہیں جن کے کبیرہ ہونے کی صراحت بھی کی گئی ہے اور جن کے لئے عذاب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

۱ غیبت

جن گناہوں کا کبیرہ ہونا عذاب کے اس وعدے سے سمجھا جاتا ہے جو ان کے لئے قرآن مجید اور بہت سی حدیثوں میں کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلا غیبت کرنا ہے۔ جیسا کہ خدا سورۂ نور میں فرماتا ہے: "دنیا اور آخرت میں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو ایمان لانے والوں (مؤمنوں) کی بری حرکتیں (مثلاً زنا اور دوسری قسم قسم کی برائیاں) فاش کرنا پسند کرتے ہیں۔" (سورۂ نور آیت ۱۹)

حضرت امام صادقؑ سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی مؤمن کے بارے میں وہ سب کچھ کہہ دیتا ہے جو اس کی دونوں آنکھوں نے دیکھا اور دونوں کانوں نے سنا ہے اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے: "جو لوگ مؤمنوں کے متعلق بری باتیں آشکارا ہونا پسند کرتے ہیں ان کے لئے واقعی دردناک عذاب ہے۔"

چنانچہ صحیح کی اس روایت کے مطابق غیبت اس آیت کے حکم میں داخل ہے جس میں اس کے لئے عذاب کا صاف صاف وعدہ کیا گیا ہے۔ سورۂ حجرات کی آیت ۱۲ میں کہا گیا ہے: "تم میں سے بعض لوگوں کو دوسروں کی غیبت نہیں کرنا چاہئے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے ضرور برا سمجھوگے۔"

اس آیت میں چند امکانات ہیں۔ ایک یہ کہ غیبت کرنے والے پر آخرت میں جو عذاب ہوگا اس کا بیان ہے اور وہ اس طرح کہ جس شخص کی غیبت کی گئی ہے غیبت آخرت میں اس کا مردہ گوشت کھانے کی صورت میں مجسم ہو جائے گی اور اس

امکان کی تائید بھی پیغمبر اکرمؐ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی شب میں کچھ لوگوں کو جہنم میں دیکھا کہ وہ مردار کھا رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا: "یہ کون لوگ ہیں؟" تو انہوں نے جواب دیا: "یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔" (مستدرک کتاب حج باب ۱۳۲) یعنی لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ اسی سے ایک حکم میں داخل ہونا مراد ہو یعنی شریعت کے حکم مطابق غیبت کرنا اس شخص کا مردار گوشت کھانے کے برابر ہو جس کی غیبت کی گئی ہے جیسا کہ باب اول میں ذکر کیا گیا ہے کہ مردار کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت امام حسن عسکری فرماتے ہیں: "تمہارا اپنے مؤمن بھائی کی غیبت کرنا مردار کھانے سے بھی بڑا حرام ہے۔" (مستدرک کتاب حج باب ۱۳۲) ان دونوں امکانات کے پیش نظر آیت سے ظاہر ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔

سورۃ ہمزہ میں کہا گیا ہے: "ویل لکل همزة لمزة" تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے۔ یہ جملہ خدا کی طرف سے ہر غیبت کرنے والے اور اس چغل خور کے لئے عذاب کا وعدہ ہے جو دوستوں میں تفرقہ ڈالتا ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ ہمزہ طعنہ دینے والے اور لمزہ غیبت کرنے والا ہے اور بعضوں نے اس کے بالکل برعکس کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہمزہ اسے کہتے ہیں جو سامنے برائی کرتا ہے اور لمزہ وہ ہے جو کسی کے پیٹھ پیچھے غیبت کرتا ہے۔

ویل بھی جہنم کا ایک درجہ ہے یا اس کا ایک کنواں ہے اور سخت عذاب کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اس لئے غیبت وہ گناہ ہے جس کے لئے قرآن مجید میں کتنے ہی مقامات پر عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت اور اہلبیتؑ کی روایتیں

جن روایتوں میں غیبت کرنے پر عذاب کے وعدے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت ہیں بلکہ متواتر ہیں۔ یہاں صرف وہ بیان کی جاتی ہیں جو شیخ علیہ الرحمہ نے مکاسب محرمہ میں لکھی ہیں۔

رسول خداؐ سے کئی سلسلوں سے روایت ہے کہ غیبت کا گناہ زنا سے بھی بدتر ہے کیونکہ زنا کرنے والا اگر توبہ کرلیتا ہے تو خدا اسے بخش دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو نہیں بخشتا جب تک کہ وہ شخص جس کی اس نے غیبت کی ہے اسے معاف نہیں کر دیتا۔ (مکاسب)

ایک دن آنحضرتؐ نے اپنے خطبے کے بیچ میں سود کے گناہ کی شدت بیان کی اور فرمایا کہ سود کے ایک درہم کا گناہ چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: "بلاشبہ سود کھانے کا بدترین درجہ مسلمان کی آبروریزی اور اس کی بے عزتی ہے۔" ان دونوں حدیثوں کی رو سے غیبت کا گناہ کبیرہ ہونا اس اعتبار سے بھی ثابت ہے کہ وہ زنا اور سود سے بھی بدتر ہے اور ان دونوں کے کبیرہ ہونے کا ذکر پہلے باب میں کیا جاچکا ہے۔

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو کسی مؤمن کی غیبت کرتا ہے اور وہی برائی بیان کرتا ہے جو اس میں موجود ہے پھر بھی خدا اس شخص کو اور اس مؤمن کو بہشت میں اکٹھا نہیں کرے گا اور جو شخص مؤمن کے پیٹھ پیچھے اس کی وہ برائی بیان کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو دونوں میں جو دین کی پاکیزگی ہے وہ پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ پھر غیبت کرنے والا اس مؤمن سے الگ ہو جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جہنم بری جگہ ہے۔" (مکاسب)

جو شخص لوگوں کی غیبت کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے اگر اس نے یہ سوچا کہ وہ حلال زادہ ہے تو غلط سوچا۔ غیبت سے بچو کیونکہ یہ دوزخ کے کتوں کی غذا ہے۔ (مکاسب)

جو اپنے دینی بھائی کی غیبت کرنے کے لئے اور اس کا چھپا ہوا عیب فاش کرنے کے لئے سفر کرے گا وہ جو پہلا قدم اٹھائے گا وہ اسے دوزخ میں پہنچا دے گا۔ (مکاسب)

روایت ہے کہ غیبت کرنے والا اگر توبہ بھی کرے گا تو وہ آخری شخص ہو گا جو بہشت میں پہنچے گا اور جو توبہ کئے بغیر ہی مر جائے گا تو وہ پہلا شخص ہو گا جو دوزخ میں جائے گا۔ (مکاسب)

شہید ثانی حضرت امام صادقؑ اور پیغمبر اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ کفر کے سب سے زیادہ قریب حالت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے ایک لفظ سنتا ہے اور اسے اس لئے روک لیتا ہے کہ اس کو اس بات سے رسوا کرے ایسے شخص کو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ (کشف الریبہ۔ شہید ثانی)

اس سے ملتے جلتے مضمون کی چند روایتیں اصول کافی میں نقل کی گئی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "غیبت کرنا کوڑھ کی بیماری سے زیادہ تیزی کے ساتھ ایک شخص کے دین پر اثر کرتا اور اسے اس کے دل سے ختم کر دیتا ہے۔" (اصول کافی)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "غیبت کرنا ہر مسلمان کے لئے حرام ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ غیبت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے اور ختم کر ڈالتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا کر ختم کر دیتی ہے۔" (اصول کافی)

شیخ فرماتے ہیں: غیبت کے نیکیوں کو کھا جانے والے جملے سے مراد یہ ہے کہ غیبت ان تمام نیک کاموں کو جو کیے گئے ہیں باطل کر دیتی ہے یا یہ مراد ہے کہ اس کے پچھلے ثوابوں سے اس کی سزائیں زیادہ ہو جاتی ہیں یا یہ کہ غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں جس کی اس نے غیبت کی ہے۔ چنانچہ یہ بات کئی حدیثوں میں آئی ہے۔ مثلاً رسول خداؐ سے روایت ہے کہ ایک بندے کو قیامت میں حساب کتاب کے مقام پر لائیں گے اور اس کا اعمالنامہ اسے دیں گے۔ جب وہ اس میں وہ نیک کام جو اس نے دنیا میں کیے تھے نہیں پائے گا تو کہے گا: "اے خدا! یہ اعمالنامہ تو میرا نہیں ہے کیونکہ مجھے اس میں اپنی نیکیاں نہیں ملتیں۔" تب اس سے کہا جائے گا: "تیرا خدا نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ تیری نیکیاں لوگوں کی تیرے غیبت کرنے کی وجہ سے مٹ گئیں۔" پھر دوسرے بندے کو لائیں گے اور اس کا اعمالنامہ اسے دیں گے۔ وہ اس میں وہ نیکیاں بھی دیکھے گا جو اس نے نہیں کی ہیں تو وہ کہے گا: "اے خدا! یہ نامہ اعمال میرا نہیں ہے کیونکہ اس میں جو یہ سب نیکیاں درج ہیں میں نے انجام نہیں دی ہیں۔" اس سے کہا جائے گا: "یہ فلاں شخص کی نیکیاں ہیں جس نے تیری غیبت کی تھی۔ اسکے بدلے میں اس کی نیکیاں تجھے بخش دی گئی ہیں۔"

شیخ مذکورہ روایتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ غیبت گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ بعض فقیہوں نے فرمایا ہے بلکہ سخت ترین گناہ کبیرہ (سود اور زنا سے بھی بڑھ کر) ہے جیسا کہ مذکورہ روایتوں میں صراحت کی گئی ہے۔"

خیانت بھی ان کبیرہ گناہوں میں شامل ہے جن کی صراحت نص میں کی گئی ہے۔ (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) اور غیبت کو خیانت کی ایک قسم بھی سمجھا جا سکتا ہے

کیونکہ اپنے دینی بھائی کا گوشت کھانے سے بڑھ کر جب کہ وہ بے خبر اور غافل ہو اور کونسی خیانت ہو سکتی ہے اس سے بڑھ کر اور کونسی خیانت ہو سکتی ہے جو اس کا بھید کھولتی اور اس کا عیب ظاہر کر دیتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ غیبت کا حرام ہونا صرف مؤمن سے مخصوص ہے یعنی اس شخص سے جو صحیح عقیدے رکھتا ہو جن میں ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت کا عقیدہ بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے اس عقیدے کے مخالفین کی غیبت حرام نہیں ہے۔ پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے تمام فرقوں کی غیبت ترک کر دینا چاہئے خصوصاً ان لوگوں کی جو حق کے دشمن نہ ہوں اور صحیح عقیدے ترک نہ کر چکے ہوں۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ غیبت کا حرام ہونا صرف بالغ مؤمن سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ نابالغ بچے سے غیبت کرنا بھی حرام ہے جو غیبت سن کر متاثر اور دکھی ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ مؤمن بچوں سے غیبت کرنا بالکل حرام ہے۔ چاہے وہ بالغ ہوں چاہے نابالغ۔

غیبت کے معنی اور اس کے مواقع

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "غیبت یہ ہے کہ تو اپنے دینی بھائی کی کسی بری یا کریہہ بات کا ذکر کرے۔" (مکاسب) اور حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "غیبت یہ ہے کہ تو اپنے دینی بھائی کا وہ عیب بیان کرے جسے خدا نے چھپا رکھا ہے۔" (مکاسب) اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی غیر حاضر شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جو اس میں موجود ہے اور لوگ بھی اس سے واقف ہیں تو وہ غیبت نہیں ہے۔ البتہ اگر ایسی بات کہے جو اس میں موجود ہے لیکن لوگ نہیں جانتے تو گویا اس نے اس کی غیبت کی اور اگر کوئی ایسی بات کہے جو اس میں ہے ہی نہیں تو پھر اس

نے اس پر بہتان باندھا ہے۔" (مکاسب)

ان دوسری دو روایتوں کے بموجب جب کوئی بات کسی مؤمن کے بارے میں کہی جاتی ہے اور وہ اس کا ایسا عیب ہے جو سننے والے اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے تو غیبت میں اس کا شمار نہیں ہوتا چاہے وہ مؤمن کی برائی، ملامت، تکلیف دہی اور توہین میں شمار ہو اور ان عنوانات کے تحت حرام ہو جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے۔

شیخ نے اہل لغت کے کلمات، غیبت کے معنی سے متعلق روایات اور معنی کی تحقیقات نقل کرنے کے بعد کچھ بیانات دیئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ غیبت کے اطلاق کی تین قسمیں ہیں: غیبت ہونا مسلّم ہو یا غیبت ہونا ظاہر ہو یا اس کا غیبت ہونا ظاہر نہ ہو۔

پہلی قسم وہ موقع جب کہ وہ قطعی غیبت ہوتی ہے ایک ایسی بات کا ذکر کرنا ہے جو کسی شخص سے منسوب اس کا کوئی شرعی یا مشہور عام نقص ہو اور وہ بھی سننے والے سے اس طرح چھپا ہو کہ جس کی غیبت کی جائے وہ اس کے کھل جانے پر رضامند نہ ہو اور غیبت کرنے والا بھی اسے ذلیل کرنے اور اس میں عیب نکالنے پر تلا ہوا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی مؤمن کو گھٹانے کے لئے اس کی پوشیدہ برائی بیان کرے تو وہ بلاشبہ غیبت اور گناہ کبیرہ ہے۔

دوسری قسم جو بظاہر غیبت کا مصداق ہے دوسرے کا چھپا ہوا عیب بیان کرنا ہے لیکن اس کی مذمت کرنے، اس میں عیب نکالنے اور اسے گرانے کے لئے نہیں بلکہ کسی اور غرض سے مثلاً تفریح کے لئے یا دلیل اور ثبوت دینے کے لئے یا ہمدردی کی خاطر دوسرے کا چھپا ہوا عیب بیان کرے تو بھی اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ

نہیں ہے اور روایتیں یہی ظاہر کرتی ہیں کہ یہ بھی غیبت کا مصداق ہے اور اسی ذیل میں آتا ہے۔

تیسری قسم ایک شخص کا عیب کسی ایسے آدمی کے سامنے بیان کرتا ہے جو اسے جانتا ہے۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غیبت کے دائرے سے خارج ہے اگرچہ کچھ روایتوں سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ کہنے والا دوسرے کو ملامت کرتا اور اس کی مذمت کرتا ہے قطعی حرام ہے چاہے اس کا غیبت میں شمار ہونا مشکوک ہو کیونکہ اس قسم کا بیان مؤمن کی دل آزاری اور توہین کا سبب ہوتا ہے اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

اگر مذمت اور توہین کی نیت نہیں ہے اور مجبوراً مذمت ہو جاتی ہے مثلاً کسی شخص کی ماں بدکردار تھی تو یہ تذکرہ کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ سورۂ حجرات میں دوسروں کے برے نام رکھنے سے صاف صاف منع کیا گیا ہے۔ (آیت ۱۰)

غیبت کی قسمیں

واضح روایتیں اور فقیہوں کے اقوال یہ ہیں کہ کسی کا عیب یا نقص بیان کرنے میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ نقص جسم کا ہے یا خاندان کا یا عادتوں کا، گفتگو کا ہے یا عمل کا، دین کے متعلق ہے یا دنیا کے متعلق یا خاص اس انسان سے متعلق ہے مثلاً لباس، گھر، سواری وغیرہ کا عیب ہے اور بعض نے ہر ایک کی مثالیں بھی بیان کر دی ہیں۔ مثلاً جسم سے متعلق غیبت یہ ہے کہ کوئی کہے کہ فلاں اعمش ہے (جس کی آنکھیں ہمیشہ ڈبڈبائی رہتی ہیں) یا احول (بھینگا) ہے یا اعور (ایک آنکھ کا یعنی کانا) ہے یا اقرع (گنجا) ہے یا موٹا، لمبا، کالا یا پیلا وغیرہ ہے یعنی اس کی ایسی خصوصیات بیان کرے

جن کو سن کر وہ ناخوش اور آزردہ ہو جائے۔

غیبت گالی بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی کہے کہ فلاں کا باپ بدکار یا بدذات یا کنجوس مکھی چوس تھا یا اوباش وغیرہ تھا اور اخلاق کی غیبت یہ ہوتی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں بداخلاق، کنجوس، مغرور یا ڈرپوک یا کمزور اور منافق یا چور اور ظالم ہے۔

دین سے متعلق کاموں کی غیبت یہ ہوتی ہے جیسے کوئی کہے کہ فلاں شخص جھوٹا یا شرابی یا نماز میں سست ہے۔ دنیاوی کاموں کی غیبت یہ ہے جیسے کوئی کہے فلاں بے ادب ہے، ناشکرا ہے، اپنی اوقات نہیں پہچانتا، بھواسی یا پیٹو یا بہت سونے والا ہے۔ لباس کے متعلق مثلاً کوئی کہے کہ اس کا لباس میلا، پھٹا، پرانا، ڈھیلا ڈھالا، اٹنگا ہے۔ ایسے ہی اس کے متعلق دوسری باتوں میں بھی اگر اسے برائی سے اس طرح یاد کیا جائے کہ اسے اچھا نہ لگے بلکہ اس کی دل آزاری ہو تو یہ غیبت ہو گی۔

جاننا چاہئے کہ غیبت میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ دوسرے کا عیب زبان سے کھولا جائے یا عمل سے یا اشارے سے صاف صاف کہا جائے یا ایسے کنائے سے جو سمجھ میں آجائے۔ کبھی کبھی کنائے سے غیبت اور بھی بری ہوتی ہے جیسے یہ کہا جائے الحمد للہ کہ خدا نے ہمیں حکومت کی ہوس یا ظالموں کی ہم نشینی یا دولت کا لالچ نہیں دیا یا یہ کہا جائے حرص یا کنجوسی یا بے شرمی سے خدا کی پناہ، خدا ہمیں شیطان کی برائی سے بچائے اور ان باتوں سے کنایہ اس شخص کی طرف ہو جو ان کاموں کا مرتکب ہوا ہے۔

اکثر ہوتا ہے کہ بعض دھوکے باز جب کسی کی غیبت کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تعریف سے شروع کرتے ہیں کہ فلاں کتنا اچھا آدمی ہے لیکن افسوس ہے کہ شیطان کے چکر میں آگیا اور اب یوں ہو گیا ہے۔ کبھی منافقت سے دوسرے کے لئے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افسوس مجھے کتنا صدمہ ہوا اور فلانے کے لئے

میرا دل کتنا کڑھا جب اس سے یہ فعل سرزد ہوا۔ اگر سچ کا دوست ہوتا اور اس کا غم کھاتا تو کبھی اس کا راز فاش نہ کرتا اور اس کی برائی نہ کرتا۔

ایک غیر معین شخص کی غیبت

غیبت اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ کسی مخصوص شخص کی ہو اور اگر کسی ایسے شخص کی غیبت ہو جس کا نام و نشان نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے مثلاً کوئی کہے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایسا تھا اور ایسا تھا۔ البتہ جب چند لوگوں میں سے ایک غیر معین شخص کی غیبت کرے مثلاً کہے کہ فلاں شخص کا ایک بیٹا ایسا ویسا ہے تو یہ حرام ہے کیونکہ اس طرح کہنے والے نے ان سب کو تکلیف دی اور آزار پہنچایا ہے اور اگر زیادہ لوگوں میں سے صرف ایک شخص کی غیبت کرے مثلاً کہے کہ ایک اصفہانی یا شیرازی ایسا اور ویسا تھا تو یہ جائز ہے اور اگر یہ بھی کہے کہ بعض اصفہانیوں یا شیرازیوں میں فلاں عیب ہوتا ہے تو بھی جائز ہے لیکن یہ کہے کہ تمام شیرازیوں یا اصفہانیوں میں فلاں عیب ہوتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں اس شہر کے تمام باسیوں کی توہین ہوتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں شہر کے اکثر لوگوں میں یہ عیب پایا جاتا ہے تو یہ بات احتیاط کے خلاف یعنی غیر محتاط ہے بلکہ اس کے حرام ہونے میں زیادہ قوت اور امکان ہے۔

غیبت کا کفارہ اور توبہ

چونکہ غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے اس لئے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً اپنے کہے پر شرمندہ ہو کیونکہ اس نے اپنے پروردگار کی مخالفت کی اور دل سے شرمندہ ہونے کے بعد زبان سے استغفار بھی کرے اور نیت کرے کہ پھر ایسا گناہ

نہیں کرے گا۔ چونکہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی ہے اس کا غیبت کرنے والے پر حق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ممکن ہو تو اس سے معافی مانگ لے اور اپنے آپ سے راضی کرلے اور جس طرح اس نے اس کی غیبت کی ہے اس کے مقابلے میں اسے نیکی سے یاد کرے تو بہتر ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ جس شخص کی غیبت کی گئی ہے وہ مرچکا ہے یا اس کی پہنچ سے باہر ہے یا اس سے معافی مانگنے سے اس کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہو مثلاً وہ غیبت کی باتوں سے بے خبر ہے اور ان کے سننے سے ناخوش ہو جائے گا اور معافی مانگنے کی غرض پوری نہیں ہو سکے گی تو ایسے موقع پر اس کی مغفرت کی دعا کرنا چاہئے اور خدا سے عرض کرنا چاہئے کہ اے پروردگار اس شخص کو راضی اور خوش کردے جیسا کہ صحیفہ سجادیہ کی دعا نمبر ۳۹ میں اور پیر کے دن کی دعا میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔

غیبت کے جائز ہونے کے مواقع

فقیہوں نے بعض موقعوں پر غیبت کرنے کو جائز سمجھا ہے۔ یہاں شیخ نے جو کچھ مکاسب میں فرمایا ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس شخص کی غیبت کرنا جس کا گناہ پوشیدہ نہیں ظاہر ہو۔ مثلاً کوچہ و بازار میں ہاتھ میں شراب کا پیالہ لئے کھلم کھلا پیتا پھرے۔ چنانچہ روایت میں ہے: "جب کوئی گناہگار کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور کسی کا لحاظ نہیں کرتا تو اس کی غیبت حرام نہیں ہے۔" اسی طرح جس نے شرم اور لحاظ ختم کردیا یعنی لوگوں کے سامنے جو گناہ کرنے میں نہیں شرمایا اس کی غیبت نہیں ہوتی یعنی اس کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے۔ (مکاسب)

جاننا چاہئے کہ غیبت اس گناہ کے سبب سے جائز ہو جاتی ہے جو کھلم کھلا کیا

جاتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ جو گناہ پردے میں کیے جاتے ہیں ان کے باعث بھی غیبت جائز ہو جاتی ہے یا نہیں اگرچہ شیخ فرماتے ہیں کہ اگر کھلا ہوا گناہ چھپے ہوئے گناہ سے زیادہ سخت ہو تو اس کے ذکر میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن احتیاط اسے ترک کر دینے میں ہی ہے۔

یہ بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ کھلم کھلا گناہ کرنے والے کی غیبت اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس نے خود اپنے گناہ کا اقرار کیا ہو لیکن اگر وہ اپنے عمل کا کوئی صحیح عذر پیش کرے تو اس کی غیبت جائز نہیں ہے۔ مثلاً شراب کو دوا کے طور پر اور بیماری کے علاج کی غرض سے پینے کا عذر کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ایسے شخص کی تقلید میں ہوں جو شراب کو اس صورت میں جائز جانتا ہے یا مثلاً رمضان کے مہینے میں کھانا کھانے کے لئے یہ عذر پیش کرتا ہے کہ میں مریض یا مسافر ہوں یا دوسرے قابل قبول عذر رکھتا ہے اور مثلاً ایسا شخص جو گناہ کرتا ہے تو اپنے عمل کے لئے کوئی عذر گھڑ لیتا ہے بشرطیکہ اس عذر میں بظاہر کوئی نقصان یا خرابی نہ ہو اور احتیاط اس شخص کی غیبت ترک کرنے میں بھی ہے جو کسی انجان شہر یا اجنبی محلے میں وہ گناہ کھلم کھلا کرتا ہے۔

۲۔ مظلوم اگر اپنے آپ پر کیے ہوئے ظالم کا ظلم بیان کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ غیبت نہیں ہے جیسا کہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: "جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد ظالم سے انتقام لیتا ہے اور جو ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جن پر ظلم ہوا ہے اور ان پر ہونے والے ظلم کی تلافی کرتے ہیں یعنی ظلم کا بدلہ لیتے ہیں ان پر کوئی سختی یا ناخوشی نہیں ہے۔" (ظالموں سے بدلہ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے)۔ دراصل گناہ اور عذاب ان لوگوں پر ہوتا ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور کسی

سبب اور دلیل کے بغیر حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔" (سورۃ شوریٰ آیت ۳۹)

خداوند عالم سورۃ نساء میں فرماتا ہے: "خدا مظلوم کے علاوہ اور کسی کا کھلم کھلا بری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔" (آیت ۱۴۸)

احتیاط اس میں ہے کہ مظلومیت کا اظہار اس شخص کے سامنے کرے جس سے اسے داد خواہی یعنی انصاف کی امید ہو اور اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص سے انصاف نہیں ہو گا یا یہ انصاف نہیں کرے گا تو اس سے ظالم کی شکایت نہ کرے اور اس کے ظلم کا ذکر بھی نہ کرے۔

۳۔ مشورہ طلب کرنے والے کو نصیحت۔ جب کوئی مسلمان کسی ایسے معاملے میں جو کسی مخصوص شخص کے ساتھ کرنا چاہتا ہے کسی سے مشورہ کرتا ہے اور جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ اس مخصوص شخص کا کوئی ایسا عیب جانتا ہے جو اگر بیان نہیں کرتا تو معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور وہ مسلمان پریشانی میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ در حقیقت اس کو یہ عیب نہ بتانا نقصان میں پھنسانے اور اس کے ساتھ خیانت کرنے کے مترادف ہے۔ تو اس صورت میں اس شخص کا عیب بیان کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مسئلے میں احتیاط دو باتوں کا لحاظ رکھنا ہے ایک یہ کہ ایسی صورت میں اس شخص کا عیب بیان کرے جب نہ کہنے سے نقصان زیادہ ہو اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی مشورہ کرنے والے کے نقصان سے زیادہ اس شخص کی بے آبروئی اور بے عزتی کا نقصان ہو جس کا عیب بیان کیا جاتا ہے تو لازم ہے کہ اس کا عیب بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس شخص کے عیب کا ذکر کرنا اس وقت

جائز ہے جب اس معاملے سے پیدا ہونے والی خرابی روکنے کے لئے اس عیب کا ذکر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ ہو۔ اگر اس عیب کا ذکر کئے بغیر ہی کام چل جائے مثلاً اتنا ہی کہے کہ اس معاملے میں مجھے اس کی صلاحیت کا علم نہیں ہے اور وہ (مشورہ کرنے والا) اسی کو مان لیتا ہے تو پھر اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔

۴۔ نہی از منکر کی نیت سے جب کہ اس کی تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں غیبت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی جب کسی مسلمان کا کوئی برا فعل دیکھے اور یہ سمجھے کہ اگر وہ اس کی غیبت کرتا ہے تو وہ اس کام کو ترک کردے گا غیبت جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ اس برے فعل پر اس شخص کا اصرار جانتا ہے البتہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے ترک کردیا ہے تو اس کا ذکر جائز نہیں ہے۔ اسی طرح پچھلے قضیئے کے مانند غیبت کرنے کی خرابی اور اس برے فعل کی خرابی کا موازنہ کرلینا چاہئے۔ اگر اس مسلمان کی بے عزتی کا نقصان اس برے فعل کے نقصان سے زیادہ ہے جس میں وہ مشغول ہے تو اس کی غیبت کرنا جائز نہیں ہے چاہے اسے اس بات کا یقین ہی ہو کہ غیبت کرنے سے وہ شخص اس گناہ کو ترک کردے گا۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کا گناہ دیکھو تو اس کے صحیح ہونے ہی کا گمان کرو اور اگر اس کا گناہ ہونا قطعی نظر آئے اور اسے صحیح سمجھا ہی نہ جاسکے تو ایسی صورت میں جبکہ اس مسلمان نے وہ گناہ ترک کردیا ہو اور اسے نہ دہرلیا ہو اس کے اس گناہ کا ذکر کرنا حرام ہے اور اسی طرح اسے منع کرنا یا ملامت کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ نہی از منکر کا مقصد ترک گناہ ہوتا ہے اور جب کسی نے خود ہی گناہ ترک کردیا ہو تو پھر اسے منع کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اگر اس نے گناہ ترک نہیں کیا ہے بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے تو اس صورت میں چھپے ہوئے گناہ کو

دوسروں کے سامنے کھولنا اور بیان کرنا حرام ہے۔ اسے نہی از منکر کی تمام شرطوں کے ساتھ گناہ سے روکنا چاہئے اور اگر نہ رکے اور یہ سمجھ میں آئے کہ اس کا گناہ دوسروں سے بیان کرنے پر یہ اسے ترک کردے گا تو اس صورت میں اس کا گناہ بیان کرنا جائز ہے لیکن شرط یہی ہے کہ اس گناہ کا ترک کرنا اس مسلمان کی آبروریزی اور رسوائی سے زیادہ اہم ہو۔ جو کچھ یہاں کہا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ نہی از منکر کی خاطر مسلمان کی غیبت اسی صورت میں جائز ہے جب وہ مسلمان اس گناہ پر اصرار کرتا ہو اور صرف منع کرنے سے باز نہ آتا ہو اور اس گناہ کا نقصان اس کی آبروریزی اور رسوائی سے زیادہ ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اگر اس کی غیبت کی جائے گی تو وہ اس گناہ کو ترک کردے گا۔ اگر ان چاروں شرطوں میں سے ایک بھی کم ہوئی تو اس کی غیبت کرنا حرام ہے۔

۵۔ ایسے شخص کا عیب کھولنا اور اس کی غیبت کرنا جو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اور خدا کے دین میں بدعت کو رواج دینے والا ہے اس خیال سے کہ لوگ اس سے دھوکا نہ کھائیں اور اس کے جال میں نہ پھنسیں۔(۱)

۶۔ جس گناہگار نے کوئی روایت بیان کی ہو یا کسی بات کی گواہی دی ہو اس نیت سے اس کی غیبت کرنا کہ لوگ اس کے گناہ سے واقف ہو جائیں اور اس کی بات کا اثر قبول نہ کریں۔

۷۔ کسی کا ایسے عیب اور نقص سے ذکر کرنا جس سے وہ مشہور و معروف ہو جیسے اعمش (جس کی بینائی کمزور ہو اور آنکھیں برابر ڈبڈبائی رہتی ہوں)، بھینگا، لنگڑا وغیرہ لیکن اس طرح کہ اس کا عیب بیان کرنا مقصود نہ ہو بلکہ اسے صرف پہچنوانا منظور ہو

۱۔ بدعت کے معنی وغیرہ کے لئے اسی باب کی دوسری فصل دیکھئے۔

اور وہ شخص بھی ان القاب (ناموں) سے ناراض نہ ہو ورنہ ان سے پرہیز کر کے کسی دوسری طرح اسے صرف پہچنوانا چاہیے۔

۸۔ کسی ایسے شخص کی تردید (کاٹ) کرنا جو کسی خاندان سے یا نسل سے اپنے تعلق کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہو کیونکہ نسلوں اور خاندانوں کی حفاظت کا خیال دعوے دار کی بے عزتی کے نقصان پر مقدم ہے۔

۹۔ کتاب کشف الریبہ میں بعض فقیہوں سے نقل کیا گیا ہے کہ جب دو آدمی کسی شخص کا گناہ دیکھیں اور اس کی غیر حاضری میں ایک دوسرے سے بیان کریں تو یہ جائز ہے کیونکہ کہنے والا سننے والے سے کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو سننے والے کی نظر سے چھپی ہوئی ہو بلکہ جو بات اس نے خود بھی دیکھی ہے وہی دہراتا ہے اور شہید نے فرمایا ہے کہ ایسی بات چیت ترک کرنا خاص طور پر اس صورت میں بہتر ہے جب کہ یہ خیال ہو کہ سننے والا اسے بھول چکا ہے یا یہ اندیشہ ہو کہ اصل واقعہ مشہور نہ ہو جائے۔

شیخ انصاری فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کا اس گناہ کا ایک دوسرے سے بیان کرنا اگر اس شخص کی ملامت اور عیب جوئی کی خاطر ہو تو حرام ہے ورنہ جائز ہے۔

۱۰۔ کلیہ یہ ہے کہ جس موقع پر کسی مؤمن کی غیبت کرنے میں اس کی رسوائی کے نقصان سے زیادہ فائدہ ہو جیسے اپنے معاملات میں گواہی دینا تو غیبت جائز ہے۔

غیبت سننا بھی حرام ہے

جس طرح غیبت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اسی طرح غیبت سننا بھی تمام فقیہوں کے نزدیک یکسر حرام ہے اور پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: ''غیبت سننے والا غیبت کرنے والے کے برابر ہے اور غیبت پر کان دھرنے والا غیبت کرنے والوں میں سے ہے۔'' (مستدرک الوسائل کتاب حج باب ۱۳۶) اور حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"کسی مسلمان کی غیبت کرنا کفر کے برابر ہے اور غیبت سننا اور اس سے خوش ہونا شرک کے برابر ہے۔" (کشف الریبہ)

ان روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو مؤمن کی شان میں آئی ہیں، اس کے احترام کو کعبے سے بھی زیادہ اور اس کی آبروریزی کو اس کا خون بہانے کے برابر جانتی اور اس کا راز کھولنے کو دردناک عذاب کا سبب، شمار کرتی ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیبت کا سب سے برا رکن اور مؤمن کی توہین کا سبب سننے والا شخص ہوتا ہے کیونکہ اگر سننے والا نہ ہو یا نہ سنے تو غیبت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی مؤمن کا عیب بیان کر رہا ہے تو اسے نہ سنے بلکہ اس کی کاٹ کرے اور اس مؤمن کی حمایت کرے۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جس کسی کے سامنے اس کے دینی بھائی کی غیبت ہو رہی ہو اور وہ حتی الامکان اس کی حمایت کرتا ہے تو خدا دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر اس نے امکان اور سکت کے باوجود اس کی حمایت نہیں کی تو خدا بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا اور دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا۔" (المجالس)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو کوئی اپنے دینی بھائی کے ساتھ اس کی اس غیبت کے سلسلے میں جو کسی صحبت میں ہوتی ہے اس طرح نیکی کرتا ہے کہ اس غیبت کی تردید کرتا ہے تو خدا دنیا اور آخرت کی ہزاروں قسم کی برائیاں اس سے دور کر دے گا اور اگر وہ شخص امکان اور سکت کے باوجود غیبت کی تردید نہیں کرے گا تو اس کے گناہ غیبت کرنے والے کے گناہ سے ستر گنا زیادہ ہو جائیں گے۔"

شیخ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس غیبت سننے والے کے

گناہ جس نے غیبت سن کر اس کی کاٹ نہیں کی خود غیبت کرنے والے سے بڑھ جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی یہ خاموشی یا پہلو تہی مؤمن اور دوسروں کی غیبت کرنے کی لوگوں کو جرأت دلاتی ہے۔

غیبت کی کاٹ کرنا غیبت سے روکنا ہے اور غیبت سن کر خاموش رہنا غیبت کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

پس اگر کوئی دنیاوی عیب ہو تو کہے کہ یہ عیب نہیں ہے بلکہ عیب وہ باتیں ہیں جنہیں خدا نے عیب قرار دیا ہے اور جن سے منع فرمایا ہے یعنی گناہ اور اس میں اپنے بھائی سے ایسی بات منسوب کرنا بھی شامل ہے جس کو خدا نے عیب نہیں جانا ہے یعنی تیرا غیبت کرنا عیب ہے اور اگر وہ دینی عیب ہو مثلاً اگر کوئی مؤمن کا کوئی گناہ بیان کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی صحیح صحیح وجہ بیان کرے یعنی اس کی صحیح توجیہ کرے اور اگر صحیح توجیہ ممکن نہ ہو تو کہے کہ مؤمن معصوم نہیں ہوتا اس سے گناہ سرزد ہونا ممکن ہے اس لئے اس کی مغفرت کی دعا کرنا چاہئے اسے ملامت یا رسوا نہیں کرنا چاہئے۔ ممکن ہے تیری ملامت اور تنبیہ اس مؤمن کے گناہ سے زیادہ ہو۔

غیبت کی کاٹ کے مستثنیٰ موقعے

جاننا چاہئے کہ اس صورت میں غیبت سننا حرام اور اس کی کاٹ اور مؤمن کی حمایت واجب ہے جب کہ ان دس موقعوں میں سے کوئی موقع پیش نہ آئے جن پر غیبت کے جائز ہونے کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس لئے غیبت کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں: اول وہ جسے وہ یہ جان لے کہ یہ دس استثنائی موقعوں کی غیبت ہے۔ ایسی صورت میں اس کا سننا جائز اور اسے کاٹنا واجب نہیں ہے۔ دوم وہ جب کہ یہ یقین کر لے کہ یہ غیبت مذکورہ موقعوں کی نہیں ہے پھر اس کا سننا قطعی حرام اور امکانی حد

تک اس کی کاٹ واجب ہے۔ سوم جب یہ خیال ہو کہ یہ غیبت کے جائز موقعوں سے متعلق ہے۔ اس صورت میں موازنہ کرے اس غیبت کو نہ سننے، رد کرنے بلکہ مؤمن کی حمایت کا غیبت کرنے والے کی عزت بچانے سے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ موقع جائز ہو اور گناہ نہ ہو۔ مثلاً غیبت کرنے والا کہے کہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اس عیب کی وہ کوئی صحیح وجہ بیان کرے۔

دوزخ اور دو زبان

شیخ انصاری مکاسب میں غیبت کی بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: "اگر غیبت کرنے والا ایسا ہو جو اس شخص کے منہ پر جس کی غیبت کر رہا ہے تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے لیکن پیٹھ پیچھے اس کے عیب بیان کرتا ہے تو اس کا عذاب دگنا ہوتا ہے اور شرع میں اسے ذواللسانین یعنی دو زبانوں والا کہا جاتا ہے اور اس صورت میں غیبت سخت حرام ہو جاتی ہے۔ روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ایسا شخص جب قیامت میں آئے گا تو اس کے منہ سے آگ کی دو زبانیں نکلتی ہوں گی۔ (مکاسب)

۲ چغل خوری

دوسرا گناہ جس کا کبیرہ ہونا قرآن اور حدیث میں کئے ہوئے عذاب کے وعدے سے ثابت ہوتا ہے چغل خوری ہے۔ چنانچہ شہید ثانی "کشف الریبہ" میں اور شیخ انصاری "مکاسب محرمہ" میں اس کے کبیرہ ہونے کی صراحت کرتے ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی کئی آیتیں بھی بطور دلیل پیش کی ہیں۔ مثلاً خداوند عالم سورۃ رعد آیت ۲۵ میں فرماتا ہے: "اور جو لوگ اس کو جدا کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور زمین میں خرابی پھیلاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے خدا کی رحمت سے دوری اور آخرت کی برائی یعنی آخرت کا عذاب ہے۔"

ظاہر ہے کہ چغل خور جو ایک شخص سے کسی کے بارے میں کوئی بات سن کر اس کے سامنے جا کر اسے سنا دیتا ہے اور خدا نے جس کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے الگ کر دیتا ہے اور زمین میں خرابی پھیلاتا ہے کیونکہ بجائے اس کے کہ مؤمنوں میں باہمی محبت پیدا کرے اور ان کے اتفاق اور اتحاد کو پکا کرے ان میں تفرقہ اور جدائی اور دشمنی ڈالتا ہے پس اس پر خدا کی لعنت اور آخرت کا عذاب ہوگا۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا ہے: "فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے۔" اور ایک اور آیت کے مطابق زیادہ بڑا گناہ ہے اور ظاہر ہے کہ چغل خور اپنی چغل خوری سے فتنوں کی آگ بھڑکاتا ہے۔

سورۃ نون میں کفار کی صفات کے سلسلے میں جو جہنم کی آگ میں ڈالے جانے کے مستحق ہیں خداوند عالم فرماتا ہے: "مشاء بنمیم" سفر کرتے ہیں چغل خوری کے لئے۔

حضرت امام صادقؑ جادو کی قسمیں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "بلاشبہ جادو کی سب سے بڑی قسم چغل خوری ہے جس سے دوستوں میں جدائی ڈال دی جاتی ہے اور ان لوگوں میں صلح صفائی کی جگہ دشمنی پیدا کر دی جاتی ہے جو آپس میں ہم آہنگ اور ہم خیال تھے، چغل خوری کی وجہ سے خون بہائے جاتے ہیں، گھر برباد کیے جاتے ہیں اور پردے کھولے جاتے ہیں اور چغل خور زمین پر چلنے والے لوگوں میں بدترین لوگ ہوتے ہیں۔" (احتجاج)

جادو کا کبیرہ ہونا پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے اس لئے چغل خوری جو اس کی سب سے بڑی قسم ہے قطعی گناہ کبیرہ ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "کیا میں تمہیں تم میں سے سب سے بدترین آدمیوں سے آگاہ نہ کروں؟" لوگوں نے کہا: "ضرور! اے پیغمبر گرامیؐ۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو چغل خوری کرتے، دوستوں میں تفرقہ ڈالتے اور پاک لوگوں کے عیب ڈھونڈتے ہیں۔" (کافی)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "بہشت ان جھوٹ بولنے والوں پر حرام ہے جو چغل خوری کرتے ہیں۔" (کافی)

رسول خداؐ سے روایت ہے: "جو دو انسانوں میں چغل خوری کے لئے سفر کرتا ہے خداوند عالم اس پر قبر میں آگ کو مسلط فرمائے گا، جو اسے جلا ڈالے گی اور جب وہ اپنی قبر سے نکلے گا تو اس پر ایک بڑے اور کالے سانپ کو مسلط کر دے گا، جو اس وقت تک اس کا گوشت کھاتا رہے گا جب تک وہ جہنم میں داخل نہیں ہو جاتا۔" (عقاب الاعمال)

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا: "جب میں معراج کے لئے گیا تھا تو میں نے

ایک عورت دیکھی تھی جس کا سر سور کا سا اور بدن خچر کا سا تھا اور اس پر ہزاروں قسم کی سختیاں ہو رہی تھیں۔"

پھر آنحضرتؐ سے پوچھا گیا: "اس عورت کا کام کیا تھا؟"

آپؐ نے فرمایا: "چغل خوری اور جھوٹ بولنا۔" (عیون الاخبار)

وسائل الشیعہ کی کتاب حج میں چغل خوری کے حرام ہونے سے متعلق بارہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور ان سب میں بتایا گیا ہے کہ چغل خور پر بہشت حرام ہے۔

خداوند عالم سورۃ ہمزہ میں فرماتا ہے "ویل لکل همزة لمزة" ویل جہنم کے ایک درجے یا غار کا نام ہے یا اس کے معنی سخت عذاب کے ہیں اور ہمزہ کے معنی چغل خور کے ہیں۔ جیسا کہ شہید ثانی "کشف الریبہ" میں اس کی صراحت فرماتے ہیں اور بعض علماء نے بھی آیت "هماز مشاء بنميم عتل بعد ذلك زنيم" کے معنی اپنے آپ سے وابستہ یعنی حرام زادہ کئے ہیں کہ جس کے باپ کا پتا نہیں ہے اور وہ اسے زبردستی اپنے آپ سے وابستہ کرتا ہے۔ (یہ دوسروں کا راز پوشیدہ نہ رکھنے والے اور چغل خور کے لئے ہے)

چغل خور کی وجہ سے بارش نہیں ہوئی

بنی اسرائیل میں قحط پڑا تو حضرت موسیٰؑ نے خدا سے بارش کی دعا کی۔ وحی آئی کہ میں تمہاری اور ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ تم میں ایک ایسا چغل خور شخص موجود ہے جو چغل خوری سے باز نہیں آتا۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: "اے خدا! وہ شخص کون ہے؟ تاکہ ہم اسے اپنی جماعت میں سے نکال دیں۔"

خداوند عالم نے فرمایا: "میں خود تمہیں چغل خوری سے منع کرتا ہوں، پھر

دوسرے کا راز میں کیوں کر کھولوں۔"

اس پر ان سب نے مل کر توبہ کی اور اس چغل خور نے بھی ان سب کے ساتھ توبہ کی۔ اس کے بعد ان کے لئے پانی برسا۔ (وسائل الشیعہ کتاب حج)

چغل خوری کے معنی

شیخ انصاریؒ نے مکاسب میں فرمایا ہے کہ چغل خوری قرآن، سنت، اجماع اور عقل کی رو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسی بات بیان کرنا ہے جو کسی نے کسی شخص کے بارے میں کہی ہو۔ چنانچہ سننے والا اس شخص کو خبر دیتا ہے اور اس کے سامنے وہ بات دہراتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک بات کرنے والا اس بات پر رضامند نہ ہو کہ اس کی بات دوسرے شخص تک پہنچائی جائے ایسا کرنا چغل خوری کے علاوہ غیبت بھی ہے اور اس کا کرنے والا سزا کا بھی مستحق ہے اور جس قدر چغل خوری کا فساد زیادہ ہوگا اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

شہید ثانیؒ "کشف الریبہ" میں فرماتے ہیں: "چغل خوری ایسے بھید کا کھول ڈالنا ہے جس کا کھلنا بات کرنے والے کے نزدیک برا ہے یا اس شخص کے نزدیک برا ہے جس کے بارے میں وہ بات کہی گئی ہے اور جس سے بیان کی جاتی ہے یا تیسرے شخص کی نظر میں برا ہے چاہے یہ انکشاف زبانی ہو یا تحریری ہو یا اشارے کنارے سے ہو یا عمل سے ہو یا عیب اور برائی کی بات ہو یا نہ ہو کیونکہ در حقیقت چغل خوری چھپے ہوئے بھید کا انکشاف اور چھپی ہوئی باتوں کی توہین ہے جن کے ظاہر ہو جانے سے دو بڑے نتیجے برآمد ہوتے ہیں بلکہ لوگوں کا جو حال نظر آتا ہے مناسب یہ ہے کہ اس میں سے اتنا ہی بیان کیا جائے جتنا کسی مسلمان کے حق میں مفید ہو یا جس سے گناہ دور ہو۔ چنانچہ اگر یہ دیکھے کہ کسی نے دوسرے کا مال اڑا لیا اور اس سے گواہی طلب کی جائے تو

اسے چھپانا نہیں چاہیے اور اگر یہ دیکھے کہ کسی نے اپنا مال کسی جگہ چھپا دیا تو دوسرے شخص سے اس کا بیان چغل خوری اور بھید کھول دینا ہے اور اگر اس کے بیان سے بھید والے کا کوئی نقص یا عیب بھی سامنے آجاتا ہے تو پھر یہ غیبت بھی ہو جاتی ہے۔"

آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ چغل خوری کے کئی اسباب ہوتے ہیں:

اول: اس شخص سے برائی کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کی نیت جس کی بات دہرائی جاتی ہے۔

دوم: اس شخص سے دوستی اور اپنی خیر خواہی ظاہر کرنا جس سے یہ بات کی جاتی ہے۔

سوم: خوش مزاجی ظاہر کرنا اور زیادہ باتیں بنانا۔

اس کے بعد اس شخص کے جس سے چغل خوری کی جاتی ہے چھ فرائض ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ فلاں شخص نے تمہارے متعلق ایسا ایسا کیا ہے یہ وہ تمہارا کام بگاڑنے اور حالت تباہ کرنے کے درپے ہے تو تم پر اس کے مقابلے میں چھ چیزیں لازم ہیں:

اول: یہ کہ اس کی بات کا یقین ہی نہ کرو اور اس کی بات ہی نہ مانو کیونکہ چغل خور گناہگار ہوتا ہے اور خدا فرماتا ہے کہ اگر کوئی گناہگار تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اسے نہ مانو بلکہ ادھر ادھر سے اس کی جانچ پڑتال کرو۔

دوم: اسے چغل خوری سے منع کرو اور نصیحت کرو اور اس کے کام کو برا سمجھو کیونکہ خدا فرماتا ہے امر بہ معروف اور نہی از منکر کرو۔

سوم: خدا کے لئے اس کی گفتگو کی وجہ سے اسے دشمن سمجھو کیونکہ خدا چغل خور کو دشمن سمجھتا ہے اور خدا کے دشمن سے دشمنی رکھنا واجب ہے۔

چہارم: چغل خور کے کہنے کی وجہ سے اپنے دینی بھائی سے بدگمانی نہ کرو کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ بہت سے شکوک سے بچو۔ دراصل بعض شکوک و خیالات گناہ ہوتے ہیں۔ (اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم)

پنجم: اس کی بات پر تحقیق اور جستجو شروع نہ کرو کیونکہ خدا فرماتا ہے: "ولا تجسسوا" یعنی شبہے کی وجہ سے جستجو نہ کرو بلکہ اسے ایسا جانو جیسے سنا ہی نہیں۔

ششم: چغل خور کا کام اپنے لئے اچھا نہ سمجھو یعنی اسے اختیار نہ کرو اور اس کی گفتگو دوسرے سے بیان نہ کرو کہ اس سے تم بھی کہیں چغل خور اور غیبت کرنے والے نہ بن جاؤ۔

کتاب کشف الریبہ میں لکھا ہے کہ کسی عالم کا کوئی دوست تھا جو ایک دن اس سے ملنے آیا اور اس نے گفتگو کے دوران میں اس سے ایک ایسی بات بھی بیان کردی جو کسی دوسرے نے اس عالم کے لئے کہی تھی۔ اس پر اس عالم نے کہا: "تم ایک مدت کے بعد مجھ سے ملنے آئے تو تین خیانتیں بھی ساتھ لیتے آئے۔ ایک یہ کہ تم نے میرے اور اس شخص کے درمیان میں دشمنی پیدا کردی۔ دوسرے یہ کہ میرے بے فکر اور آزاد دل کو اس کی باتوں میں الجھادیا۔ اس کے علاوہ تیسرے یہ کہ تم نے اپنے آپ کو میرے نزدیک خیانت کا مرتکب بنادیا۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص دوسرے کی باتیں تم سے لگاتا ہے وہ تمہاری باتیں بھی دوسرے سے لگائے گا۔ اس لئے اس کا اعتبار مت کرو۔

جس نے دوسروں کے عیب تمہارے سامنے گنا ڈالے
وہ یقیناً تمہارے عیب بھی دوسروں سے جا کر بیان کرے گا

اس سے تو سخت پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے بعد حکایت بیان فرماتے ہیں:

ایک شخص غلام بیچ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اس کے کہ یہ چغل خور ہے۔ گاہک کہنے لگا: "کوئی بات نہیں۔" اور اس نے اسے مول لے لیا۔ غلام نے مالک کی بیوی سے کہا: "آقا تمہیں پسند نہیں کرتے وہ ایک لونڈی خریدنا چاہتے ہیں۔ جب وہ سو جائیں تو تلوار لے کر ان کے گلے کے نیچے کے چند بال کاٹ کر مجھے دے دینا تاکہ میں جادو کروں جس سے وہ تم پر عاشق ہو جائیں۔" ادھر خواجہ سے اس نے کہا کہ یہ عورت کسی اور پر عاشق ہے اور آپ کو قتل کرنا چاہتی ہے۔ ذرا اپنے کو سوتے میں ڈال کر دیکھئے تو کہ یہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ شوہر سوتا بن گیا۔ اس نے دیکھا کہ بیوی تلوار ہاتھ میں لئے آئی۔ جب قریب پہنچی تو اس نے اس کی ڈاڑھی پکڑلی۔ شوہر کو یقین آگیا کہ وہ اسے مار ڈالے گی۔ اس لئے وہ کود کر الگ جا کھڑا ہوا اور اس نے اسی تلوار سے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا۔ بیوی کے رشتے دار آئے اور انہوں نے شوہر کو مار ڈالا اور شوہر کے رشتے دار آگئے ان میں لڑائی چھڑ گئی اور بہت خون خرابا ہوا۔

۳ مؤمن کی آبروریزی کرنا

مذاق، گالی، طعنہ، تذلیل، توہین، پھٹکار، ہجو اور آزار رسانی سے مؤمن کی آبروریزی کرنا تیسرا گناہ کبیرہ ہے جس کے لئے خداوند عالم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے، مؤمن کی آبروریزی چاہے وہ جس طرح بھی ہو، چاہے ہنسی اڑانے سے یا گالی دینے سے اور برا بھلا کہنے سے یا عیب بیان کرنے سے یا ڈانٹ پھٹکار اور ملامت سے یا ذلیل کرنے سے، بے قدری کرنے سے، توہین کرنے سے یا ہجو کرنے سے اور اس کو آزار پہنچانے سے ہو۔

مؤمن باعزت ہوتا ہے

مؤمن کی شان میں جو آیتیں اور روایتیں ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کی شان اور شرافت میں خدا نے غیر معمولی اہتمام کیا ہے کہ اسے تمام محترم چیزوں سے زیادہ محترم اور اس کی آبروریزی کو بہت بڑا گناہ اور اس کا خون بہانے کے مانند شمار کیا ہے اور اسے اپنے آپ سے وابستہ سمجھ کر فرمایا ہے: "خدا ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے ہیں۔" (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷) "اور اپنے آپ کو ان کا دوست اور مددگار بتایا ہے۔" (سورۃ محمد آیت ۱۱) "اور مؤمنوں کی مدد اپنے اوپر واجب کرلی ہے۔" (سورۃ روم آیت ۴۷) "اسے حقیقی عزت دے کر اپنے اور اپنے پیغمبر کے پیچھے رکھا ہے۔" (سورۃ منافقون آیت ۸) "اسے بہترین اور سب سے اونچا انسان سمجھتا ہے۔" (سورۃ بینہ آیت ۷) "اور اپنے اشرف مخلوقات یعنی حضرت خاتم الانبیاءؐ کو ان کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔" (سورۃ شعراء

آیت ۲۱۵) "اپنی رحمت ان کے لئے واجب کردی ہے۔" (سورۃ انعام آیت ۵۴ و سورۃ توبہ آیت ۷۱) "اپنے آپ کو ان کی جان اور مال کا خریدار کہا ہے۔" (سورۃ توبہ آیت ۱۱۱) "انہیں پسند کرتا ہے اور وہ بھی خدا کو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔" (سورۃ مائدہ آیت ۵۴ اور سورۃ بقرۃ آیت ۱۶۵)

غرض خدا سے مؤمن کی نسبت اور وابستگی ظاہر ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ بزرگی سے جو توہین عزت وابستہ ہے وہ درحقیقت اسی بزرگ یعنی مؤمن کی توہین ہوگی۔ آنحضرتؐ کی روایت میں اس پر طعنہ زنی خدا پر طعنہ زنی اور اس کی بات کی کاٹ خدا کی بات کی کاٹ بتائی گئی ہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۵۹) اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم مؤمن کا حق کعبے کے حق سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ (سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۲۹۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کی آبروریزی کرنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ محترم قارئین کی معلومات کے لئے مذکورہ عنوانات میں سے ہر عنوان سے خصوصیت رکھنے والی آیتیں اور حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) مذاق اڑانا

کسی شخص کی گفتگو یا عمل یا خصوصیت یا عادت اس طرح بیان کرنا جس سے دوسروں کو ہنسی آجائے چاہے گفتگو سے ہو یا عمل سے، اشارے سے ہو یا کنائے سے اس کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید اور روایتوں میں اس کے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں کہا گیا ہے: "جو لوگ ہنسی ہنسی میں خیرات کرنے والے مؤمنوں کے عیب نکالتے ہیں۔ ان کی بخششوں (خیراتوں) اور خود ان میں بھی برائیاں بتاتے ہیں کہ ان کے پاس اتنا مال ہی نہیں ہے جو اپنی طاقت

اور حیثیت سے زیادہ خدا کی راہ میں خرچ کر سکیں۔ خدا ان مذاق اڑانے والوں کی ہنسی اڑاتا ہے (یعنی ان کی ہنسی کا انہیں بدلہ دیتا ہے) اور ان کے لئے تکلیف دینے والا اور دردناک عذاب ہے۔ (آیت ۷۹)

اس آیت کی شان نزول میں بہت سی روایتیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تبوک کی لڑائی میں رسول خدا نے اسلام کی فوج کے اخراجات کے لئے حکم دیا کہ جو کوئی جتنا دے سکتا ہو دے۔ بعض مالدار بہت سا مال لائے اور بعض مفلسوں نے جن کے پاس کم تھا کم دیا۔ چنانچہ ابو عقیل انصاری تقریباً پونے دو سیر کھجوریں لائے اور بولے میں نے گزشتہ رات کو صبح تک کام کیا جس کی مزدوری میں مجھے ساڑھے تین سیر کھجوریں ملی تھیں۔ آدھی میں نے اپنے بچوں کے لئے چھوڑ دیں اور آدھی خدا کی راہ میں دے دیں۔ منافقوں نے دونوں باتوں کی ہنسی اڑائی اور دونوں میں عیب نکالا۔ جنہوں نے زیادہ مال دیا ان کے لئے کہتے تھے کہ دھوکا اور ریا ہے اور اتنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے دیا ہے اور جنہوں نے کم دیا تھا ان کے لئے کہتے تھے کہ انہوں نے کچھ صدقہ اس لئے دے دیا ہے کہ خیرات کرنے والوں میں شامل ہو جائیں اور لوگوں کو اپنی یاد دلائیں۔

مومنوں کی ہنسی اڑانے والوں کی سزا ایک تو ان کے ساتھ خدا کا مذاق ہے اور دوسرے جہنم ہے جو ان کی جائے قرار ہے۔ اللہ کے مذاق سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں کچھ باتیں کہی گئی ہیں مثلاً خدا ہنسی اڑانے والوں کو دنیا میں مہلت دیتا ہے اور ناز و نعمت میں مشغول رکھتا ہے جب ان کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں ہلاک کر دیتا ہے اور یہ بات اس لئے مذاق بن جاتی ہے کہ یہ مہلت اور ناز و نعمت ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ہلاکت ہوتی ہے اور یہ آخرت کا مذاق اس لئے ہے کہ جب

مؤمنین بہشت میں اپنے اپنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور کافر دوزخ میں پڑے ہوں گے اس وقت خدا کے حکم سے بہشت کی طرف دوزخ کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ جب منافق بہشت کو دیکھیں گے تو بہت پھرتی سے اس کے دروازے تک پہنچیں گے اور بہشتیوں کو عالی شان مقامات پر بیٹھا پائیں گے لیکن جیسے ہی بہشت میں داخل ہونا چاہیں گے فوراً دروازہ بند ہو جائے گا اور مؤمنین ان پر ہنس پڑیں گے۔ دنیا میں ان کے ہنسی اڑانے کا یہ جواب ہو گا۔

آج مؤمنین کافروں پر ہنسیں گے

سورۃ تطفیف میں خدا فرماتا ہے: "واقعی گنہگار مؤمنوں پر ہنستے ہیں اور جب ان سے کہیں مل جاتے ہیں تو بلا تاخیر بھاگتے ہیں اور آپس میں آہستہ آہستہ اور اشاروں میں عیب جوئی کرنے لگتے ہیں۔" (آیات ۲۸ و ۲۹) پھر فرماتا ہے: "قیامت میں مؤمنین جب بہشت میں مقیم ہوں گے اور تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ کافروں پر ہنسیں گے یعنی جو کافر دنیا میں مؤمنوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اس کے جواب میں وہ آخرت میں مؤمنوں کی ہنسی کا نشانہ بنیں گے۔ (آیت ۳۴)

ان آیتوں میں مؤمن پر ہنسنے والے کو گنہگار اور مجرم کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں گناہ میں ڈوبا ہوا، کفر کا رخ کرنے والا، سچائی اور نیکی سے دور اور قیامت میں انہیں مؤمنوں کے مقابل میں جگہ ملے گی جو بہشت میں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ بہشت کے مقابل دوزخ ہے۔

شاید وہ لوگ بہتر ہوں

خدا سورۃ حجرات میں فرماتا ہے: "اے ایمان لانے والو! تمہارا ایک گروہ دوسرے گروہ کی ہنسی نہ اڑائے۔ ہو سکتا ہے کہ ہنسی اڑانے والوں سے وہ بہتر ہوں جن

کی ہنسی اڑائی جائے (درجے کی بلندی اور خدا کے نزدیک اعلیٰ مرتبے کے باعث) اور نہ عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں شاید وہ بہتر ہوں اور نہ اپنے لوگوں کو طعنہ دو اور نہ ان کی عیب جوئی کرو (یعنی اپنے ہم مذہبوں کی ہنسی نہ اڑاؤ۔ چونکہ تمام مومنین نفس واحد کی طرح یعنی ایک ذات ہیں اس لئے دوسرے کی عیب جوئی اپنی ہی عیب جوئی ہوگی) اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو۔" (آیت ١١)

تفسیر مجمع البیان میں بیان کیا گیا ہے کہ ثابت بن قیس جب پیغمبرؐ کی مجلس میں آتے تھے تو اصحاب ان کے اونچا سننے کی وجہ سے انہیں رسول خداؐ کے قریب ہی جگہ دے دیتے تھے تاکہ آنحضرتؐ کی باتیں سن سکیں۔ ایک دن صبح کی نماز کے لئے وہ آخری صف میں جا کھڑے ہوئے۔ نماز کے بعد اٹھے اور لوگوں پر پاؤں رکھتے ہوئے جا رہے تھے کہ ان کے اور پیغمبرؐ کے درمیان صرف ایک آدمی کا فاصلہ رہ گیا۔ انہوں نے اس شخص سے کہا کہ ہٹ جاؤ تاکہ میں رسول خداؐ کے قریب بیٹھ سکوں۔ اس شخص نے کہا: "وہیں بیٹھ جاؤ۔" ثابت خفا ہو کر وہیں بیٹھ گئے۔ جب اجالا ہوا تو ثابت نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا: "تو کون ہے؟" اس نے کہا: "میں فلاں ہوں۔" ثابت نے کہا: "فلاں ولد فلانی۔" اور اس کی ماں کا نام لیا جو اسلام سے پہلے زنا اور عیاشی کیلئے بدنام تھی۔ وہ شخص اس ملامت سے شرمندہ ہو گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

ولانساء من نساء کے بارے میں لکھا ہے: انس کہتے ہیں کہ ایک دن ام سلمہ نے کمر سے سفید ازار باندھ رکھی تھی اور اس کا سرا پیٹھ کے پیچھے چھوڑ رکھا تھا جو زمین پر گھسٹتا جاتا تھا۔ عائشہ کو مذاق سوجھا تو حفصہ سے کہا: "ازار کا جو سرا ام سلمہ اپنے پیچھے گھسیٹ رہی ہیں وہ ایسے لگتا ہے جیسے کتے کی زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی ہو۔"

نیز پیغمبرؐ کی بیوی، حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کو بھی ملامت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ : "اے یہودی کی اولاد۔"

خدا نے وحی بھیجی : "ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو۔"

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں : "قیامت میں ہنسی اڑانے والوں کو لائیں گے۔ ان میں سے ایک کے لئے بہشت کا دروازہ کھولیں گے اور اس سے کہیں گے پھرتی سے اس میں داخل ہو جاؤ۔ وہ رنج و غم کے ساتھ داخل ہونے کے لئے بڑھے گا کہ دروازہ بند کر دیں گے۔ پھر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس سے کہیں گے کہ جلدی سے داخل ہو جاؤ۔ جیسے ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچے گا دروازہ بند کر دیں گے۔ وہ اسی طرح مصیبت میں گرفتار اور پریشان ہو گا لیکن کسی دروازے سے بھی اندر نہیں جا سکے گا آخر کار ناامید ہو جائے گا۔ چنانچہ جب اس سے پھر کہیں گے کہ جلدی سے آتو وہ نہیں آئے گا۔" (محجۃ البیضاء جلد ۵ صفحہ ۳۲۶)

(۲) گالی اور طعن

مؤمنوں کو بری باتوں سے نسبت دینا اور ان کے لئے برے برے الفاظ استعمال کرنا۔ فقیہوں کی بول چال میں زنا اور حرام زادگی کی نسبت کو قذف کہتے ہیں جس کا پہلے باب میں ذکر ہو چکا ہے اور دوسری بری نسبتوں کو گالی کہتے ہیں۔ مثلاً اے سود کھانے والے، شرابی، ملعون، بے ایمان، خچر، کتے، اے سور، گناہگار، بدکار وغیرہ جن سے مخاطب کو ذلیل و خوار کرنا مراد ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں : "مؤمن کو گالی دینا گویا اسے ہلاکت کے قریب پہنچانا ہوتا ہے۔" (سباب المؤمن کالمشرف علی الھلکۃ. (کافی) اور شاید مراد

یہ ہے کہ مؤمن کو گالی دینا کفر کے قریب پہنچنا اور دین سے خارج ہو جانا ہے کیونکہ کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنے کا انجام کفر ہوتا ہے۔

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "مؤمن کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے، اس سے لڑنا کفر اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) گناہ ہے اور اس کا مال اس کے خون کی طرح حرام رکھا گیا ہے۔" (کافی)

علامہ مجلسیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: "یہاں فسق کے معنی گناہ کبیرہ کے ہیں جو کفر کے قریب ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گالی دینے کا گناہ غیبت سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ مؤمن کو غیبت کے مقابلے میں گالی سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ گالی میں تکلیف منہ پر اور غیبت میں تکلیف پیٹھ پیچھے ہوتی ہے۔"

شرح قتالہ کفر میں فرماتے ہیں: "وہ کفر مراد ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے کہا جاتا ہے یا اس موقع کے اعتبار سے ہے جو اس کے قتل کو حلال شمار کرتا ہے یا اس کے ایمان کے باعث اس سے لڑتا ہے یا یہ کہ مؤمن سے لڑنا کفر کا سبب ہوتا ہے۔

بدترین موت

حضرت باقرؑ فرماتے ہیں: "جو شخص مؤمن کے منہ پر اسے طعنہ دے گا وہ بدترین موت پائے گا اور اس بات کا مستحق ہو گا کہ پھر نیکی کی طرف نہ پلٹے۔" (کافی)

مجلسیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہیں: "بدترین موت یا دنیا کے لحاظ سے ہے مثلاً ڈوبنا یا جلنا یا عمارت کے تلے دب جانا یا جانور کی خوراک بن جانا وغیرہ یا آخرت کے لحاظ سے ہے مثلاً یہ کہ کافر مرے یا توبہ کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جائے

اور نیکی سے مراد توبہ اور نیک عمل یا ایمان ہے۔"

کبھی کبھی مظلوم بھی ظالم ہو جاتا ہے

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں جو ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں فرمایا ہے کہ جو شروع میں گالی دیتا ہے وہ زیادہ ظالم ہے اور اپنا اور دوسرے کا گناہ اسی کی گردن پر ہے جب تک مظلوم یعنی دوسرا فریق حد سے نہ گزر جائے (کافی) یعنی اگر دوسرا فریق اس کے جواب میں حد سے گزر گیا تو پھر اس کا گناہ اسی کی گردن پر ہوگا۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ مجلسیؒ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں شخصوں کی گالیوں کا گناہ اس شخص کے ذمے ہے جس نے ابتداء میں گالی دی ہے کیونکہ حرام فعل پہلے اسی سے سرزد ہوا ہے اور دوسرے فریق کے ارتکاب گناہ کا باعث بھی یہی بنا ہے۔ اگر وہ گالی نہ دیتا تو دوسرا فریق بھی خاموش رہتا۔ جواب میں دوسرے فریق کی گالی اگرچہ گناہ کی تلافی ہے لیکن خدا نے وہ گناہ ابتدا کرنے والے کے ذمے ہی رکھا ہے بشرطیکہ فریق ثانی حد سے تجاوز نہ کرے اور اگر وہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو اپنی زیادتی کی وجہ سے وہ خود گالی کی ابتدا کرنے والا بن جاتا ہے۔

گالی دہرا کر یا زیادہ سخت گالی دے کر حد سے تجاوز کرنا

جواب میں زیادتی کبھی بار بار گالی دینے سے ہوتی ہے۔ مثلاً شروع میں گالی دینے والا ایک بار کہتا ہے اے کتے! وہ جواب میں دوبار کہتا ہے اے کتے! اے کتے! کبھی جواب میں زیادتی زیادہ سخت گالی دینے سے ہوتی ہے۔ مثلاً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا ہے اے گدھے! یہ کہے اے کتے! یہ جو کہا گیا ہے کہ جب کوئی دوسرا کا جواب دیتا ہے تو اس کا گناہ بھی شروع کرنے والے کی گردن پر ہوتا ہے ایسی صورت

سے متعلق کہا گیا ہے کہ جب اصل گالی قذف یا جھوٹ نہ ہو۔ تو اگر کوئی کہے اے زنا کرنے والے! یا اے چور! تو جب تک گالی دینے والا چور نہ ہو اس کے جواب میں دوسرا یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے چور! غرض یہ ہے کہ گالی کے جواب میں ایسی گالیوں تک محدود رہنا چاہیے جو ڈانٹنے پھٹکارنے کے موقعے کے لئے مشہور ہیں۔ مثلاً کہنا اے بیوقوف، جاہل، ظالم، غافل وغیرہ۔

بدزبان پر بہشت حرام ہے

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "واقعی خدا نے ہر ایسے بے آبرو گالی دینے والے اور بے شرم پر بہشت حرام کر دی ہے جسے اس بات میں کوئی جھجک ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس سے کیا کہا جائے گا کیونکہ درحقیقت اگر اس کی تحقیق کی جائے تو یا تو یہ زنا سے ہے یا اس میں شیطان شریک ہے۔" عرض کیا گیا: "اے رسول خداؐ! آدمیوں کے بیچ میں شیطان بھی شریک بھی ہوتا ہے؟" تو آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں پڑھا کہ اور تو اے شیطان! مال اور اولاد میں ان لوگوں کا شریک ہو جانا۔" (کافی۔ باب البذاء)

علامہ مجلسیؒ نے شیخ بہائی سے نقل کیا ہے کہ شاید اس سے یہ مراد ہے کہ جتنی مدت تک بہشت اس پر حرام ہے یا کوئی مخصوص بہشت مراد ہے جس سے وہ محروم ہے اور جو گالی نہ دینے والے مؤمن کے لئے تیار کی گئی ہے۔

سماعہ کہتا ہے کہ میں حضرت امام صادقؑ کے پاس گیا۔ آپؑ نے مجھ سے بات شروع کی: "اے سماعہ! یہ کیا جھگڑا تھا جو تیرے اور تیرے اونٹ والے کے درمیان کھڑا ہو گیا ایسا نہ ہو کہ تو گالی بکنے والا، بدزبان اور لعنت بھیجنے والا بن جائے۔" میں نے جواب میں کہا: "خدا کی قسم ایسا ہی ہوا کیونکہ اس نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔" آپؑ نے

فرمایا: "اگر اس نے تجھ پر ظلم کیا تھا تو تو بھی اس کے سر پڑ گیا اور تو نے زیادہ ظلم کیا۔ واقعی یہ ہمارا عمل نہیں ہے۔ میں اپنے شیعوں کو ایسا حکم نہیں دوں گا۔ اپنے پروردگار سے معافی مانگ اور پھر ایسا نہ کرنا۔" (کافی)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی مؤمن کو ایک لفظ سے بھی طعنہ دے گا، برا کہے گا خدا اس پر بہشت کی خوشبو حرام کردے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو پانچ سو سال کے فاصلے سے آتی ہے۔" (مستدرک کتاب حج باب ۱۳۹)

اس کے بارے میں روایتیں بہت سی ملتی ہیں لیکن جو کچھ کہا جا چکا ہے وہی کافی ہے۔

یہاں دو باتیں کہنا ضروری ہیں ایک یہ کہ جب کسی مؤمن کو گالی دی گئی تو چونکہ اس کو دکھ پہنچایا گیا ہے اس لئے آخرت کے عذاب اور سزا کے علاوہ اس مؤمن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حاکم شرع سے گالی دینے والے کی شکایت کرے تاکہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اسے سزا دے جیسا کہ قذف کی گفتگو میں بیان کیا جا چکا ہے کہ گالی دینے والا جس کو گالی دیتا ہے اگر اس سے معافی مانگ لیتا ہے اور اسے منا لیتا ہے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اگر اس گناہ پر شرمندہ ہو جائے اور خدا سے معافی مانگ لے تو اس سے عذاب آخرت بھی اٹھ جائے گا۔

گالی جس کسی کو دی جائے

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "گالی گلوچ اور بدزبانی ظلم ہے اور ظلم جہنم کا مستحق ہے۔" (کافی)

محقق بزرگوار مرحوم میرزا محمد تقی شیرازی مکاسب کے حاشیے میں لکھتے ہیں: روایتوں کے مطابق فحش (گالی) حرام ہے چاہے جس کسی کو دی جائے چاہے وہ

مسلمان اور مؤمن ہو یا کافر اور گناہگار (فاسق)، چھوٹا ہو یا بڑا بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ چاہے بچہ اور بے شعور ہو بلکہ بعض روایتوں میں تو جانوروں کو بھی برا بھلا کہنے اور گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب میں گالی کا حرام ہونا

مخالف (سنی) یا کافر کو دی جانے والی گالی اگر پلٹا دی جائے اور جواب میں اسے یا کسی دوسرے مؤمن کو دے دی جائے تو جائز نہیں ہے۔ چنانچہ دنیا کی کسی قوم کے دینی مقدسات کو گالی دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس قوم کا گالی سننے والا کوئی فرد پلٹ کر دین الہی کے مقدسات کو گالی دے سکتا ہے اس وقت گناہ گالی کی ابتد کرنے والے کے ذمے ہوگا یہی وجہ ہے کہ سورۃ انعام میں اس بات سے صاف صاف منع فرمایا گیا ہے۔

تفسیر المیزان میں لکھا ہے کہ اس دینی ادب کو ملحوظ خاطر رکھو کہ دینی مقدسات اس احترام کی وجہ سے توہین اور ہنسی سے محفوظ رہتے ہیں چونکہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے مقدسات کا احترام بچانے کے لئے ان لوگوں کے مقابلے پر کھڑا ہو جاتا ہے جو حد سے بڑھ جاتے ہیں اور اکثر اوقات غیظ و غضب کی شدت ان لوگوں کے مقدسات کو برا بھلا کہنے پر مجبور کر دیتی ہے اور چونکہ یہ ممکن ہے کہ مسلمان اپنے پروردگار کا بچاؤ کرنے کے لئے بتوں کو گالیاں دیں جس کے جواب میں مشرکین مجبور ہو جائیں کہ خدا کے حریم مقدس کی توہین کریں اس لئے خدا انہیں (مسلمانوں کو) حکم دیتا ہے کہ مشرکوں کے خداؤں کو برا نہ کہو کیونکہ اگر تم برا کہو گے اور جھگڑے کی صورت میں وہ بھی خدا کے حریم مقدس کی ایسی ہی توہین کریں گے تو در حقیقت خدا کی توہین کی ذمہ داری خود مؤمنین پر ہی آپڑے گی۔

(۳) مؤمن کو ذلیل اور بے وقار کرنا

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی مؤمن کو افلاس اور ناداری کی وجہ سے چھوٹا اور حقیر سمجھے گا خدا اسے قیامت میں خلائق کے سامنے رسوا کرے گا۔" (کافی۔ باب الایمان والکفر)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو کوئی حاجت مند یا غیر حاجت مند مؤمن کو ذلیل سمجھے گا خدا اسے اس وقت تک ذلیل اور دشمن سمجھے گا جب تک کہ وہ اس مؤمن کو ذلیل سمجھنے سے باز نہیں آجاتا۔" آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جب قیامت کا دن آئے گا تو منادی آواز دے گا کہ میرے دوستوں سے منہ پھیرنے والے کہاں ہیں؟ اس پر کچھ ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کے چہروں پر گوشت نہیں ہو گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مؤمنوں کو ستایا، ان کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے، ان سے دشمنی برتی اور ان کے دین کے باعث ان پر سختی کی۔ اس کے بعد حکم دیا جائے گا کہ انہیں دوزخ میں ڈال دو۔" آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا فرماتا ہے: "جو کوئی میرے کسی دوست کی بے عزتی کرتا ہے اس نے میرے خلاف لڑائی میں پوزیشن سنبھال لی ہے اور میں اپنے دوست کی مدد کرنے میں ہر چیز سے زیادہ پھرتیلا ہوں۔" (کافی)

ابو ہارون کہتا ہے کہ میں حضرت امام صادقؑ کی مجلس میں حاضر تھا جب حضرت نے حاضرین سے فرمایا: "تم ہمیں کیوں ذلیل کرتے ہو؟" اس پر ایک خراسانی شخص کھڑا ہوا اور بولا: "خدا ہمیں اس بات سے پناہ میں رکھے کہ ہم آپؑ کو یا آپؑ سے متعلق کسی چیز کو بھی ذلیل کریں۔" آپؑ نے فرمایا: "ہاں ہاں واقعی تو خود مجھے ذلیل کرنے والوں میں سے ایک ہے۔" اس نے کہا: "خدا کی پناہ جو میں نے کبھی آپؑ کو ذلیل کیا ہو۔" آپؑ نے فرمایا: "تجھ پر افسوس ہے کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب ہم

لوگ جحفہ کے نزدیک تھے تو ایک شخص نے تجھ سے درخواست کی تھی کہ اسے میل بھر کے لئے سوار کرلے اور کہا تھا کہ خدا کی قسم میں پیدل چلتے چلتے تھک گیا ہوں اور عاجز آچکا ہوں لیکن تو نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ تو نے اسے بے شک حقیر جانا اور مؤمن کو حقیر جاننے والے نے مجھے ذلیل کیا اور خدا کی عزت کھودی۔" (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۸)

(۴) مؤمن کو برا بھلا کہنا اور رسوا کرنا

حضرت امام باقرؑ اور حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "وہ طریقہ جو انسان کو کفر کے نزدیک پہنچا دیتا ہے یہ ہے کہ اپنے کسی دینی بھائی کے ساتھ ساتھ رہے اور اس کی غلطیاں اور خطائیں جمع کرتا جائے اور پھر ایک دن ان کی وجہ سے اسے سخت سست کہے۔" (کافی کتاب الایمان والکفر)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لائے ہو لیکن تمہارے دلوں میں ابھی ایمان نے جڑ نہیں پکڑی ہے مسلمانوں کو جھڑکیاں نہ دو اور ان کی عیب جوئی نہ کرو کیونکہ جو کوئی ان کی عیب جوئی کرے گا خدا اس کی عیب جوئی کرے گا اور جس کی خدا عیب جوئی کرے گا اسے رسوا بھی کردے گا چاہے وہ اپنے گھر میں ہی رہتا ہو۔" (کافی باب الایمان والکفر)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص کسی مؤمن کو برا بھلا کہے گا خدا اسے دنیا اور آخرت میں ملامت کرے گا۔" (کافی)

یہی بات پیغمبر اکرمؐ بھی فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی برے کام کا پردہ کھولتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے وہ کام کیا ہے اور جو کوئی کسی مؤمن کو کسی بات پر برا بھلا کہے گا وہ اپنے مرنے سے پہلے خود بھی اس بات کا مرتکب ہوگا۔" (کافی)

واضح رہے کہ ملامت کرنے کا حرام ہونا نہی از منکر کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دراصل نہی از منکر نصیحت اور ہمدردی ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے اور وہ ملامت اور جھڑکی سے الگ چیز ہے۔

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: "جو کوئی ایسی حکایت بیان کرتا ہے جو کسی مؤمن کو نقصان پہنچانے والی ہوتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے گندہ کرے اور آبروریزی کرے جس سے وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو جائے خدا اسے اپنے آپ سے بے تعلق کرکے شیطان کی طرف دھکیل دے گا لیکن شیطان بھی اسے قبول نہیں کرے گا۔" (کافی باب الروایہ علی المؤمن)

اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں: "یعنی وہ کوئی ایسی حکایت بیان کرے جس سے اس مؤمن کی کم عقلی اور رائے کی کمزوری ثابت ہوتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمل کی حکایت بھی اس میں شامل ہو۔"

یہاں ثابت ہونے (ولالت) سے محبت اور تائید کرنا مراد ہے اور شاید شیطان کا اس کو قبول نہ کرنا یہ ہو کہ شیطان کی غرض انسان کی گمراہی اور ہلاکت اور خدا سے اس کا جدا ہونا ہے اور چونکہ اس کا یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے اس لئے اب اس سے کوئی غرض باقی نہیں رہی اور وہ اس سے دور رہنا چاہتا ہے۔

محمد بن فضیل نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے عرض کیا: "قربان جاؤں! میں اپنے دینی بھائی کی کوئی ایسی بات سنتا ہوں جو بری ہے اور جو مجھے ناگوار گزرتی ہے اس کے بعد میں اپنے بھائی سے پوچھتا ہوں کہ میں نے تیری بابت سنی ہے کیا یہ سچ ہے؟ تو وہ انکار کرتا ہے حالانکہ مجھے جن لوگوں نے اطلاع دی تھی وہ معتبر اور ثقہ ہیں۔" آپ نے فرمایا: "اے محمد! اپنے بھائی کے بارے میں اپنے آنکھ اور کان کو

جھوٹا سمجھ یعنی یہ کہہ کہ میری آنکھ اور میرے کان نے غلط دیکھا اور غلط سنا۔ اگر پچاس اشخاص بھی تیرے بھائی کے بارے میں کوئی بات کہیں اور وہ انکار کرے تو تو اپنے بھائی کو ہی سچا سمجھ اور انہیں جھٹلا یعنی یہ کہہ کہ ان سے غلطی ہوئی ہے اور وہ بات ظاہر نہ کر جسکی وجہ سے تو اسے برا، داغدار اور بے آبرو کر سکتا ہے کیونکہ اگر تو ایسا کریگا تو تیرا شمار ان لوگوں میں ہوگا جنکے بارے میں خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کیلئے جو مؤمنوں میں سے کسی مؤمن کے برے کام کو ظاہر کرنا پسند کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۵۷)

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی اپنے بھائی کی عیب جوئی اور اس کے چھپے ہوئے عیب کو ظاہر کرنے کی خاطر سفر کرے گا وہ اس راہ میں جو اپنا پہلا قدم اٹھائے گا وہ دوزخ میں رکھے گا اور خدا اسے قیامت میں سب لوگوں کے سامنے رسوا کرے گا اور اس کے چھپے ڈھکے عیب ظاہر کردے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۵۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی مؤمن کے خلاف کوئی حکایت بیان کرے گا تاکہ اسے گندہ کرے اور اس کی آبروریزی کرے خدا اسے ایسی جگہ رکھے گا جہاں جہنم کا خون، پیپ ہوگا (جس جگہ زناکار جنسی اعضا سے نکلی ہوئی گندگیاں جمع ہوں گی)۔" (حج۔ مستدرک باب ۱۳)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جس کسی کو کسی مؤمن کا کوئی گناہ معلوم ہو اور وہ اسے چھپانے کے بجائے ظاہر کردے اور اس مؤمن کی بخشش کے لئے دعا نہ کرے وہ شخص خدا کے نزدیک اسی کے برابر گناہگار ہوتا ہے اور اس کے گناہ کی ذمہ داری بھی اسی کے سر آجاتی ہے اور گناہ کرنے والا بخشا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں اس کا بدنام اور رسوا ہونا ہی اس کا کفارہ بن جاتا ہے پھر آخرت میں اس کی رسوائی نہیں ہوتی

چونکہ خدا کریم ہے وہ ایک گناہ پر بندے کو دو مرتبہ سزا نہیں دے سکتا اور نہ دو مرتبہ رسوا کر سکتا ہے۔" (تج۔ مستدرک باب ۷ ۱۳)

غرض اس گناہ کی اخروی سزا اسکے ظاہر کرنے والے کے ذمے ہے۔ اسکے بارے میں بھی بہت سی روایتیں ملتی ہیں لیکن اتنی ہی روایتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۵) مؤمن کی ہجو شعر یا نثر میں

شیخ انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "قرآن، سنت، اجماع اور عقل کی رو سے مؤمن کی ہجو کرنا حرام ہے کیونکہ مؤمن کی ہجو میں عیب جوئی، طعنہ زنی، غیبت کرنا، ملامت کرنا اور بھید کھولنا شامل ہے اور ان میں سے ہر ایک ہلاک کرنے والا گناہ کبیرہ ہے اس لئے وہ تمام چیزیں جو ان مذکورہ باتوں میں بیان کی گئیں اس میں بھی داخل ہیں اور اگر کسی ایسی بات کی ہجو کی جائے جو اس شخص میں موجود نہ ہو تو پھر یہ بہتان بھی ہے۔"

گناہگار مؤمن اور بے گناہ مؤمن کی ہجو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کی ہجو یکساں ہے اور جو روایت اس معاملے میں فاسقوں کی مذمت کے متعلق ملتی ہے اس سے بے ایمان لوگ یا وہ لوگ مراد ہیں جو ظاہر میں گناہ کرتے ہیں لیکن غیر مؤمن کی ہجو حرام نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی احترام نہیں ہے۔ ہر صاحب بدعت کی اس بات کی ہجو جو اس میں موجود ہے اس نیت سے جائز ہے کہ اسے پہچان لیا جائے اور کوئی اس کے جال میں نہ پھنسے۔

(۶) مؤمن کو دکھ دینا

خدا سورۂ احزاب میں فرماتا ہے: "جو لوگ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ان کے کچھ کئے بغیر (یعنی ایسا جرم کئے بغیر جس کی سزا میں انہیں اذیت دی جائے) دکھ

دیتے ہیں وہ بلاشبہ گناہ اور بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (یعنی جھوٹے الزام کے عذاب کے مستحق اور ظاہری سزا کے لائق ہیں)۔" (آیت ۵۸)

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "خدا فرماتا ہے کہ جو کوئی میرے مؤمن بندے کو ستاتا ہے وہ میرے خلاف لڑائی کا اعلان کرتا ہے اور جو شخص میرے مؤمن بندے کا احترام کرتا ہے وہ میرے غصے اور ناخوشی سے آسودہ اور بے خوف رہتا ہے۔" (کافی)

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی مؤمن کو ستاتا ہے وہ مجھے دکھ دیتا ہے اور جو مجھے دکھ دیگا وہ خدا کو دکھ پہنچائے گا اور جو خدا کو دکھ دے گا وہ توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن کی رو سے ملعون ہوگا۔" ایک اور حدیث میں ہے: "اس شخص پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔" (ج۔ مستدرک باب ۱۲۵)

اسی طرح آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو شخص کسی مؤمن کو رنجیدہ کرے گا پھر چاہے تمام دنیا بھی اسے دے دے گا اس کی دل شکنی کے گناہ کی تلافی نہیں ہو سکے گی اور دینے والے کو بھی اس کا اجر نہیں مل سکے گا۔"

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جس نے کسی مؤمن کو ناحق ستایا اس نے گویا دس بار مکہ معظمہ کو اجاڑ اور ایک ہزار خدا کے مقرب فرشتوں کو قتل کیا۔" (ج۔ مستدرک باب ۱۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کی عزت مکے اور بیت المعمور کی دس گنی اور ملائکہ کی ہزار گنی ہے۔

پڑوسی کو ستانے کی سزا بہت سخت ہوتی ہے

خدا نے کئی مقامات پر جن دوسرے لوگوں کا ستانا بہت زور دے کر حرام بتایا

ہے اور اس ستانے کے باعث دنیا اور آخرت کی سخت سزائیں تجویز کی ہیں ان میں پڑوسی بھی شامل ہے۔

انصار میں سے ایک شخص رسول خداؐ کے پاس آیا، اس نے عرض کیا کہ میں نے فلاں محلے میں ایک گھر مول لیا ہے اور میرا سب سے قریبی پڑوسی ایک ایسا شخص ہے جس سے مجھے بھلائی کی امید نہیں ہے اور میں اس کے شر سے محفوظ اور بے خوف نہیں ہوں۔ رسول خداؐ نے علیؑ، سلمانؓ، ابوذرؓ اور مقدادؓ سے فرمایا کہ مسجد میں جا کر اونچی آواز سے اعلان کر دیں کہ جس کا پڑوسی اس کے شر اور آزار سے محفوظ اور مطمئن نہیں ہے وہ ایمان نہیں رکھتا یعنی بے ایمان ہے۔ ان لوگوں نے تین بار یہ اعلان کیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے چالیس گھروں کے چالیس دروازوں کی دائیں اور بائیں طرف جو آپ کے سامنے تھے اشارہ فرمایا (یعنی چاروں طرف کے چالیس گھروں تک جو پڑوس میں ہیں اور جنہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے)۔ (کافی۔ کتاب العشرہ۔ باب حسن الجوار)

حضرت زہراؑ کے مصحف میں ہے کہ جو کوئی خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو نہیں ستاتا، مہمان کی عزت کرتا اور سچ بولتا یا چپ رہتا ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (کافی)

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "جو کوئی اپنے پڑوسی کو دکھ دے گا خدا اسے بہشت کی خوشبو سونگھنے سے محروم کر دے گا اور اس کی جگہ دوزخ ہوگی اور دوزخ بری جگہ ہے اور جو شخص اپنے پڑوسی کا حق ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جبرئیل مجھے پڑوسی کی اتنی سفارش کرتے رہے تھے کہ مجھے گمان ہوا پڑوسی کو بھی ورثہ میں سے

حصہ ملے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۸۶)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو اپنے پڑوسی کو ستائے گا اور جس کا پڑوسی اس کے آزار سے مطمئن اور امان میں نہیں رہے گا وہ بہشت میں نہیں جاسکے گا۔ (وسائل المستدرک کتاب حج باب ۷۲)

ایک دن اصحاب نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ: "فلاں عورت دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر عبادت کرتی ہے اور صدقہ خیرات بھی دیتی ہے لیکن اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے دکھ پہنچاتی ہے۔" رسول خداؐ نے فرمایا: "اس عورت میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ وہ اہل جہنم سے ہے۔" لوگوں نے کہا: "فلاں عورت صرف واجب نماز پڑھتی اور ماہ رمضان کے روزے رکھتی ہے اور اپنے پڑوسی کو نہیں ستاتی۔" آپؐ نے فرمایا: "وہ بہشت میں جائے گی۔" آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں، پہلا وہ پڑوسی جو تین حق رکھتا ہے اور وہ ایسا پڑوسی ہوتا ہے جو مسلمان اور رشتے دار ہے۔ دوسرا وہ جو دو حق رکھتا ہے اور وہ پڑوسی مسلمان ہے۔ تیسرا پڑوسی کافر جو صرف پڑوسی کا حق رکھتا ہے۔" (حج۔ مستدرک باب ۷۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو اپنے پڑوسی کو ستاتا ہے وہ ملعون ہے۔ ملعون ہے۔" (کافی)

آپؑ نے یہ بھی فرمایا کہ جب بن یامین حضرت یعقوبؑ کے پاس سے چلے گئے تو انھوں نے فریاد کی: "اے خدا! تو مجھ پر رحم نہیں فرماتا جو تو نے میرا بیٹا لے لیا اور میری آنکھیں بے نور کردیں۔" خدا نے ان پر وحی نازل کی: "اگر میں نے اسے مار ڈالا ہوگا تو اسے زندہ کردوں گا تاکہ اسے تجھ تک پہنچادوں، لیکن تو اس بھیڑ کو یاد کر جس کا سر تو نے کاٹ ڈالا تھا۔ اسے بھونا اور کھایا اور فلاں فلاں تیرے پڑوس میں بستے تھے

اور روزہ رکھتے تھے لیکن تو نے اس میں سے کچھ بھی تو انہیں نہیں دیا۔" (ج۔ مستدرک باب ۷۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد یعقوبؑ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ہر روز صبح کے وقت منادی ان کے گھر سے ایک فرسخ کے فاصلے تک اعلان کرتا تھا کہ جس کسی کو ناشتے کی ضرورت ہو وہ یعقوبؑ کے گھر آجائے اور شام کے وقت بھی ندا کرتا تھا کہ جو کوئی شام کا کھانا چاہتا ہے وہ یعقوبؑ کے گھر آجائے۔

اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پڑوسی کا حق کتنا اہم ہوتا ہے۔ پڑوسی کے حقوق بہت سی حدیثوں میں بیان کیے گئے ہیں لیکن اختصار کے خیال سے صرف ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

پڑوسی کے حقوق

پڑوسی سے مہربانی کا سلوک کرو اور اس سے بھلائی کرنے میں تامل نہ کرو، اسے جس چیز کی ضرورت ہو دے دو، اسے اپنے مال میں شریک سا سمجھو، اسے سلام کرو، جو باتیں وہ چھپائے رکھنی چاہتا ہے انہیں مت کریدو، بیماری میں اس کی مزاج پرسی، مصیبت میں ہمدردی اور اس کے غم میں شرکت کرو اور شادی میں اسے مبارکباد دو، اگر اس کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اسے چھپاؤ، اگر اس سے کوئی خطا ہو جائے تو معاف کر دو۔ اگر درمیانی دیوار پر وہ کچھ کرنا چاہے تو منع نہ کرو، اگر وہ اپنے پڑوسی کے میدان سے کوئی پائپ یا گٹر گزارنا چاہتا ہے تو نہ روکو، گھر کے سامان میں سے جو چیز اس کے لئے ضروری ہو اس کے دینے سے دریغ نہ کرو، اپنی آنکھیں پڑوسی کے اہل و عیال سے بند رکھو، جب وہ گھر میں نہ ہو تو اس کے گھر سے غافل نہ رہو، اس کی اولاد پر مہربانی کرو اور انہیں دین اور دنیا کی اچھی باتیں بتاؤ، اگر مدد چاہے تو

اس کی مدد کرو، اگر قرض مانگے تو ادھار دے دو۔ اس کی اجازت کے بغیر اپنے گھر کو اونچا نہ اٹھاؤ جس سے اس کے گھر کی ہوا رک جائے، جو مزیدار کھانا گھر میں لایا جاتا ہے پڑوسی کو بھی اس میں سے بھجواؤ یا ایسا ممکن نہ ہو تو چھپا کر رکھو تاکہ پڑوسی کے بچوں تک اس کی خوشبو نہ پہنچے اور انہیں بے چین نہ کرے۔ ممکن ہے پڑوسی بچوں کے لئے ایسی غذا مہیا نہ کر سکے۔

شوہر / بیوی کو ستانا

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو بیوی اپنے شوہر کو ستاتی ہے خدا اس کی نمازیں اور نیک کام اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ اپنے شوہر کی حق ادا نہیں کر دیتی اور اسے اپنے آپ سے راضی نہیں کر لیتی، چاہے وہ برابر دن میں روزہ رکھے، غلام آزاد کرتی رہے اور بہت سا مال خیرات کرتی رہے، وہ سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوگی۔"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "جو شوہر اپنی بیوی کو ستاتا ہے اس کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو بیوی کے بارے میں کہا گیا۔ جو کوئی اپنی بیوی کے برے برتاؤ کو برداشت کرے گا اور خدا سے اپنے صبر کا صلہ چاہے گا تو اسے بھی ہر بار صبر کرنے پر وہی صلہ ملے گا جو حضرت ایوبؑ کو صبر کرنے پر ملا تھا اور اس کی بیوی کے لئے ہر چوبیس گھنٹے میں ریگستان کی ریت کے ذروں کے برابر گناہ ہوں گے اور اگر اپنے شوہر کو اپنے آپ سے رضامند کرنے سے پہلے مر جائے گی تو منافقوں کے ساتھ اوندھے منہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں جائے گی۔ جو بیوی اپنے شوہر سے نباہ نہیں کرتی، شوہر جو خرچ دیتا ہے اس پر صبر نہیں کرتی، شوہر پر دباؤ ڈالتی ہے اور جس بات کی شوہر میں سکت اور طاقت نہیں ہوتی اس پر مجبور کرتی ہے تو خدا اس کا ایسا نیک کام

بھی قبول نہیں کرے گا جو آتش جہنم کو دور کرتا ہے اور اس وقت تک اس پر غصہ کرتا رہے گا جب تک کہ اس کا یہی طریقہ رہتا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۸۲؛

مفلس کو ستانا

خدا سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے: "تم جو خیرات دیتے ہو اسے لینے والے پر احسان جتا کر اور اسے دکھ پہنچا کر باطل نہ کرو۔" (آیت ۲۶۲) اور یہ بھی فرماتا ہے: "غریب سے اچھی اچھی باتیں اور بخشش اس خیرات دینے سے بہتر ہے جس کے بعد اسے دکھ پہنچے۔" (آیت ۲۶۳) مثلاً اس سے منہ پھیر لو یا اس سے رکھائی برتو یا خیرات اور صدقے کے عوض اسے کسی کام پر مجبور کرو۔

روایت ہے کہ جو کوئی نیک کام کر کے احسان جتاتا ہے وہ بہشت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ (لئالی الاخبار صفحہ ۲۷۷) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ اس پر بہشت حرام ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ غریبوں پر احسان دھرنے والا دنیا اور آخرت میں ملعون ہے اور والدین اور بہن بھائیوں پر احسان جتانے والا خدا کی رحمت اور اس کے فرشتوں کی مہربانی سے دور ہے، دوزخ کے قریب ہے، اس کی دعا قبول نہیں ہوگی، اس کی حاجت پوری نہیں ہوگی اور خدا دنیا اور آخرت میں اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

۴ مکرو فریب

چوتھا گناہ کبیرہ جس کے لئے جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے مکر اور غدر یعنی وعدہ خلافی اور دھوکا دینا ہے۔ چنانچہ روایات میں ان تینوں کی سزا آتش دوزخ بتائی گئی ہے۔ اصول کافی کی کتاب ایمان وکفر کے باب مکر و غدر و خدیعہ میں اس مضمون سے متعلق چھ حدیثیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے دو بطور نمونہ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "اگر مکرو فریب کی سزا آتش جہنم نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زیادہ مکار ہوتا۔" آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "بلاشبہ دھوکے بازی، عیاشی اور خیانت کی سزا آتش جہنم ہے۔" (کافی)

وسائل میں لکھا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "مسلمان کو مکر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ میں نے جبرئیلؑ سے سنا ہے کہ مکر اور دھوکے کا نتیجہ جہنم ہے۔" پھر فرمایا: "جو کوئی کسی مسلمان کو دھوکا دے یا اس سے خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۳۷) اور قریب قریب اسی مضمون کی کچھ اور حدیثیں نقل کی ہیں اور ویسے ہی مستدرک میں اس مضمون کی کچھ روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ مثلاً:

لوگوں نے امیر المؤمنینؑ سے کہا کہ جو آپ کا مخالف (معاویہ) ہے وہ جس حکومت پر قابض ہے اسے اس وقت تک معزول نہ کیجئے جب تک آپ کی حکومت مستحکم نہ ہو جائے۔ آپؑ نے فرمایا کہ مکر، فریب اور وعدہ خلافی کا انجام جہنم ہے۔ (مستدرک)

مکر، غدر اور خدعہ کے معنی

غدر کا جس کے معنی بے وفائی اور وعدہ خلافی کے ہیں۔ پہلے باب میں گناہ نمبر ۲۱ کے تحت تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے اور مکر اور خدعہ دونوں کے معنی دوسرے کے ساتھ اس طرح برائی کرنے کے ہیں کہ وہ سمجھ نہ پائے۔ مثلاً ظاہر میں اس کے ساتھ بھلائی لیکن باطن میں بدی ہو یا ظاہر میں تو یہ جتایا جائے کہ اس سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے اور درپردہ آزار رسانی کی گھات میں رہے۔ غرض مکر اور خدعہ دوغلا پن یعنی منافقت اور دورنگی یعنی ظاہر میں اچھا اور باطن میں برا ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک خدا، پیغمبر اور امام کے ساتھ مکر اور خدعہ اور دوسری قسم لوگوں کے ساتھ مکروفریب۔

خدا سے دھوکا

خدا سے دھوکے کی بدترین قسم منافقوں کا دھوکا ہے یعنی وہ لوگ جو اپنا کفر چھپائے رکھتے ہیں اور ظاہر میں اسلام اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے: "وہ خدا اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں لیکن یہ بات نہیں سمجھتے۔" (آیت ۹)

اگر یہ کہا جائے کہ خدعہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ شخص جسے دھوکا دیا جائے بے خبر ہو اور خدعہ کو نہ سمجھے تو پھر یہ خدعہ خدا کے ساتھ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ پیغمبر اور مومنوں سے فریب کرتے تھے تو وہی خدا کے ساتھ فریب کہلاتا ہے یا یہ کہ منافقین خدا سے اس طرح دھوکا اور فریب کرتے تھے کہ اپنا کفر چھپاتے اور ایمان ظاہر کرتے تھے۔

اس بات کے معنی کہ یہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں یہ ہیں کہ ان کے

فریب سے پیغمبر اور مؤمنوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ خود ہی چوٹ کھا جاتے ہیں کیونکہ یہ ہر نیکی اور بھلائی سے محروم رہ جاتے ہیں اور دنیا میں بدنام اور آخرت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

خدا سے دھوکا کرنے میں دکھاوے کی عبادت شامل ہے جس کا ذکر شرک کی بحث کے آخر میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

روحانی مقامات کا دعویٰ

خدا کو دھوکا دینے میں بعض بلند دینی مناصب و مقامات کا دعویٰ کرنا شامل ہے جبکہ وہ حقیقت میں ان سے محروم ہو مثلاً صبر، شکر، توکل، محبت، رضا، تسلیم، اخلاص وغیرہ مقامات کا دعویٰ۔ مثلاً وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا معبود خدائے واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں ہے اور کہتا ہے: "ایاك نعبد" حالانکہ وہ شیطان کو پوجتا ہے یا کہتا ہے: "اللّٰہ اکبر" یعنی خدا میرے نزدیک ہر چیز سے بڑا اور اونچا ہے جب کہ مال و مرتبہ اور دنیاوی حیثیتوں نے اس کے دل میں ریشہ دوانی کر کے بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ چنانچہ اگر اس سے کہیں کہ خدا کی خاطر فلاں گناہ چھوڑ دے تو آمادہ نہیں ہوتا البتہ اگر یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس سے اس کے مال، آبرو یا اس کی دوسری دنیاوی حیثیتوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جس وقت تم تکبیر کہو تو تمہیں چاہیے کہ دنیا کی تمام چیزوں کو خدا کی بزرگی کے سامنے چھوٹا سمجھو کیونکہ جس وقت بندہ تکبیر کہتا ہے اور خدا یہ جان لیتا ہے کہ اس کے دل میں اس کی تکبیر کے خلاف کوئی بات موجود ہے۔ یعنی وہ خدا کے سوا کسی اور کو زیادہ بڑا سمجھتا ہے تو خدا اس سے فرماتا ہے: اے جھوٹے! تو مجھے فریب دیتا ہے۔ مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ میں تجھے

اپنی یاد کی مٹھاس، اپنی مناجات کے مزے اور اپنے قریب پہنچنے سے محروم کردوں گا۔" (صلوۃ مستدرک باب ۲)

بزرگان دین سے دھوکے بازی

بزرگان دین سے دھوکے بازی مثلاً ایک شخص ان سے کہتا ہے: "موال لکم ولاولیائکم" یعنی میں تم سے اور تمہارے دوستوں سے محبت کرتا ہوں حالانکہ دوستوں سے اسے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور اہلبیتؑ سے ان کی نسبت کا لحاظ ہی نہیں کرتا یا کہتا ہے: "التارك للخلاف عليكم" جو بات تمہارے خلاف جاتی ہے وہ میں نے ترک کردی ہے حالانکہ اس نے ہزاروں بار ان کی مخالفت کی ہے اور کرتا ہے جیسا کہ جھوٹ کی گفتگو میں بیان کیا گیا ہے۔

خدا کے بندوں سے دھوکا

ان آخرت سے بے خبر لوگوں میں جو طرح طرح کی دھوکے بازی، بہانے بازی اور فریب کاری عام ہے وہ اسی قسم سے متعلق ہے اور سب کی سب حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور جتنا اس کا فساد زیادہ ہوتا اس کی حرمت اور سزا بھی اتنی شدید ہوگی۔

خدا سورۃ فاطر آیت ۴۲ میں فرماتا ہے: "دھوکا خود اپنے ہی کرنے والے کی طرف پلٹتا ہے۔" یعنی ہر دھوکہ باز کا دھوکا اسی کی طرف واپس آتا ہے اور جو کچھ اس نے دوسرے کے بارے میں سوچا ہے وہ خود اپنے ہی بارے میں مشاہدہ کرتا ہے کیونکہ ہر مکر، مکر کرنے والی ذلت اور گراوٹ کا اور جس سے مکر کیا جاتا ہے اس کی عزت بڑھانے اور درجہ بلند کرنے کا سبب ہوگا یا مکر کرنے والا آخرت میں اپنے برے کام کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے درجے میں جائے گا اور جس کے ساتھ مکر کیا گیا ہے اس ظلم کی وجہ سے جو اس پر ہوا ہے بہشت میں بلند مقام پائے گا یا دنیا اور آخرت

دونوں میں۔ چنانچہ اس بات کا مطلب کہ دنیا میں مکر کرنے والا رسوا ہوتا ہے اور اس کے مکر سے اسی کو نقصان پہنچتا ہے اس قدر واضح ہے کہ منہج الصادقین میں لکھا ہے کہ یہ جملہ عرب میں کہاوت بن گیا ہے کہ: جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے گا کہ وہ خود اس میں سر کے بل جا گرے گا۔ اسی طرح ایرانی کہاوت ہے: برائی نہ کر جو برائی آگے آئے۔ کنواں نہ کھود جو خود اس میں گرے۔ یہ بھی کہتے ہیں: جو کوئی کسی کے لئے کنواں کھودے گا اس میں پہلے خود، پھر دوسرا گرے گا۔"(۱)

منافقت اور تضاد بھی دھوکا ہے

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی مسلمانوں سے منافقت اور تضاد برتے گا جب قیامت میں آئے گا تو اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"(کافی)

۱۔ تفسیر منہج الصادقین میں تاریخی کتابوں کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے کہ دو آدمیوں نے پیسہ جمع کیا اور اسے چوری کے خوف سے ایک معین درخت کے اندر چھپا دیا۔ ان دونوں میں سے ایک رات کو چھپ کر آیا اور وہ پیسے اٹھا لئے۔ دوسرے دن جب دونوں پیسے لینے کے لئے آئے تو اس پیسے کو وہاں نہیں پایا۔ وہ آدمی، جو رات کو پیسے چوری کر کے لے گیا تھا اس نے دوسرے آدمی کا گریبان پکڑ لیا کہ مال چھپاتے وقت تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں تھا یقیناً پیسے تم نے اٹھائے ہیں۔ اس بے چارے نے کافی قسمیں کھائیں لیکن چور اپنی بات پر بضد تھا۔ یہاں تک کہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش ہوا۔ حاکم نے چوری کرنے والے سے گواہ طلب کئے تو اس نے کہا: "درخت خود گواہی دے گا کہ پیسے دوسرا آدمی لے کر گیا ہے۔" اس چور نے پوشیدہ طور پر اپنے بھائی سے کہا کہ رات کے وقت درخت کے کھوکھلے تنے میں بیٹھ جائے تاکہ جب صبح حاکم گواہی طلب کرے تو وہ اندر سے گواہی دے کہ پیسے دوسرا آدمی لے گیا ہے۔ جب صبح حاکم لوگوں کے ساتھ درخت کے قریب پہنچا تو اس نے درخت سے کہا: "اے درخت اس خدا کے لئے جس نے تجھے خلق کیا ہے یہ بتا کہ وہ پیسے جو تجھ میں چھپائے گئے تھے کس نے چوری کئے ہیں؟" تو چور کے بھائی نے درخت کے بیچ میں سے چلا کر کہا: "پیسے فلاں آدمی یعنی چور کے ساتھی نے لئے ہیں۔" حاکم اپنی فراست کی بناء پر سمجھ گیا کہ اصل بات کیا ہے؟ کیونکہ درخت کا کلام کرنا خلاف عادت ہے۔ اس نے درخت کو آگ لگانے کا حکم دیا تاکہ فساد کا سبب نہ بنے۔ چنانچہ درخت کو آگ لگا دی گئی۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے: "وہ شخص کتنا برا ہے جو منافقت اور تضاد رکھتا ہے۔ اپنے بھائی کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے اسے برا کہتا اور اس کا گوشت کھاتا ہے (یعنی اس کی غیبت کرتا ہے)۔ اگر بھائی کو نعمت ملتی ہے تو اس سے جل جاتا ہے اور اگر وہ پریشان ہو جاتا ہے تو اسے چھوڑ جاتا ہے اور اس کی مدد نہیں کرتا۔" (کافی)

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو منافق ہے وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی دو زبانیں ہوں گی، ایک پیچھے کی طرف اور دوسری آگے کی طرف، دونوں لٹکتی ہوں گی اور ان سے آگ کی اس قدر لپٹیں نکلتی ہوں گی کہ اس کے تمام بدن میں آگ لگ جائے گی، اس کے بعد کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں منافق تھا اور متضاد باتیں کرتا تھا، قیامت میں بھی دو چہرے اور آگ کی دو زبانیں رکھتا ہے۔" (وسائل

گزشتہ سے پیوستہ:
چور کا بھائی خوف کے مارے کچھ نہ بولا لیکن جب آگ اس تک پہنچی تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے نالہ و فریاد کرنا شروع کیا۔ بالآخر لوگوں نے اسے نیم مردہ حالت میں درخت سے نکالا۔ جب اس سے حقیقت دریافت کی تو اس نے حاکم کے سامنے اپنے بھائی کے تمام مکر و فریب کو آشکار کر دیا۔ حاکم نے مال لیا اور دوسرے آدمی کو دے دیا اور دھوکے باز کو سخت ترین سزا دی۔

محدث الجزائری نے زہر الربیع میں نقل کیا ہے کہ اصفہان میں ایک آدمی نے اپنی بیوی کی پٹائی کرنی چاہی اور اسے چند دھکے مارے لیکن اتفاقاً عورت مر گئی حالانکہ وہ آدمی اس کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ اس کا مقصد عورت کی سرزنش کرنا تھا۔ اسے عورت کے رشتہ داروں سے خوف ہوا اور وہ ان کے شر سے بچنے کے لئے سوچتے ہوئے گھر سے باہر آ گیا اور اپنے ایک جاننے والے سے اپنی روداد سنائی تو اس شخص نے عورت کے رشتہ داروں سے چھٹکارے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ کوئی خوبصورت جوان تلاش کر کے اسے مہمان بنا کر اپنے گھر لے جاؤ اور اس کا سر کاٹ کر عورت کے بغل میں رکھ دو اور عورت کے رشتہ داروں کے انتظار میں بیٹھ جاؤ اور کہو کہ میں نے اس جوان کو عورت کے ساتھ [illegible] کرتے ہوئے دیکھا تو غیرت کی وجہ سے [illegible] اور میں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ اس آدمی کو یہ ترکیب پسند آئی اور واپس اپنے گھر کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الشیعہ کتاب حج باب ۱۴۳)

منافقت اور تضاد کیا ہے؟

۱۔ دو زبان آدمی یعنی وہ شخص جو دو متضاد باتیں کہتا ہے اور موقع کے مطابق دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور بے ضرورت بھی مختلف باتیں کرتا ہے۔ مثلاً ایک چیز کا اقرار کرتا ہے بعد میں اس سے انکار کر دیتا ہے یا کسی بات کی گواہی دیتا ہے پھر اس کے خلاف بیان دے دیتا ہے یا کسی کے سامنے اس کی تعریف کرتا ہے پیٹھ پیچھے اسے برا کہتا ہے۔

۲۔ منافق اور دو زبان آدمی یعنی وہ شخص جو دو آدمیوں کے پاس آتا جاتا ہے اور ہر ایک سے اس کے مطابق بات کرتا ہے اور یہی حقیقی منافقت ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص دو ایسے آدمیوں میں سے ایک کی بات دوسرے سے جا کر لگاتا ہے جو آپس میں دشمنی رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیٹھ پیچھے خلاف اور

گزشتہ سے پیوستہ:

دروازے پر آکر بیٹھ گیا۔ اچانک ایک خوبصورت جوان کا اس کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو وہ آدمی اصرار کر کے اسے اپنے گھر لے گیا اور اس کے بعد اسے قتل کر دیا۔ جب اس عورت کے رشتہ دار آئے اور دو جنازے دیکھے تو اس آدمی نے اپنی گڑھی ہوئی کہانی سنائی۔ جس پر وہ لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ بدقسمتی سے وہ آدمی جس نے اس عورت کے شوہر کو یہ مشورہ دیا تھا اس کا بیٹا اس روز گھر نہیں پہنچا تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس عورت کے شوہر کے گھر آیا اور کہا: "وہ مشورہ جو میں نے تمہیں دیا تھا کیا تم نے اس پر عمل کیا؟" اس آدمی نے کہا: "ہاں۔" تو اس نے کہا: "اس مقتول آدمی کو دکھاؤ۔" جب وہ جنازے کے سرہانے آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو پایا جو اسی کے مشورے سے قتل کیا گیا تھا۔ پس وہ اس بات کا مصداق ٹھہرا کہ جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے گا خدا خود اسے اس کنویں میں گرا دے گا۔ ان دونوں واقعات کی مانند بہت سے واقعات تاریخی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب محجۃ البیضاء میں ایک حکایت نقل کی گئی ہے جو دھوکہ اور حسد دونوں کی مناسبت سے ہے اور جس کا حسد کی بحث میں ذکر ہوگا۔

نامعقول باتیں کرتے رہتے ہیں تو یہ دو زبانی ہے اور یہ چغل خوری سے بدتر ہے کیونکہ چغل خوری صرف وہ بات جاکر دہراتا ہے جو کسی نے دوسرے کے بارے میں کہی ہے۔ اب اگر اس دوسرے شخص کی بات آکر پہلے شخص سے کہے تو یہ دو زبانی ہوگی۔

۴۔ جو دو آدمی آپس میں دشمن ہیں ان میں سے ہر ایک سے ملاقات کے وقت اس کے دشمن اور مخالف کے مقابلے میں اس کی تعریف کرے تو یہ بھی دو زبانی ہوگی۔

۵۔ ایسے دو آدمیوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے مقابلے میں ساتھ دینے اور مدد کرنے کا وعدہ کرے تو یہ بھی دو زبانی ہے۔ غرض ایسے تمام موقعوں پر اس شخص کو منافق اور دو زبان کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ ایسے دو شخصوں میں سے ہر ایک سے جو آپس میں دشمن ہیں ایک کی بات دوسرے کے سامنے دہرائے بغیر صرف رفاقت اور دوستی کا اظہار کرنے، اس کی تعریف کرنے اور مدد کا وعدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ دو زبانی نہیں ہے۔

ملاوٹ بھی لوگوں کے ساتھ دھوکا ہے

لوگوں کے ساتھ دھوکے کی ایک قسم لین دین میں ملاوٹ بھی ہے یعنی کسی چیز میں کوئی دوسری جنس اس طرح ملانا کہ ظاہر نہ ہو جو ملاوٹ کہلاتا ہے مثلاً دودھ میں پانی ملانا یا اچھی اور بری چیزوں کو ملا کر اچھی بتا کر بیچنا۔(۱)

۱۔ لین دین میں ملاوٹ اگرچہ حرام ہے لیکن بعض صورتوں میں لین دین صحیح رہتا ہے اس کی تفصیل اور متعلقہ مسائل کی وضاحت کیلئے دیکھئے رسالہ توضیح المسائل شمارہ نمبری ۲۰۶۳، ۲۰۷۹، ۲۱۳۲ و ۲۱۳۳۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "رسول خداؐ کا مدینے کے بازار میں کھانے کی ایک جنس (گیہوں یا جو) پر سے گزر ہوا تو آپؐ نے اس کے مالک سے کہا: "اچھی جنس ہے، اس کی قیمت کیا ہے؟" آپ کو الہام ہوا تو آپؐ نے اس کے بیچ میں ہاتھ ڈال کر مٹھی بھر جنس باہر نکالی۔ معلوم ہوا کہ بیچ میں خراب ہے اور اوپر سے اچھی ہے۔ رسول خداؐ نے اس سے فرمایا: "تو نے مسلمان سے بے ایمانی اور ملاوٹ کرنے کو یکجا کر دیا۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۱۱۵)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "جو کوئی کسی مسلمان کے ساتھ مول لینے یا بیچنے میں ملاوٹ کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور وہ قیامت میں یہودیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ یہودی ہی ملاوٹ کرتے ہیں۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۱۱۵)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ملاوٹ کرنے کا خیال دل میں لے کر سو جاتا ہے وہ خدا کی ناخوشی میں سو جاتا ہے اور صبح کو اٹھتا ہے تو بھی بدستور خدا کے غضب اور ناخوشی میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک توبہ نہیں کر لیتا اور ملاوٹ سے دست بردار نہیں ہو جاتا اور اگر اسی حالت میں مر جاتا ہے تو وہ دین اسلام پر نہیں مرتا۔" اسکے بعد آپ نے تین بار فرمایا: "جان لو کہ جو مسلمانوں سے ملاوٹ کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی سے ملاوٹ کرتا ہے خدا اس کے رزق سے برکت اٹھا لیتا ہے، اس کی روزی کا راستہ بند کر دیتا ہے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۱۱۵)

حضرت امام صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا جو آٹا بیچا کرتا تھا: "ملاوٹ کرنے سے بچنا کیونکہ جو کوئی دوسرے سے ملاوٹ کرے گا خود اس کے مال میں بھی

ملاوٹ ہو جائیگی اور اگر مال نہیں ہوگا تو اس کے اہل و عیال کے ساتھ ملاوٹ ہو گی۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۱۱۵)

اس سے متعلق بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے کچھ کم تولنے کے تحت بیان کی جا چکی ہیں۔

مہنگا بیچنا بھی دھوکا ہے

لین دین میں ملاوٹ کرنے کی طرح غبن کرنا بھی ہے اور وہ بیچنے والے کا قیمت میں دھوکا دینا ہے یعنی کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر اس شخص کے ہاتھ بیچنا ہے جو اس سے بے خبر ہے۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "کسی ایسے شخص کو دھوکا دینا اور زیادہ قیمت پر مال بیچنا جو اصلی قیمت سے بے خبر ہے (اور مال والے پر بھروسہ اور اعتبار کرتا ہے) سحت ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت اخیار باب ۱۶) اور "گناہ ۲۵" کی بحث میں "سحت کھانے" کا بیان گزر چکا ہے۔

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مؤمن کو لین دین میں دھوکا دینا حرام ہے۔ ایک اور روایت میں آپؑ نے فرمایا ہے کہ جو تجھ پر اعتبار کرتا ہے اسے دھوکا مت دے کیونکہ اسے دھوکا دینا حلال نہیں ہے۔

۵ ذخیرہ اندوزی

لوگوں کی غذا مثلاً گیہوں، جو، چاول اور روغن اکٹھا کر کے اس کے مہنگے ہو جانے کے انتظار میں روکے رکھنا ذخیرہ اندوزی ہے تاکہ لوگوں کو ضرورت پڑے اور پھر مل نہ سکے جو ان کی ضرورت رفع ہو۔ یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے جس کے لئے آتش جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ انہوں نے جہنم میں ایک گھاٹی دیکھی جس میں آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ انہوں نے مالک جہنم سے پوچھا: یہ کن لوگوں کی جگہ ہے؟ اس نے کہا: تین گروہوں کی۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والے، شرابی اور دلالی (حرام کاری سے کمائی) کرنے والے۔"

اور آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "گناہگار شخص ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۲۷)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص لوگوں کی غذا خرید کر چالیس دن تک اس لئے روکے رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں مہنگائی ہو جائے وہ اتنا سخت گناہ کرتا ہے کہ تمام غلہ بیچ کر اس کی رقم خیرات بھی کر دے تب بھی اس کے کئے ہوئے گناہ کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔" (وسائل الشیعہ کتاب تجارت باب ۲۷)

کچھ روایتوں میں ذخیرہ اندوزوں کو ملعون بھی کہا گیا ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں: "ایک رات بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں پر عذاب نازل ہوا تو صبح تک ان کے چار طبقے ہلاک ہو چکے تھے۔ ڈھول بجانے والے، گویے، ذخیرہ اندوز اور سود کھانے والے مہاجن۔" (مستدرک الوسائل کتاب تجارت باب ۲۱)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص چالیس دن سے زیادہ تک ذخیرہ رکھے گا وہ بہشت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا جبکہ بہشت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت تک پہنچتی ہے اور جب اس پر بہشت کی خوشبو ہی حرام ہے تو پھر خود بہشت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔" (مستدرک الوسائل کتاب تجارت باب ۲۱)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص مہنگائی کے انتظار میں چالیس دن تک لوگوں کی غذا روکے رکھے گا وہ خدا سے کٹ جائے گا اور خدا اس سے بیزار اور بے تعلق ہو جائے گا۔" (مستدرک۔ تجارت باب ۲۱)

جاننا چاہئے کہ اگر کوئی لوگوں کی غذا ایسی صورت میں روک لیتا ہے جب لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی یا اگر ضرورت پڑتی بھی ہے تو پھر مل جاتی ہے کہ وہ انہیں بیچ دیتا ہے اور ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے یا وہ مہنگی بیچنے کے لئے نہیں اپنے کنبے کے خرچ کے لئے روک لیتا ہے تو ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں ذخیرہ اندوزی حرام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ حاکم شرع کو چاہئے کہ وہ اسے اس قیمت پر بیچنے کے لئے مجبور کرے جس پر وہ خود راضی ہو جائے اور اگر وہ زیادہ قیمت وصول کرنا چاہے تو حاکم شرع منصفانہ نرخ سے اس کی قیمت ادا کر کے اس کے گیہوں حاجت مندوں کو فروخت کر دے۔

۶ حسد

چھٹا گناہ جس کے لیے معتبر احکام میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے حسد ہے اور حسد یہ ہے کہ دوسرے کے پاس کوئی نعمت نہیں دیکھ سکتا اور چاہتا ہے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے۔

صاحب شرائع فرماتے ہیں: "مؤمن سے حسد اور دشمنی گناہ ہے اور اس کا ظاہر کرنا عدالت کے خلاف ہے یعنی گناہ کبیرہ ہے۔ شہید ثانی نے بھی مسالک میں فرمایا ہے کہ مؤمن سے حسد اور دشمنی تمام فقیہوں کے نزدیک حرام ہے۔ دونوں کے لیے بہت سی روایتوں میں عذاب کا وعدہ ملتا ہے اور دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ اس لئے عدالت کے خلاف ہیں اور حسد اور بغض کے اظہار کو جو عدالت کے خلاف سمجھا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حسد اور دلی بغض حرام نہیں ہیں اور صرف ان کا اظہار حرام ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی ان کو ظاہر نہیں کرتا ان سے عدالت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دل کی بات ہے اور اس کے ثابت ہونے کا طریقہ صرف اس کا اظہار ہے۔ اگرچہ اظہار کے بغیر بھی حسد اور بغض حرام ہے۔"

حسد کے بارے میں بہت سی روایتیں ہیں۔ یہاں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے:

حسد آگ کی طرح ایمان کو کھا جاتا ہے

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "انسان غصے کے وقت ہر قسم کی عجلت ظاہر کرتا اور خود کو کافر بنا لیتا ہے لیکن حقیقت میں حسد ایسی چیز ہے جو ایمان کو یوں کھا جاتا

ہے جیسے آگ لکڑی کو۔" (کافی)

حضرت امام صادقؑ بھی فرماتے ہیں کہ حسد ایمان کو یوں ختم کردیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حسد، غرور اور ڈینگیں مارنا دین کے لئے مصیبت ہیں۔ (کافی)

مؤمن ہر چیز پر رشک کرتا ہے لیکن حسد نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے رشک نہیں کرتا۔ (کافی)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "خدا نے موسیٰ بن عمرانؑ سے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو کچھ عطا کیا ہے اس پر حسد نہ کرنا اپنی آنکھیں اس کے پیچھے نہ لگانا اور اپنے دل کو اس کے پیچھے نہ دوڑانا کیونکہ جس نے حسد کیا اس نے میری نعمت کو برا سمجھا اور میں نے اپنے بندوں میں جو تقسیم کی ہے اس کو روکا اور جو ایسا ہو گا میں اس سے نہیں ہوں اور وہ مجھ سے نہیں ہے۔" (کافی)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "کفر کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: حرص، غرور اور حسد۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۵۴)

کفر کی جڑ

حسد کا کفر کی جڑ ہونا جیسا کہ اس روایت میں ہے اور نفاق ہونا جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے بالکل ظاہر ہے کیونکہ حاسد شخص اس نعمت کو جو اس شخص کو ملی ہے جس سے وہ حسد کرتا ہے اگر خدا کی طرف سے نہیں سمجھتا تو گویا اس نے کسی اور کو خدا کا شریک بنا لیا ہے جس کی تفصیل باب شرک میں گزر چکی ہے اور اگر اسے خدا کی طرف سے سمجھتا ہے تو خدا کو عادل اور حکیم نہیں سمجھتا اور اس کے فعل پر ناراض ہو گیا ہے۔ کیا خدا سے ناراضگی اور دشمنی سے بدتر بھی کوئی کفر ہو سکتا ہے اور

کیا ایسی صورت میں ایمان ظاہر کرنا یعنی اپنے آپ کو مؤمن کہنا منافقت نہیں ہے؟

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "بلاشبہ جو بیماری اور مصیبت پچھلی قوموں میں تھی وہی تم تک بھی پہنچی ہے اور وہ حسد ہے جو دین کو ختم کرنے والا ہے۔ نجات اس میں ہے کہ انسان اپنی زبان اور ہاتھ کو حسد کرنے سے روکے اور اپنے مؤمن بھائی سے دشمنی نہ رکھے۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۵۴)

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "خدا چھ گروہوں کو چھ گناہوں کے باعث عذاب دے گا۔ عرب کو غلط تعصب کی وجہ سے، کسانوں اور زمینداروں کو غرور کی وجہ سے، حاکموں کو ظلم کرنے کی وجہ سے، عالموں کو حسد کرنے کی وجہ سے، لین دین کرنے والوں کو خیانت کی وجہ سے اور دہقانوں (گاؤں والوں) کو نادانی کی وجہ سے۔" (خصال صفحہ ۱۵۸)

شہید کشف الریبہ میں فرماتے ہیں: "حسد انسانی دل کے لئے سب سے بڑا، سب سے برا اور سب سے زیادہ برباد کرنے والا گناہ ہے۔ اس سے بری کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا۔ جس وقت شیطان نے آدمؑ سے حسد کیا اور انہیں گناہ پر مجبور کر دیا۔ قابیل نے بھی اپنے بھائی ہابیل سے حسد کیا اور اسے مار ڈالا۔ خدا اپنے پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیتا ہے کہ شیطان اور جادوگر کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کے بعد حاسد کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرو۔ اس طرح خدا نے حاسد کو شیطان اور جادوگر کے زمرے میں رکھا ہے۔ حسد کے بارے میں نبیؐ کی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں۔"

واقعی حاسد شخص کی نہ دنیا ہے اور نہ آخرت کیونکہ دنیا میں وہ سخت پیچ و تاب، تکلیف اور نامرادی میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ اس کے حسد کے باوجود دوسرے کی

نعمت نہیں چھنتی بلکہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ ہی ہو جائے جبکہ وہ اس کی نعمت زائل ہو جانے کے لئے کس قدر محنت کرتا اور تکلیفیں جھیلتا ہے پھر بھی جو وہ چاہتا ہے وہ حاصل نہیں ہو پاتا۔

آخرت کے متعلق بھی شک نہیں ہے کہ حاسد حضور قلب سے عبادت نہیں کر پاتا اور کچھ بڑی بڑی عبادتوں جیسے مؤمنوں سے بھلائی، ان پر احسان اور ان کی عزت کرنے سے محروم رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کچھ نیک اعمال بھی رکھتا ہے تو وہ اس شخص کی نذر کر دیتا ہے جس سے حسد کرتا ہے۔ اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری اور اپنے مال کا پلڑا ہلکا کر دیتا ہے کیا اس سے بھی بدتر نقصان ہو سکتا ہے؟

حسد کا ظاہر کرنا

مشہور فقیہوں نے فرمایا ہے کہ حسد گناہ کبیرہ ہے اور اس کے ثابت کرنے کا طریقہ زبان، ہاتھ اور دوسرے اعضاء سے حسد کرنا ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حسد جب تک ظاہر نہیں ہوتا حرام نہیں ہے۔ اس کا اظہار حرام ہوتا ہے یعنی اعضاء سے حسد کو عمل میں لانا حرام ہے کیونکہ پہلے تو دلی حسد اپنے اختیار میں نہیں ہے یعنی ذاتی بدباطنی یا پرانی دشمنی کی وجہ سے جو کسی سے ہوتی ہے اگر وہ دوسرے کو ناز و نعمت میں دیکھتا ہے تو اسے بے اختیار برا لگتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے اور جو چیز اختیاری نہ ہو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دوسرے اس بات کی کئی روایتوں میں صراحت ہو چکی ہے کہ دلی حسد جب تک ظاہر نہ ہو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی بھی حدیث رفع ہے جس میں آپؐ فرماتے ہیں: "میری امت سے نو باتوں کی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے، بھولنے کی غلطی، جس بات کا علم نہ ہو، جس کو کر نہ سکیں، جس میں بے بس ہوں، جس کے

لئے زبردستی مجبور کر دیے جائیں، بدشگونی، آفرینش کے سوچ بچار میں وسوسہ، حسد جب تک کہ ہاتھ یا زبان سے ظاہر نہ ہو۔" (کافی، باب مارفع من الامۃ)

حسد اختیار میں ہوتا ہے

حسد کے اختیاری نہ ہونے کا جواب یہ ہے کہ وہ بات جس کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختیاری نہیں ہے دلی خیالات ہیں یعنی جس وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں نعمت کسی ایسے شخص کو مل گئی ہے جس سے پچھلی دشمنی چلی آرہی ہے تو از خود اور بے اختیار بر الگتا ہے اور انسان یہ چاہنے لگتا ہے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے لیکن اس حالت کا باقی رہنا اور دل کو ایسے برے خیال میں مشغول رکھنا اختیاری اور دلی گناہ ہے کیونکہ اپنے دل کو اس گناہ سے علمی اور عملی طریقے سے روکا جاسکتا ہے۔

حسد کو روکنے کا علمی اور عملی طریقہ

علمی طریقہ حسد کی ان خرابیوں پر جو بیان کی گئی ہیں بلکہ دنیا اور اس کی فنا کی برائی پر سوچنا اور غور کرنا ہے جس سے دنیا کی محبت کا منحوس پودا جو ہر گناہ کی جڑ ہے دل سے نکل جائے اور دور ہو جائے۔

عملی طریقہ اس برے خیال کو عمل میں نہ لانا ہے کیونکہ جس خیال کی تائید نہیں کی جاتی وہ از خود ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ روایت میں یہ آیا ہے: "وسوسہ کتے کے حملہ کرنے کی طرح ہوتا ہے اگر اس پر توجہ دی جائے تو وہ زیادہ جھپٹے گا اور اگر لاپروائی برتی جائے تو دور ہو جائے گا۔" (۱)

۱۔ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب محجۃ البیضا محدث فیض و جامع السعادہ و معراج السعادہ نراقی و کتاب قلب سلیم۔

حدیث رفع کی توجیہ

حسد کی جو چند دلیلیں بیان کی گئیں ان سے دلی حسد کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی حاسد یہ چاہتا ہے کہ وہ جس سے حسد کرتا ہے اس کی نعمت ختم ہو جائے اور اگر اس نے زبان اور ہاتھ سے حسد کیا، جیسے گالی، غیبت اور دکھ دینا، تو پھر ان میں سے ہر ایک گناہ علیحدہ ہے۔ اس لئے حدیث رفع کو حسد کی طرف بعض قسموں تک محدود سمجھنا چاہئے تاکہ ان دلیلوں سے اس کا تضاد نہ ہو اور وہ قسم یا درجہ یہ ہے کہ ایک شخص جب یہ سنتا ہے کہ اس کے دشمن کو کوئی نعمت ملی ہے تو اسے برا لگتا ہے اور اس کا دل چاہنے لگتا ہے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے، جب اس حالت میں اس کو عقل اور ایمان کی روشنی کی بدولت یہ کیفیت اچھی نہیں لگی اور اس نے چاہا کہ یہ برا خیال دور ہو جائے تو حسد کا یہ درجہ (جو صرف خیال ہے) قابل معافی ہے اور اس کی کوئی سزا نہیں ہے لیکن جب کوئی اس برے خیال سے نہ جھجکے بلکہ اسے دل میں رکھے اور روکے رہے تو چاہے اپنے اعضاء سے کچھ نہ کرے وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ درحقیقت وہ اس برے خیال کو تقویت دیتا ہے حالانکہ ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے: "جب تجھے حسد لاحق ہو جائے تو ظلم مت کرے۔" (خصال صدوق)

علامہ مجلسیؒ اصول کافی میں حسد کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنے دشمنوں کی نسبت سے تیرا حال تین طرح کا ہوتا ہے: پہلا یہ کہ تو فطری طور پر تو اپنے دشمن کی تکلیف اور پریشانی پسند کرتا ہے لیکن خود تجھے یہ حالت بری لگتی ہے اور اپنے آپ پر غصہ آتا ہے کہ تو ایسا کیوں ہے یعنی دوسرے کی تکلیف کیوں پسند کرتا ہے چاہے وہ تیرا دشمن ہی کیوں نہ ہو اور تو چاہتا ہے کہ تیری یہ بری کیفیت دور ہو جائے۔ اس میں شک نہیں کہ تیرا یہ حال قابل معافی ہے کیونکہ اس

سے زیادہ تیرے بس سے باہر ہے۔

دوسرے یہ کہ تو اپنے دشمن کی پریشانی پسند کرتا ہے اور اس کی تکلیف پر تو اپنی زبان یا اعضاء سے خوشی و خرمی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ وہی حسد ہے جو حرام ہے۔

تیسرے یہ کہ دونوں کی ایک درمیانی حالت ہے یعنی تو اپنے دشمن کی پریشانی پسند کرتا ہے اور تجھے یہ حالت بری نہیں لگتی لیکن تو اپنی خوشی کا اظہار بھی نہیں کرتا اور دلی حسد ظاہر نہیں کرتا۔ اس قسم پر فقیہوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ قسم دل کی اس محبت کی کمزوری یا قوت کی مقدار کے مطابق گناہ سے خالی نہیں ہے۔

باقی تمام روایتوں سے تضاد نہیں ہے

ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ جب مؤمن گناہ کی نیت کرتا ہے جب تک وہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا، اس پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا اور اس کے اعمالنامے میں کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، اس لئے حاسد بھی جب تک کوئی کام نہیں کرتا اس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ یہ روایتیں ان گناہوں کے بارے میں ہیں جو اعضاء اور جوارح سے کیے جاتے ہیں اور جب تک کیے نہیں جاتے گناہ نہیں ہوتے لیکن جن گناہوں کی جگہ دل میں ہے جیسے منافقت، غرور، مؤمن کی دشمنی، حسد وغیرہ یہ سب کے سب معافی کی روایتوں سے خارج ہیں۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جب بھی کسی انسان کے دل میں کسی مسلمان کی نعمت چھن جانے سے دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہوا سے واجب ہے کہ اس حالت کو برا سمجھے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے اور اگر اسی حالت پر باقی اور قائم

رہا تو سمجھ لے کہ گناہ کبیرہ واقع ہو گیا اور پھر واجب ہے کہ ہر وقت پچھتاتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا رہے۔

رشک حرام نہیں ہے

حسد کے معنی ہیں کسی کے نعمت پانے پر ناخوش ہونا اور اس سے اس نعمت کے چھن جانے کی خواہش کرنا جیسا کہ ذکر کیا گیا اور رشک کے معنی ہیں اس نعمت جیسی نعمت پانے کی تمنا کرنا جو دوسرے کو ملی ہے لیکن نہ اس میں دوسرے کے نعمت پانے کا برا لگتا ہے نہ اس سے نعمت چھن جانے کی آرزو کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رشک میں ویسی ہی نعمت پانے کی آرزو ہوتی ہے جیسی دوسرے کو ملی ہے اور حسد میں دوسرے کی نعمت ختم ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے۔

رشک اپنے موقع و محل کے لحاظ سے مختلف قسم کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ نے مرآت العقول میں فرمایا ہے کہ یہ فرائض کے پانچ احکام کے تحت منقسم ہو سکتا ہے۔ کبھی یہ واجب ہوتا ہے اور وہ واجبات کا رشک ہے مثلاً کسی کا دوست حج کر آیا اور وہ رہ گیا اب وہ تمنا کرے کہ وہ بھی اس کی طرح یہ فرض ادا کرتا کیونکہ اگر وہ یہ نہ چاہے کہ وہ بھی اس شخص کی طرح واجب بجالاتا تو معلوم ہوگا کہ وہ اس واجب کو ترک کرنے پر رضامند ہے اور یہ خود حرام ہے (توبہ کے واجب ہونے، واجب کے ترک ہونے پر پشیمان ہونے اور حرام فعل کرنے کی دلیل کے مطابق)۔

مستحب کاموں پر رشک بھی مستحب ہے۔ مثلاً اپنے اس دوست کی حالت پر رشک کرنا جس نے زیارت یا اور کوئی مستحب کام کیا ہے۔ کبھی رشک حرام اور کبھی مکروہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اس شخص کی حالت پر رشک کرنا جسے کوئی حرام منصب یا حرام مال ملا ہو یا اس پر رشک کرنا جس سے کوئی مکروہ عمل صادر ہوا ہو اور مباح

کاموں پر رشک مباح ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ حرام چیز پر رشک اگرچہ خود حرام ہے لیکن جب تک اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا اہل ایمان کا یہ گناہ قابل معافی ہے چنانچہ اس بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔

۷ مؤمن سے دشمنی کرنا

جواہر الکلام کے مصنف نے لکھا ہے:

جس طرح حسد خود گناہ اور اس کا اظہار عدالت کے خلاف ہے اسی طرح مؤمن کی دشمنی اور اسے زبان اور اعضاء سے ظاہر کرنا پاپ ہے کیونکہ بہت سی روایتوں میں مؤمن بھائی کی دشمنی اور اسے چھوڑ دینے سے منع کیا گیا ہے اور اس سے محبت اور اس پر مہربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انسان اپنے مؤمن بھائی سے ملنے میں اس کے کسی برتاؤ سے جو بھاری پن اپنے دل میں محسوس کرتا ہے ظاہر ہے کہ اسے حرام نہیں کہا گیا کیونکہ اس موقع پر کوئی شخص ایسی حالت کے پیدا ہو جانے سے بری نہیں رہ سکتا۔ (جواہر، کتاب شہادت)

یہاں چند روایتیں مختصر طور پر نقل کی جاتی ہیں:

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی ہمارے شیعوں سے دشمنی کرے گا وہ ہم سے دشمنی رکھے گا کیونکہ یہ ہم سے ہیں اور ہماری ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو انہیں دوست رکھے گا وہ ہم سے ہے اور جو انہیں دشمن سمجھے گا وہ ہم سے نہیں ہے۔" یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا: "جو کوئی ان کو رد کرتا ہے گویا اس نے خدا کو رد کیا اور جو انہیں برا کہتا ہے اس نے گویا خدا کو برا کہا۔" (وسائل الشیعہ کتاب الامر بالمعروف باب ۱۷)

اس موقع پر وسائل میں اٹھارہ روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو دو مسلمان ایک دوسرے پر غصہ کریں اور تین دن تک اسی صورت میں جاری رکھیں اور میل نہ کریں تو وہ دونوں کے دونوں اسلام

سے خارج ہیں اور ان میں دینی تعلق باقی نہیں ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی سے بات کرنے میں پہل کرے وہ قیامت کے دن بہشت میں جانے میں بھی پہل کرے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب حج باب ۱۴۴)

اس بارے میں بھی وسائل میں گیارہ اور حدیثیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت امام صادقؑ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے: "خدا کی راہ میں ایک دوسرے کے بھائی ہو اور ایک دوسرے سے دوستی کرو اور آپس میں رشتہ کرو اور مہربان رہو۔" (وسائل الشیعہ)

اس بارے میں، مؤمن کے حق کے بارے میں اور اللہ سے محبت اور دشمنی کے بارے میں بہت سی روایتیں ہیں لیکن مثال کے لئے انھیں تھوڑی سی روایتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۸ چپٹی لڑنا

آٹھواں گناہ کبیرہ جس کے لئے معتبر بیانات میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ حد بھی مقرر کی گئی ہے چپٹی لڑنا ہے۔

ایک عورت نے حضرت امام صادقؑ سے کہا: "جو عورتیں آپس میں چپٹی لڑتی ہیں (اپنی شرمگاہ دوسری کی شرمگاہ سے رگڑتی ہیں) ان کی حد کیا ہے؟" امام نے فرمایا: "زنا کی حد ہے (سو کوڑے) دراصل جب قیامت ہوگی تو انہیں لائیں گے اور جو کپڑے آگ سے بنے گئے ہیں انہیں پہنائیں گے، آگ کے گرز ان کے سوراخوں گھسیڑیں گے اور انہیں جہنم میں جھونک دیں گے۔ اے عورت! وہ قدیم ترین قوم جس میں چپٹی کا رواج ہوا حضرت لوطؑ کی قوم تھی جس کے مرد لونڈے بازی کرنے لگے تو بیویاں بے شوہروں کے رہ گئیں۔ آخر وہ بھی ایک دوسرے سے اسی طرح مشغول ہوگئیں جس طرح مرد آپس میں مشغول ہوگئے تھے۔" (اور عذاب نازل ہونے پر سب کے سب ہلاک ہوگئے)۔ (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۲۴)

ایک اور حدیث میں آپؑ نے فرمایا: "خدا کی قسم چپٹی بہت بڑا زنا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۲۴)

آپؑ نے اس عورت کے جواب میں جس نے عورتوں کے چپٹی لڑنے کے بارے میں پوچھا تھا یہ بھی فرمایا: "وہ جہنم میں ہیں جب قیامت ہوگی انہیں آگ کی چادر اڑھادی جائے گی، ان کی شرمگاہوں میں آگ کے گرز گھسیڑے جائیں گے اور انہیں جہنم میں ڈال دیں گے۔" عورت نے کہا: "کیا اس عمل کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "ہاں۔" اس نے عرض کیا: "کہاں؟" آپؑ نے فرمایا:

"واصحاب الرس" (سورۃ فرقان آیت ۳۸)۔(وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۲۴)

تفسیر صافی میں اصحاب رس کے بارے میں حضرت امیر المؤمنینؑ سے ایک طویل روایت نقل کی گئی ہے اور مرحوم مجلسیؒ نے بھی حیات القلوب کی تیسری جلد میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان لوگوں کا اور ان کے گناہوں کا حال جاننے کے لئے جن میں عورتوں کا چپٹی لڑنا بھی شامل ہے مذکورہ کتابیں دیکھئے۔

آپ ان لوگوں کی ہلاکت کا حال یوں بیان فرماتے ہیں کہ خدا نے ان پر لال تیز ہوا بھیجی۔ ان کی زمین نے بھی آگ اگلی، کالی گھٹا ان پر چھا گئی اور پھر ان پر ایسی بجلی گری کہ سب کو ہلاک کر گئی۔

چپٹی کی حد

جب عورت اس حرام کام کا چار بار اقرار کرلے یا چار عادل مرد اس کی گواہی دے دیں تو ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں۔ البتہ اگر جرم کے اقرار یا عادل گواہوں کی گواہیوں سے پہلے پہلے وہ توبہ کرلیں تو حد نہیں لگے گی۔

جس طرح کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے دو برہنہ مردوں یا دو برہنہ عورتوں کا ساتھ ساتھ ایک ہی لحاف میں اس طرح سونا کہ ان کے بیچ میں کوئی روک نہ ہو حرام ہے اور اگر حاکم شرع کے سامنے ثابت ہو جائے تو وہ انہیں سو کوڑوں سے کم کی (جتنی مناسب سمجھے) سزا دے۔ کچھ روایتوں میں ان کی حد سو کوڑے بتائی گئی ہے۔

۹ دلالی اور بھاڑو پن

دلالی

مرد اور عورت کو زنا کے لئے اور دو مردوں کو اغلام کے لئے بلانا دلالی (کٹنا پا) کہلاتا ہے اور اس کے حرام ہونے بلکہ گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا گناہ ہے جس کے لئے معتبر بیانات میں عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسلام کی مقدس شریعت میں اس کے لئے حد مقرر کی گئی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو شخص کسی مرد اور عورت کے زنا کا ذریعہ بنے گا خدا اس پر بہشت حرام کردے گا اور وہ دوزخ میں رہے گا اور دوزخ برا ٹھکانا ہے اور وہ شخص مرتے وقت تک برابر خدا کے عتاب میں رہے گا۔" (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۲۷)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فلاں کرنے والی عورت اور وہ عورت جو اس کام کا واسطہ بنتی ہے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۲۷)

اس کے علاوہ دلالی کرنے والا شخص نہ صرف نہی از منکر کو ترک کرتا ہے بلکہ منکر کے لئے کوشش کرتا ہے اور جب پہلے باب کے آخر میں نہی از منکر کا ترک کرنا ہی گناہ کبیرہ ثابت ہو چکا ہے تو پھر منکر کے حکم دینے یا منکر کے لئے کوشش کرنے کا گناہ تو اس سے بھی بڑا ہو گا۔

ہر دین دار کے نزدیک گناہوں کی دلالی بھی گناہ کبیرہ ہے اور تیسری فصل

میں ذکر ہو چکا ہے کہ اہل شریعت کے نزدیک گناہ کا بڑا ہونا خود اس کے گناہ کبیرہ ہونے کی دلیل ہے۔

شیخ انصاریؒ مکاسب محرمہ میں فرماتے ہیں: "دلالی حرام ہے اور اس سے مراد دو مردوں کو حرام اعلام کے لئے ملانے کی کوشش ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے اور ملانے کے کام کو جس پر لعنت کی گئی ہے دلالی کہا گیا ہے۔"

حضرت امام صادقؑ سے منقول ہے: "رسول خداؐ نے چار گروہوں پر لعنت کی ہے، اول عورتوں کے بال کاٹنے والی اور وہ جو بال کٹوانے پر آمادہ ہوتی ہے۔ دوسرے جو عورتوں کے دانت اکھاڑتی ہے اور وہ جو اس پر آمادہ ہوتی ہے۔ تیسرے ملانے والی اور ملنے والی (زنا کرانے والی اور کٹنی)۔ چوتھے جسم گود کر نقش و نگار بنانے والی عورت اور وہ جو اپنے جسم کو گدوا کر نقش بنواتی ہے۔" (معانی الاخبار)

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: "کٹنی جس پر رسول خداؐ نے لعنت کی ہے وہ عورت ہے جو اپنی جوانی میں خود زنا کراتی ہے اور جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو عورتوں کو زنا کے لئے مردوں سے ملاتی ہے۔" (معانی الاخبار)

دلالی کی حد

خود اس شخص کے دو مرتبہ اقرار کرنے سے یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے دلالی ثابت ہو جاتی ہے۔ دلالی ثابت ہو جانے پر پچھتر (۷۵) کوڑے مارنا چاہئیں چاہے وہ مرد ہو چاہے عورت اور بعض فقیہوں نے فرمایا ہے کہ اگر مرد ہو تو اس سزا کے علاوہ اس کا سر مونڈ کر اسے رسوا کریں اور شہر سے باہر گھمائیں اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ دوسری بار ایسا کرنے پر اسے جلاوطن کر دیں۔ اس کی تشریح حدود کی کتاب میں کی گئی ہے۔

بھاڑوپن

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "تین گروہ ایسے ہیں جن سے خدا قیامت میں بات نہیں کرے گا۔ ان پر رحمت کی نظر نہیں ڈالے گا۔ ان کو پاکیزہ نہیں کرے گا اور ان پر دردناک عذاب ہوگا۔ زنا کرنے والا بڈھا، قرم ساق (بھاڑو) اور وہ بیاہی عورت جو زنا کراتی ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۱۶)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "بہشت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت پر بھی پہنچ جاتی ہے لیکن جس کو والدین نے عاق کر دیا اور قرم ساق دونوں اس سے محروم رہیں گے۔" جب پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! قرم ساق کون ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی بیوی زنا کراتی ہو اور یہ بات اس کے علم میں ہو۔" (وسائل الشیعہ)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدا نے اپنے عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا ہے: "بہشت میں شرابی، چغل خور اور قرم ساق داخل نہیں ہوں گے۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ بھی یہی فرماتے ہیں: "بہشت قرم ساق پر حرام ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب نکاح باب ۱۳۲ صفحہ ۳۰)

۱۰

جلق

دسواں گناہ کبیرہ جس کے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے منی نکالنا ہے جس سے مراد ہے منی کو غیر فطری طریقے سے مثلاً اپنے ہاتھ سے عضو مخصوص کو مل کر یا بیوی کے علاوہ کسی اور کے اعضاء سے اپنے اعضاء رگڑ کر خارج کرنا۔

کتاب حدود جواہر کے آخر میں لکھا ہے کہ جو کوئی اپنے ہاتھ یا کسی اور عضو سے منی نکالے اسے سزا دی جائے اس لئے کہ وہ حرام کام بلکہ گناہ کبیرہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب لوگ اس کے حکم کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپؑ فرماتے ہیں: "یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس سے خدا نے قرآن مجید میں منع کیا ہے اور منی نکالنے والے کی مثال یہ ہے جیسے اس نے اپنے آپ سے نکاح کیا ہو۔ اگر میں کسی ایسے شخص کو جان لوں جو یہ کام کرتا ہے تو اس کے ساتھ کھانا نہ کھاؤں۔"

اس حدیث کا راوی آپؑ سے پوچھتا ہے: "یہ مطلب قرآن کے کس مقام سے نکلتا ہے۔"

تو آپؑ فرماتے ہیں، اس آیت سے: "جو کوئی اپنی بیوی یا لونڈی کے علاوہ کسی اور سے اپنی شہوت کی تسکین کرتا ہے وہ بد عنوان ہے۔"

راوی نے پھر پوچھا: "زنا کا گناہ بڑا ہے یا منی نکالنے کا؟"

آپؑ نے فرمایا: "منی نکالنا بڑا گناہ ہے۔" (جواہر الاحکام کتاب الحدود)

لوگ امام سے منی نکالنے کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں: "یہ بڑا اور نہایت برا گناہ ہے اور یہ کسی حیوان سے جماع کرنے یا رگڑ کر شہوت مٹانے کے حکم میں آتا ہے۔" لوگوں نے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: "جو کوئی اپنی شہوت

اس سے یا اس جیسے کسی اور ذریعے سے مٹاتا ہے وہ زنا کرنے کے حکم میں داخل ہے یعنی یہ زنا کے گناہ کے برابر ہے۔"

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "لوگوں کے تین گروہ ایسے ہیں جن سے خدا بات نہیں کرے گا، انہیں رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا اور انہیں پاک نہیں کرے گا ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پہلا وہ جو اپنے سفید بال اکھاڑتا ہے (تاکہ وہ یہ دکھائے کہ وہ جوان ہے)، دوسرا وہ جو اپنے عضو کے وسیلے سے اپنی شہوت مٹاتا ہے اور تیسرے وہ جس شخص سے اغلام کیا گیا ہو۔"

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "جو اپنے ہاتھ سے اپنی شہوت مٹاتا ہے وہ ملعون ہے۔" (نکاح مستدرک صفحہ ۵۷۰)

صاحب جواہر فرماتے ہیں: "بیوی اور کنیز کے ساتھ منی خارج کرنا دلیلوں سے جائز معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا ترک بہتر ہے اور مسائل میں بھی قریب قریب یہی کہا گیا ہے لیکن احتیاط کا طریقہ اس کا ترک کر دینا ہی ہے۔"

جلق کا رواج

بد قسمتی سے نکاح کرنے کی بے حد و حساب مشکلات اور جوانوں کے کنوارے رہنے نے اس گھر پھونک بیماری اور گناہ کبیرہ کو غیر معمولی رواج دے دیا ہے اور اس سے بہت سے پیارے جوان آخرت کی سزاؤں سے قطع نظر جان بوجھ کر یا انجانے میں طرح طرح کی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو آگاہ کریں اور اپنے جوانوں کا خیال رکھیں اس طرح دوسرے نمبر پر دین اور حفظان صحت کی تعلیم دینے والے منشیوں اور مدرسوں کا فرض ہے کہ وہ جوانوں کو اس معصیت کے خطرناک روحانی اور جسمانی نتائج سے باخبر کریں۔

اس مقام پر ہم منی خارج کرنے کے کچھ نقصانات کتاب "ناتوانی ہائے جنسی" سے نقل کرتے ہیں جو اس فن کے ماہرین کی تحریروں کا مجموعہ ہے:

جلق کے جسمانی و روحانی نقصانات

یہ عمل لوگوں کو شہوانی قوئی کی کمزوری میں مبتلا کرتا ہے، سستی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے، ان سے دلیری اور ایمانداری رخصت ہو جاتی ہے، ایسے کتنے ہی لوگ ہیں جو جوانی کے شروع میں ہی ہتھلس (جلق) کی وجہ سے ایسی روحانی اور جسمانی کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ منشیات کے عادی لوگ بھی ان کے مقابلے میں شیر نر نظر آتے ہیں۔ یہ غیر فطری جنسی عمل یعنی منی خارج کرنا یا ہتھ لس کرنا پانچوں حواس سے اس قدر قریبی تعلق رکھتا ہے کہ سب سے پہلے آنکھ اور کان پر اس طرح اثر کرتا ہے کہ نظر کو کمزور کر دیتا ہے اور سماعت کو بھی خاص حد تک ناکارہ بنا دیتا ہے۔ ہتھ لس کرنے والے خصوصاً وہ لوگ جو جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگتے ہیں جن سے انہیں سخت پریشانی ہوتی ہے۔ وہ آنکھوں کو بند کر لیں تب بھی ان ترمروں سے انہیں نجات نہیں ملتی اور جب یہ عمل ہر بار کئی منٹ تک جاری رہتا ہے تو انہیں چکر آجاتا ہے اور وہ زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح ان کے کانوں میں گھنٹیوں کی سی آوازیں آنے لگتی ہیں جن سے انہیں بہت بے چینی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جسمانی اور روحانی قوتیں کم ہو جاتی ہیں، خون گھٹ جاتا ہے، رنگ اڑ جاتا ہے، یادداشت کمزور پڑ جاتی ہے، جسم دبلا ہو جاتا ہے، سستی اور کاہلی بے حد بڑھ جاتی ہے، بھوک جاتی رہتی ہے، کج خلقی پیدا ہو جاتی ہے، طبیعت میں چڑچڑاہٹ آجاتی ہے، سر میں درد رہنے لگتا ہے اور دوسری بیماریوں کی ہزاروں مصیبتیں ہیں جو ہتھ لس کرنے والوں کو آگھیرتی ہیں۔

البتہ جو لوگ جسمانی لحاظ سے قوی ہیں ممکن ہے ان کا ان بیماریوں سے دیر میں سابقہ پڑے لیکن ان سے چھٹکارا پانا بچے رہنا ناممکن ہے اور سب کو خواہ مخواہ ان مصیبتوں میں گرفتار ہونا ہی پڑتا ہے۔

ہتھ لس کرنے والوں کی ایک بدبختی یہ ہے کہ ان کی قوت ارادی ختم ہو جاتی ہے، اس لئے جب انہیں اپنے عمل کے نتیجے کا پتا لگتا ہے تو ان میں اتنی قوت ارادی نہیں ہوتی کہ اسے چھوڑ سکیں۔ سو ہم جو یہ کہتے ہیں کہ منی خارج کرنے کا عمل روحانی لحاظ سے بھی انسانی قویٰ کو خراب کر دیتا ہے بے سبب نہیں ہے۔ یہ عمل جسمانی نقصانات کے علاوہ جنسی لحاظ سے بھی انسان کو خراب کر دیتا ہے۔ یعنی رس دینے والے اندرونی غدودوں کو بیکار کر دیتا ہے۔ یہ غدود منی بناتے ہیں جو ہتھ لس کے باعث دھیرے دھیرے چھوٹے ہو کر چنے کے برابر رہ جاتے ہیں اور چونکہ اس صورت میں منی یعنی ماء الحیات یا آب زندگی نہیں بنا سکتے، انسان ہمیشہ کے لئے جنسی لذت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر اس صورت میں مکمل طور پر نامرد نہ بھی ہو تو قطعی طور پر دوسری جنسی کمزوریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اکثر دیکھا اور سنا گیا ہے کہ ہتھ لس کے عادی جوانوں کی تھوڑے ہی دنوں میں یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کی پیشاب کی جگہ خون آنے لگتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جن لوگوں کی ایسی حالت ہو جاتی ہے وہ چاہے جس قدر جوان ہوں موت کا خطرہ ان کی گھات میں رہتا ہے کیونکہ شہوت کے بغیر اور شہوت کا مزہ لئے بغیر ان کی منی برابر بہتی یا نکلتی رہتی ہے اور اسی کی وجہ سے چلتے چلتے یکایک گر پڑتے ہیں اور بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

تہران کے پاگل خانے میں جا کر دیکھئے وہاں رہنے والے دس پاگلوں میں سے

نوجتھ لس کے عادی ہیں۔ یعنی منی خارج کرتے کرتے پاگل ہو گئے اور پاگل خانے میں ایک طرف آپڑے کیونکہ جتھ لس کا نامعقول اثر دماغی قوتوں پر زیادہ ہوتا ہے اور جب دماغی قویٰ بگڑ جاتے ہیں تو یہ مانی ہوئی بات ہے کہ پاگل پن پر نوبت پہنچے گی۔ بلامبالغہ سل کے دس مریضوں میں سے جو دارالصحت (سینے ٹوریم) میں سو رہے ہیں چار مریض جتھ لس کی لت پڑنے کے باعث اس خطرناک بیماری میں مبتلا ہوئے ہیں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت ہے جس تک علماء اور اسکالر دسیوں سال کے تجربے کے بعد پہنچ پائے ہیں۔ (ناتوانیہائے جنسی صفحات ۴۸ تا ۵۲)

آج کی دنیا کہتی ہے: خوب کھاؤ لیکن کسی کام میں حد سے نہ بڑھو۔ طاقتور رہو تاکہ بیمار نہ پڑو۔ لیکن جتھ لس کے عادی لوگوں کو بھوک نہیں لگتی جو خوب کھائیں اور وہ جنسی معاملات میں بھی غیر فطری طریقے سے حد سے تجاوز کرتے ہیں اس لئے مجبوراً کمزور ہوتے ہیں اور چونکہ کمزور ہوتے ہیں اس لئے ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہونے کا امکان رکھتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض جتھ لس کے عادی اس عمل میں افراط کی وجہ سے (Sadism) سے ملتی جلتی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کے جذبات کتے بلی کو دیکھ کر بھی برانگیختہ ہو جاتے ہیں اور وہ فوراً جلق کرنے لگ جاتے ہیں۔ چونکہ کوئی آدمی پانچ چھ مہینے سے زیادہ اپنی جنسی قوت سے اس طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے جنسی قویٰ بیکار ہو جاتے ہیں یا وہ نہایت دلخراش حالت میں اپنی موت سے جا ملتا ہے۔ (ناتوانی ہائے جنسی صفحات ۴۸ تا ۵۴)

ممکن ہے کہ بعض جتھ لس میں مبتلا لوگ قوی جسم رکھنے یا اس کام میں نئے نئے مشغول ہونے کے باعث ابھی تک بیمار نہ پڑے ہوں اور انہیں اپنے ناپسندیدہ

عمل کے نقصانات کا پتا نہ چلا ہو ہماری ان باتوں کو جو ہم نے ہتھ لس کے نقصانات کے تحت لکھی ہیں مبالغہ سمجھ کر دل میں سوچیں کہ اگر یہ حقیقت ہے تو ہم ابھی تک کیوں نہیں بیمار پڑے ؟

ان لوگوں کے جواب میں یہ کہنا ہے کہ اگر آج ہتھ لس کے نقصانات تم تک نہیں پہنچے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تم طاقتور جسم کے مالک ہو یا یہ عمل تم نے نیا نیا شروع کیا ہے۔ ورنہ چند دن بعد یہ نقصانات تمہیں ضرور بالضرور لاحق ہوں گے۔ پھر ہم نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ جس نے ایک ہفتے تک بھی یہ عمل کیا ہے اس پر یہ تمام بیماریاں ایک دم حملہ آور ہو جائیں گی کیونکہ لوگوں کی اندرونی حالتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ جس کسی نے ایک مدت تک ہتھ لس کی ہو وہ پہلے مرحلے میں صرف اعصاب کی سستی یا سماعت کے خلل یا نظر کی کمزوری یا سر کے چکروں میں مبتلا ہو اور پھر ایک ایک کر کے باقی بیماریاں اس تک پہنچیں۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ ہتھ لس شرع کے لحاظ سے بھی اور عمومی لحاظ سے بھی ہر طرح حرام اور ناپسندیدہ فعل ہے۔

11

بدعت

گیارہواں گناہ کبیرہ بدعت ہے جس کا حرام ہونا مذہب کی ضرورت ہے اور جو اس لئے کبیرہ ہے کہ مسلسل روایتوں میں اس کے لئے عذاب کا وعدہ ملتا ہے اور چونکہ اصل بات مانی ہوئی اور ظاہر ہے اس لئے صرف چند روایتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جاتی ہ۔(وسائل الشیعہ کتاب امر بمعروف باب ۴۰)

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "جو بدعت کرنے والے کے نزدیک گیا اور جس نے اس کا احترام کیا اس نے بلاشبہ دین اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ بدعت کو گناہ کبیرہ شمار کرتے ہیں کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "جو بدعت کرنے والے سے خوش ہو کر اور ہنس کر ملا اس نے بلاشبہ اپنا دین بگاڑا۔" (سفینۃ البحار جلد ا صفحہ ۶۳)

حضرت پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "میرے بعد جب تم کسی شکی اور بدعتی کو دیکھو تو اس سے دور رہو۔ اسے بہت زیادہ برا بھلا کہو، اسے گالیاں سناؤ، طعنہ دو، اسے تھکا دو، عاجز کر دو تاکہ تمہیں جواب نہ دے پائے، لوگ اس سے اسلام میں بگاڑ کے سوا اور کوئی امید نہ رکھیں، اس سے چوکنا رہیں، اس کی بدعتیں نہ سیکھیں تاکہ خدا تمہارے لئے اس کام کے عوض نیکیاں لکھے اور آخرت میں تمہارے درجے بلند کرے۔" (وسائل الشیعہ باب ۳۹)

علامہ مجلسیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "شکیوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے دین میں شک کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی اس غلطی کی بدولت شک میں ڈالتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے شکیوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا دین فاسد گمان اور وہم پر قائم ہے جیسے اہل خلاف (سنیوں) کے علماء اور ممکن ہے کہ ان سے مراد بدکار، کھلم کھلا گناہ کرنے والے اور دین کے بارے میں منہ پھٹ لوگ ہوں کیونکہ یہی بات اس کا سبب ہے کہ لوگ ان کے دیندار ہونے میں شک کرتے ہیں اور ان کے عقیدے کی کمزوری کی علامت ہے۔

بدعت کیا ہے؟

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "امت میں جو باتیں حضرت رسول خداؐ کے بعد شروع کی گئی ہوں وہ بدعت (ایجاد) ہیں۔ اس کے بارے میں کوئی خاص یا عام نص موجود نہیں ہے۔ اور نہ خصوصیت یا عمومیت کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔ جو کچھ عام طور پر ہوتا ہے وہ بدعت نہیں ہے۔ جیسے مدرسہ بنانا وغیرہ کیونکہ مؤمن کو سکونت اور مدد دینا عام باتوں میں شامل ہے اور جیسے علمی کتابیں تصنیف اور تالیف کرنا جو شرعی علوم کی مدد ہے یا جیسے وہ لباس جو پیغمبر خداؐ کے زمانے میں رائج نہیں تھے یا نئی غذائیں جو عام لوگوں میں پسندیدہ اور مرغوب ہیں اور ان سے منع نہیں کیا گیا ہے۔

ہاں جو عام لباس یا غذا کے طور پر ہو اگر اسے خصوصیت دیں اور کہیں کہ اس خاص طریقے سے خدا نے اس کا حکم دیا ہے تو یہ بدعت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نماز جو سب سے اچھا عمل ہے اور جس کا ادا کرنا ہر حال میں مستحب ہے اگر چند رکعتوں کو کسی خاص وجہ سے مخصوص کر دیا جائے یا کسی مخصوص وقت سے وابستہ کر دیا جائے تو بدعت ہوگی۔ (جیسے خلیفہ ثانی حضرت عمر نے حکم دے دیا تھا کہ رمضان میں ہر رات

کو بیس رکعت نماز باجماعت پڑھا کرو) اور جیسے کوئی کہے کہ فلاں وقت خصوصیت سے ستر بار لاالہ الااللہ کہنا مستحب یا واجب ہے جبکہ اس کیلئے کوئی معتبر دلیل نہ ہو تو یہ بدعت ہے۔ بہر حال دین میں اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نکالنا یا بڑھانا جس کی اصل یا خصوصیات کے حق میں کوئی دلیل نہ ہو بدعت ہے۔(۱)

شہید کے نقطۂ نظر سے بدعت کی قسمیں

شہید اولؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد جو باتیں نکلی ہیں ان کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ، مباح اور بدعت جو نئی باتیں ہیں اور حرام ہیں۔ ان باتوں کی تشریح یہ ہے:

۱۔ واجب۔ جیسے قرآن اور احادیث کا جمع کرنا جس وقت (لوگوں کے حافظے سے) ان کے تلف ہو جانے کا ڈر ہو کیونکہ آنے والوں کے لئے دین کی تبلیغ اجماع اور قرآنی آیات کے مطابق واجب ہے اور یہ فریضہ امامؑ کی غیبت میں قرآن اور سنت کی حفاظت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا اور جب امامؑ موجود اور حاضر ہوں گے تو وہ خود ان کے حافظ اور محافظ ہوں گے اور پھر کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

۲۔ حرام وہ بدعت ہے جس پر حرام ہونے کی دلیل لگتی ہے جیسے معصوم امام پر غیر معصوم امام کو مقدم کرنا، ان کے مخصوص مناصب ہتھیا لینا، ظالم حکمرانوں کا مسلمانوں کا مال مارنا، مستحق لوگوں کو ان کے حق کا مال نہ دینا، اہل حق سے لڑنا اور انہیں جلاوطن کرنا، محض بدگمانی پر قتل کرنا، فاسق کی بیعت کرنے پر مسلمانوں کو مجبور کرنا اور اس پر قائم رہنا، اس کی مخالفت کو حرام قرار دینا، مسح کے بجائے دھونا، جسم کی کھال کے علاوہ اور چیزوں پر بھی مسح کرنا، نشہ آور مشروبات کا بہت زیادہ پینا،

۱۔ دیکھئے مرآت العقول جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ اور بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

نافلہ نمازیں جماعت سے پڑھنا، جمعہ کو دوسری اذان دینا، متعہ الحج اور متعہ النساء کو حرام کرنا، امام علیہ السلام کے خلاف جھگڑا کرنا، دور کے رشتے داروں کو وراثت کا مال دینا اور قریبی رشتے داروں کو نہ دینا، حقداروں کا خمس روک لینا اور بے وقت روزہ افطار کرنا اور ایسی ہی اور بھی مشہور بدعتیں ہیں جن پر شیعہ اور سنی دونوں کا اجماع ہے اور اسی قسم میں کٹیکس کا محصول وصول کرنا، غیر صالح شخص کو عہدہ اور منصب بخشش میں دینا یا وراثت میں دینا یا کسی اور طریقے سے دینا شامل ہیں۔

۳۔ مستحب ہر ایسا عمل ہے جس کے مستحب ہونے کی دلیل موجود ہو جیسے مدرسے اور گھر بنانا لیکن اس میں وہ انتظامات شامل نہیں ہیں جو بادشاہ اپنے دہلانے والے جلوس کے لئے کرتے ہیں جب تک کہ یہ اسلام کے دشمنوں کو دہلانے کے لئے نہ ہوں۔

۴۔ مکروہ وہ چیز ہے جس پر کراہت کی دلیل لگتی ہے جیسے تسبیح زہراؑ میں زیادتی اور کمی کرنا اور اسی طرح دوسرے فرائض اور کاموں میں بھی گھٹانا بڑھانا، کھانے پینے میں اتنی افراط جو فضول خرچی تک نہ پہنچے اور جب نقصاندہ ہو جائے تو اپنے اور اپنے خاندان کے لئے حرام ہو جائے گی۔

۵۔ مباح وہ چیز ہے جس پر اباحت کی دلیلیں لگتی ہیں جیسے آٹا چھاننا جس کے لئے کہا گیا ہے کہ رسول خداؐ کے بعد جو نئی چیز درآمد ہوئی وہ آٹا چھاننے کی چھلنی تھی چونکہ مباح باتوں سے خوشی اور آرام ملتا ہے اس لئے مباح کا وسیلہ اور ذریعہ بھی مباح ہوتا ہے۔ (کتاب قواعد صفحہ ۲۵۶)

علامہ مجلسیؒ کا قول

مقدمہ بیان کرنے کے بعد علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "بدعت کا مطلب یہ

ہے کہ جس بات کو خدا نے حرام کر دیا ہو اسے حلال کر دیں یا اسے مکروہ قرار دے دیں جسے خدا نے مکروہ نہ کیا ہو یا اس بات کو واجب کر دیں جسے خدا نے واجب نہ فرمایا ہو یا اس کام کو مستحب کر دیں جسے خدا نے مستحب قرار نہ دیا ہو چاہے کسی خصوصیت کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً خدا نے فرمایا ہے کہ نماز ہر وقت مستحب ہے۔ اگر کوئی اس لحاظ سے نماز پڑھتا ہے کہ چونکہ ہر وقت سنت ہے اور یہ بھی انہیں وقتوں میں سے ہے اس لئے میں اس وقت نماز پڑھوں گا تو ثواب ملے گا اور اگر سورج ڈوبتے وقت دو رکعت نماز اس لئے پڑھے کہ خدا نے خصوصیت کے ساتھ اس وقت مجھ سے اس نماز کا مطالبہ کیا ہے تو یہ بدعت ہو جاتی ہے اور حرام ہے جس طرح عمر نے خصوصیت سے چاشت کے وقت کے لئے چھ رکعتیں مقرر کر دی تھیں کہ اس وقت سنت کے طور پر پڑھنا چاہئیں۔ اس وجہ سے بدعت حرام ہو گئی اور ہمارے اماموں نے اس سے منع کر دیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نافلہ نماز کی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھتا ہے تو چونکہ سنتی نماز کی یہ شکل پیغمبر اکرمؐ سے ہم تک نہیں پہنچی ہے اس لئے بدعت اور حرام ہے یا اگر کوئی ہر رکعت میں دو رکوع بجالائے تو حرام ہے۔

اسی طرح کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کو ہر وقت پڑھتے رہنا سنت اور بہترین عبادت ہے۔ اگر کوئی یہ مقرر کرے کہ نماز صبح کے بعد مثلاً اس کا ڈیڑھ ہزار بار پڑھنا سنت ہے اور اس گنتی کو خصوصیت سے اس وقت کے لئے شرع کی طرف سے مقرر کیا ہوا جانے یا خود مقرر کر لے اور اس خصوصیت کو عبادت جانے تو یہ دین میں بدعت اور بدترین گناہ ہو گا۔ (عین الحیاۃ صفحہ ۲۳۳)

بدعت یعنی خدا کا حکم تبدیل کر دینا

اس لحاظ سے بدعت کے معنی خدا کے دین کو بدلنا اور اپنا ناقص رائے اور عقل سے اس میں کچھ بڑھانا یا اس سے کچھ گھٹانا ہے چاہے اصول میں ہو چاہے فروع میں۔(اصول کافی کتاب فضل العلم باب ۲۰)

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "محمدؐ کا حلال قیامت تک ہمیشہ حلال رہے گا اور ان کا حرام روز قیامت تک برابر حرام رہے گا۔ ان کے سوا کوئی اور پیغمبر نہیں ہے اور ان کے علاوہ (قیامت تک) اور کوئی نہیں آئے گا اور علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو بدعت کرتا ہے وہ اس کی بدولت سنت کو ختم کر دیتا ہے۔" (اصول کافی کتاب فضل العلم باب ۲۰)

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو شخص لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے حالانکہ ان کے درمیان اس سے زیادہ عقلمند شخص موجود ہوتا ہے وہ شخص بدعتی اور بہکانے والا ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)

۱۲ غیر واجب حکم

خدا نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے خلاف حکم دینا بار ہواں گناہ ہے اور اس گناہ کے بڑے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے ایسا حکم دینے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق کہا ہے اور سورۃ مائدہ کی آیات ۴۴، ۴۵ اور ۴۷ کے آخر میں فرماتا ہے: "اور خدا نے جو نازل فرمایا ہے جو لوگ اس کا حکم نہیں دیتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔" اور ان جملوں سے وہ ان کے کفر، ظلم اور گناہ کی تصدیق کرتا ہے۔

تفسیر المیزان میں لکھا ہے کہ یہ تینوں آیتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو خدا کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہیں دیتے اور جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے: "یہ لوگ کافر، ظالم اور فاسق ہیں" یہ ایسی عمومی آیات ہیں جو کسی قبیلے یا گروہ سے مخصوص نہیں ہیں اگرچہ اس مقام پر یہ اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) پر صادق آتی ہیں۔

مفسرین نے "اس شخص کا کفر جو خدا کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہیں دیتا" کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ اس قاضی کے متعلق جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں دیتا جو خدا نے نازل کیا ہے، اس حاکم کے متعلق جو اس کے خلاف حکم دیتا ہے جو خدا نے نازل فرمایا ہے اور اس بدعتی کے متعلق جو غیر الٰہی قوانین کو مانتا ہے کیا حکم ہے؟

بے شک یہ فقہ کا ایک مسئلہ ہے اور تحقیق یہ ہے کہ کسی حاکم شرعی کی مخالفت یا ہر اس حکم کی مخالفت جو دین میں ثابت ہے اگر دین میں اس کے ثابت ہونے کا علم ہونے کے باوجود کی جاتی ہے اور اس حکم کو رد کیا جاتا ہے تو اس سے کفر لازم آتا

ہے اور اگر اسے رد نہ کیا جائے اور صرف عمل میں اس کی مخالفت کی جائے یعنی اس کے خلاف عمل کیا جائے تو یہ فسق کا سبب ہے اور جب یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حکم شرع میں ثابت ہے یا نہیں تو پھر اسے رد کرنے کے باوجود نہ وہ کفر کا باعث ہے نہ فسق کا کیونکہ وہ ایسا قصور ہے جس میں انسان معذور ہے بجز اس صورت کے جبکہ اس کا علم حاصل کرنے میں کمی اور زیادتی کی گئی ہو (فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے)۔

اس بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں (وسائل الشیعہ کتاب قضا باب ۱تا۷)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو شخص صرف دو درہم کی سی حقیر رقم کے بارے میں بھی خدا کے حکم کے خلاف حکم کرتا ہے خدا کی قسم وہ کافر ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب قضا باب ۵)

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "جو شخص لوگوں کو اس چیز کے بارے میں فتویٰ دے جس کا اسے خدا کی طرف سے علم نہیں ہے اور جس کا اسے سراغ بھی نہ ملا ہو تو رحمت اور عذاب کے تمام فرشتے اس پر لعنت کریں گے اور جس شخص نے اس کے فتویٰ پر عمل کیا اس کی ذمے داری اسی پر ہوگی۔" (وسائل الشیعہ کتاب قضا باب ۴)

اس بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں کہ ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا جو حکم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا گویا طاغوت کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر اس کے حکم سے کچھ مال اس کے ہاتھ لگ جائے تو چاہے وہ حق پر ہی ہو سحت ہے اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

۱۳ حرام مہینوں میں جنگ
اور
۱۴ خدا کی راہ سے روکنا

تیرہواں گناہ کبیرہ حرام مہینوں میں جنگ کرنا ہے اور وہ چار مہینے ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب اور اور اس سے مراد مسلمانوں کے جنگ کرنے کی ابتدا ہے جو ان چار مہینوں میں حرام ہے اس لحاظ سے اگر کافروں یا ایسے لوگوں کی طرف سے جنگ چھیڑی جائے جو ان چار مہینوں کو حرام نہیں مانتے تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ ان سے ان چار مہینوں میں بھی لڑیں۔

اس بات کے گناہ کبیرہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کی صراحت کافی ہے جو کہتا ہے: "تجھ سے حرام مہینے میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ حرام مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے۔" (سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۷) اور اسی وجہ سے اس کا ذکر پہلے باب میں ان کبیرہ گناہوں کے سلسلے میں زیادہ مناسب تھا جن کے بارے میں نص موجود ہے۔

جب حرام مہینوں میں لڑائی کے کبیرہ ہونے کی تصریح فرمادی اس وقت باقی آیت میں دوسرے چار گناہ اس سے بھی بڑے سمجھے گئے اس بنا پر ان دوسرے چار گناہوں کا کبیرہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ تیسری فصل میں بیان کیا جائے گا۔

ان چار گناہوں سے مراد ہے خدا کی راہ سے منع کرنا، خدا سے کفر کرنا، لوگوں کو مسجد الحرام سے روکنا اور مسجد الحرام سے اس کے لوگوں کو باہر نکالنا۔ یہ چار

باتیں خدا کے نزدیک حرام مہینوں میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ بڑے گناہ ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ اور اس کے متعلقات کے بارے میں تحقیقات کی ایک تفصیل ہے جو تفسیر مجمع اور منہج وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں جس بات کا جاننا لازم ہے وہ "صد عن سبیل اللّٰہ" کے معنی اور مراد ہیں جس کا گناہ کبیرہ ہونا مسلم ہے اور جو قرآن مجید میں کئی مقامات پر کافروں اور منافقوں کا کام شمار کیا گیا ہے۔ مثلاً خداوند عالم سورۂ ابراہیم میں فرماتا ہے: "کافروں پر ان کے سخت عذاب کی وجہ سے افسوس ہے۔ انھوں نے دنیا کی زندگی کو پسند کیا اور اسے آخرت پر ترجیح دی اور یہ دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں۔" (آیت ۲)

صد عن سبیل اللّٰہ کے واقعات اور معاملات

۱۔ اس کا سب سے سخت معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء کی طرح خدا پر ایمان لانے اور دوسرے تمام صحیح عقیدوں سے دوسروں کو روکنا ہے جو نہیں چاہتے کہ حضرت محمد ابن عبداللہؐ کی نبوت اور حقانیت ان کی قوم پر ظاہر ہو اور وہ اس کے معتقد ہوں اور سنی علماء کی طرح جو سنی مسلمانوں کو علی بن ابی طالبؑ کی امامت اور بلا فصل خلافت اور ان کے گیارہ فرزندوں کی امامت کا علم نہیں ہونے دیتے۔

۲۔ دوسروں کو واجبات پر عمل کرنے اور محرمات الٰہی کو ترک کرنے سے روکنا۔ مثلاً ایک شخص پر حج واجب ہے اور وہ حج کرنے کے لئے جانا چاہتا ہے تو دوسرا اسے کسی نہ کسی بہانے سے روکتا ہے۔ اسی طرح نماز روزے اور دوسرے واجبات میں روکتا ہے اور جب امر بہ معروف اور نہی از منکر گناہ کبیرہ ہو اور ان کے لئے شدید عذابوں کا وعدہ کیا گیا ہو جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو معروف سے منع کرتا ہے اور منکر کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ دوسروں کو ایسے نیک کام سے روکنا جو خدا کے نزدیک اچھا اور اس کے نزدیک لے جانے والا ہو مثلاً خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دوسرے مستحب کاموں سے دوسروں کو روکنا۔ (مناع للخیر معتد اثیم)

اگرچہ تیسری قسم کو حرام نہیں کہہ سکتے لیکن احتیاط اس کے ترک کرنے میں ہے کیونکہ جس شخص کو نیکی سے روکا گیا ہے وہ روکنے والے سے قیامت میں باز پرس کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا تھا اور مجھے نیکی اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے طریقوں سے روکا تھا اور اس کی مذمت میں جو روایتیں کتاب امر بمعروف وسائل الشیعہ باب ۸ میں بیان کی گئی ہیں وہی کافی ہیں۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "نیکی کی راہ کے لٹیروں پر خدا لعنت کرے۔" جب لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو آپؑ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ دوسرے بھلائی اور نیکی کرتے ہیں لیکن یہ ان کی ناشکری کرتے ہیں اسی لئے پھر نیک لوگ دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی نہیں کرتے۔" (کافی)

۱۵ کفران نعمت

پندرھواں گناہ کبیرہ کفران نعمت (احسان فراموشی) ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے چند مقامات پر کفر بھی کہا گیا ہے اور اسے پچھلی قوموں پر عذاب نازل ہونے کا سبب بھی بتایا گیا ہے۔

خدا سورۃ ابراہیم میں فرماتا ہے: "اور اے بنی اسرائیل! اس بات کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے تم کو خبردار کیا تھا کہ اگر میری نعمتوں (ایمان اور نیک اعمال کی بدولت فرعون اور دوسروں کے شر سے نجات) پر شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کردوں گا اور اگر ناشکراپن کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب (ناشکروں یا احسان فراموشوں پر) سخت ہوگا۔" (آیت ۷)

خدا سورۃ البقرہ میں بھی فرماتا ہے: "سو مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں، میری نعمتوں کا شکر ادا کرو اور کافر نہ ہو۔" (آیت ۱۵۲)

قوم سبا احسان فراموشی کرتی ہے عذاب بھگتتی ہے

خدا سورۃ سبا میں سبا کے باشندوں کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

"سبا کے قبیلے کے لئے (جو یمن میں تھا) لوگوں کے گھر (ان کی قوت و طاقت، خدا کی نعمتوں کی فراوانی اور ان کی ناشکری پر سخت عذاب اور سزاؤں) کی نشانی تھے اور وہ نشانی یہ ہے کہ اس قبیلے کے دو باغ تھے جو راہ چلنے والے کے دائیں بائیں یا ان کے گھروں کے دونوں طرف واقع تھے (اور کہتے ہیں کہ ان میں سانپ، بچھو، مچھر، چیچڑی اور جوں وغیرہ کی قسم سے کوئی ستانے والا کیڑا نہیں تھا اور اگر کوئی ان

درختوں کے نیچے خالی ٹوکری رکھ آتا تھا تو وہ ٹوکری پھلوں سے بھر جاتی تھی)
پیغمبروں نے ان سے کہا: "خدا کا رزق کھاؤ اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرو، تمہارا شہر
خوش حال ہے اور تمہارا خدا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔" انہوں نے سرکشی کی
اور ناشکرا پن دکھایا (اور کہنے لگے ہم نہیں سمجھتے کہ خدا نے ہمیں کوئی نعمت بخشی ہے
اور اگر یہ نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں تو اس سے کہیئے کہ وہ واپس لے لے)۔ چنانچہ ہم
نے ان کے لئے عرم کا سیلاب بھیجا (بتایا گیا ہے کہ عرم ایک پشتے کا نام ہے جو سبا کی
ملکہ بلقیس نے دو پہاڑوں کے بیچ میں پتھر اور تارکول سے بنوایا تھا جہاں بارش کا پانی اکٹھا
ہوتا تھا۔ اس میں ایک کے اوپر ایک تین دروازے بنوائے تھے اور نیچے ایک بڑی سی
جھیل تھی جس میں سے نکلنے والی نہروں کی تعداد کے مطابق بارہ موریاں بنوائی تھیں۔
جب بارش ہوتی تھی اس بند کے پیچھے پانی اکٹھا ہو جاتا تھا اس وقت اوپر کا دروازہ کھول
دیتے تھے تاکہ پانی اس جھیل میں آجائے اگر پانی کم ہوتا تھا تو درمیانی دروازہ کھول
دیتے تھے اور اگر اور کم ہوتا تھا تو نچلا دروازہ اور جب پانی جھیل میں اکٹھا ہو جاتا تھا تو
اسے نہروں میں بانٹ دیتے تھے۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا یہاں تک کہ بلقیس کا انتقال
ہوگیا۔ یہ لوگ باغی ہوگئے اور حد سے گزر گئے تو خدا نے ان پر بڑے بڑے چوہے
مسلط کردیئے جنہوں نے بند میں چھید کردیئے۔ پانی میں طغیانی آگئی جس نے اس پشتے
کو منہدم کردیا۔ کچھ لوگ ہلاک ہوگئے اور کچھ ادھر ادھر بھاگ گئے اور انکی بھگدڑ اور
بے بسی عرب میں ضرب المثل بن گئی) اور ان دونوں باغوں کو ہم نے دو ایسے باغوں
میں تبدیل کردیا جن کے پھل کڑوے اور بدذائقہ تھے اور درختوں کو شورہ کھا گیا تھا
جن میں سے کچھ درخت بیری کے تھے یہ سزائیں ان لوگوں کی احسان فراموشی اور
ناشکرے پن کی تھیں اور کیا ہم ناشکروں کے سوا بھی کسی کو سزا دیتے

ہیں؟" (آیات ۱۵ تا ۱۷)

نعمت نقمت ہو جاتی ہے

خدا سورۂ نحل میں فرماتا ہے: "خدا نے ایک گاؤں کی مثال بیان کی ہے جس کے باسی امن اور اطمینان سے رہتے تھے۔ ہر طرف سے ان کے پاس بافراغت روزی چلی آتی تھی (خشکی اور تری دونوں سے) پھر انھوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے بھی بھوک اور خوف کو ان کا اوڑھنا (لباس) بنا کر ان کے کرتوتوں کا انھیں مزا چکھا دیا۔" (آیت ۱۱۲) لباس کا ذکر عذاب کے ان کو گھیر لینے کی مناسبت سے کیا گیا ہے یعنی جس طرح لباس پہننے والے کو ڈھانک لیتا ہے اسی طرح عذاب نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے گاؤں سے شہر مکہ مراد ہے جس کے باشندے سات سال تک کال اور بھوک میں مبتلا رہے تھے اور مجبوری اور بھوک سے ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جلی ہوئی ہڈیاں، مردار گوشت اور خون کھاتے تھے۔

ناشکرا پن ایک قسم کا کفر ہے

حضرت امام صادقؑ ناشکرے پن کو کفر میں ہی شمار کرتے ہیں کیونکہ خداوند عالم سلیمانؑ کی بات دہراتا ہے کہ خدا نے جو کچھ مجھے بخشا ہے اپنے فضل سے بخشا ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزار ہوں یا ناشکرا۔ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے شکر ادا کرتا ہے (کیونکہ اس سے اس کی نعمت بڑھتی ہے) اور جو کوئی ناشکرا پن کرے تو کرے حقیقت یہ ہے کہ میرا خدا شکر گزاری سے بے نیاز اور کریم ہے۔ اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہاری نعمت میں اضافہ کردوں گا اور جو ناشکرا پن کرو گے تو پھر بلاشبہ میرا عذاب بھی سخت ہو گا اور خدا یہ بھی فرماتا ہے

کہ تم مجھے یاد کرو گے تو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔ (اصول کافی کتاب الایمان والکفر باب وجوہ الکفر)

امام کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے ان تینوں آیتوں میں ناشکرے پن کو کفر کہا ہے۔ ان آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ناشکرے پن کے تین بڑے نتیجے نکلتے ہیں اس طرح کہ اس سے نعمت ختم ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے سخت اور دردناک عذاب آتا ہے اور خدا ناشکرے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

ناشکرا پن اور اہلبیتؑ کی روایتیں

اس بارے میں بہت سی روایتیں ہیں لیکن صرف چند کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے:

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "ہر گناہ کے مقابلے میں ناشکرے پن کی سزا ناشکرے کو بہت جلد مل جاتی ہے۔" (وسائل الشیعہ باب ۸ صفحہ ۵۱۷)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "تین گناہ ایسے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والے آخرت سے پہلے اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ والدین کی نافرمانی، لوگوں پر ظلم اور احسان فراموشی۔" (وسائل الشیعہ)

آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: "خدا کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور خدا کا سب سے زیادہ دشمن وہ ہے جو خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔" (مستدرک صفحہ ۳۱۶)

حضرت امیرالمومنینؑ اپنی وصیت میں فرماتے ہیں: "کسی نعمت کی ناشکری نہ کرو کیونکہ حقیقت میں ناشکرا پن سب سے برا اور گھٹیا قسم کا کفر ہے۔" (مستدرک صفحہ ۳۹۶)

کفران نعمت کے معنی

کفران نعمت کے معنی نعمت کو چھپانا ہیں اور اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ نعمت سے ناواقفیت۔ یہ سب سے بری اور شدید قسم ہے اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک نعمت سے ناواقفیت یا بے خبری ہے یعنی نہ سمجھنے کی وجہ سے نعمت کو نہیں پہچانتا، اس کی پرواہ نہیں کرتا یعنی اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور اس کے ہونے نہ ہونے کو یکساں جانتا ہے۔ دوسرے نعمت بخشنے والے سے ناواقفیت یا بے خبری ہے یعنی دراصل اپنے پروردگار ہی کو نہیں پہچانتا یا یہ نہیں جانتا کہ اس کی ایک صفت نعمت بخشنا بھی ہے۔ چنانچہ یہ نہیں سمجھتا کہ نعمت صرف اسی کی طرف سے آتی ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کی طرف سے آتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ نعمت سے بے خبری ہو یا نعمت دینے والے سے دونوں بے خبریاں کفران نعمت یعنی احسان فراموشی ہیں اور صاف سزاؤں کی مستحق ہیں کیونکہ کفران نعمت کے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔ حالت کے لحاظ سے کفر۔ یہ اس طرح ہے کہ عاقل انسان کو اس نعمت کے ملنے پر خوش اور مسرور ہونا چاہئے جو خدا اسے بخشتا ہے یہ سوچ کر کہ اللہ نے اس پر مہربانی کی اور اسے یاد رکھا اور وہ اس کے مسلسل فضل و کرم کا امیدوار رہے۔ (سورۃ یونس آیت ۵۸) اب اگر اس کے برعکس وہ اپنے پروردگار سے بدگمان رہے، اس کے فضل و کرم سے کوئی امید نہ رکھے یا اس سے خوش نہ ہو بلکہ اس سے بے تعلق اور ناامید ہو جائے تو یہ کیفیت یا حالت خدا کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

۳۔ اعضائے جسم سے کفر۔ یعنی عملی کفر اس طرح کہ دل میں گناہ کی نیت کرے اور زبان سے شکایت اور برائی کرے یعنی نعمتوں کا ذکر اور زبان سے ان کا

شکر ادا کرنے کے بجائے سب کو نظر انداز کردے (سورۃ والضحیٰ آیت ۱۱) اور اپنی آرزووں کے پورا نہ ہونے کی شکایت کرتے ہوئے خدا کے کاموں کی برائی کرے اور خدا کی نعمت کو وہاں صرف کرے جس کے لئے وہ پیدا نہیں کی گئی اور اپنے اعضاء سے وہ کام لے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اور جو اس کی رحمت سے دور کرنے والا ہے۔

حضرت امام سجادؑ (ایسے گناہ جو نعمتوں کو تبدیل کر دیتے ہیں) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "انہیں میں ناشکرا پن یعنی کفران نعمت بھی شامل ہے۔" (معانی الاخبار)

پیغمبر اکرمؐ بھی فرماتے ہیں: "مؤمن کے لئے فشار قبر (قبر کا مردے کو بھینچنا) ان نعمتوں کا کفارہ ہوتا ہے جو اس نے ضائع کر دی ہیں۔" (بحار الانوار جلد ۳)

شکر نعمت کے واجب ہونے کے متعلق بہت سی آیتیں اور حدیثیں ملتی ہیں اور شکر کی حقیقت اور اس کی قسموں کی اس قدر تفصیل موجود ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے لئے اصول کافی اور دوسری اخلاقی کتابیں ملاحظہ فرمایئے۔

اگر شکر نہ کرے تو انسان جانور سے بھی گھٹیا ہے

حضرت امام سجادؑ فرماتے ہیں: "خاص تعریف اس خدا کے لئے ہے جو اگر اپنے بندوں کو ان نعمتوں کا شکر عطا کرنا نہ بتاتا جو اس نے لگاتار اور کھلم کھلا عنایت فرمائی ہیں تو اس میں شک نہیں کہ وہ ان نعمتوں کو لے کر ان کا شکر ادا کئے بغیر انہیں اپنے کام میں لے آتے اور اگر وہ ایسا کرتے تو انسانیت کے دائرے سے نکل کر جنگلی جانوروں اور چوپایوں کی حد میں پہنچ جاتے جیسا کہ قرآن میں خدا فرماتا ہے: کفار حیوانات کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گھٹیا اور گمراہ۔" (دعائے اول صحیفہ سجادیہ)

غرض یہ ہے کہ نعمت کا شکر ادا نہ کرنے والا انسان دراصل آدمیت سے ہی خارج ہے پھر ایسے شخص کے متعلق ایمان، صحیح معارف اور نیک اعمال کی بدولت حاصل ہونے والی انسانی سعادتوں اور برکتوں کا تو ذکر ہی کیا ہو سکتا ہے جو اس کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے ہوں گی۔

واسطوں اور ذریعوں سے انکار (کفران)

چونکہ خدا نے دنیا کو اپنی حکمت و مصلحت سے دار الاسباب قرار دیا ہے اور اپنے بندوں تک ہر نعمت پہنچانے کا کوئی نہ کوئی واسطہ، سبب یا ذریعہ مقرر فرمایا ہے جس کی بدولت وہ نعمت بندوں تک پہنچتی ہے اس لئے عقل اور شرع کی رو سے واسطوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان کا بھی احسان ماننا چاہئے البتہ یہ نہیں کہ اس واسطے ہی کو مستقل طور پر اور حقیقت میں اپنا منعم (نعمت بخشنے والا) سمجھے بلکہ اس کا احترام ضرور کرے کیونکہ وہ نعمت کا ذریعہ ہے اور اپنی زبان اور اپنی حالت و کیفیت سے خدا کا شکر ادا کرے کہ فلاں شخص نے مجھے تیری فلاں نعمت پہنچائی ہے۔ یہاں چند روایتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام سجادؑ فرماتے ہیں: "بلاشبہ خدا ہر شکر گزار بندے کو پسند فرماتا ہے اور قیامت میں اپنے ایک بندے سے پوچھے گا (دنیا میں) تو نے فلاں شخص کا (جو میری نعمت کا ذریعہ تھا) شکریہ ادا نہیں کیا اس لئے میرا بھی شکر ادا نہیں کیا۔" پھر امامؑ نے فرمایا: "تم میں خدا کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ وہ ہے جو ان لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جن کے واسطے سے خدا کی نعمتیں ملتی ہیں۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "حقیقت میں خدا کا شکر ادا کرنا اس شخص کا شکریہ ادا کرنا ہے جس کے ذریعے سے تمہیں خدا کی نعمت ملی ہے۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام رضا فرماتے ہیں: "جو شخص ان لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا جن کے واسطے سے اسے نعمت الٰہی ملی ہے اس نے گویا خدا کا شکر ہی ادا نہیں کیا۔" (وسائل الشیعہ)

رسول خداؐ فرماتے ہیں: "قیامت میں بندے کو حساب کتاب کے مقام پر لائیں گے اور خدا حکم دے گا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ تو وہ کہے گا: اے پروردگار! مجھے دوزخ میں لے جانے کا حکم کس لئے دیتا ہے جبکہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہا ہوں؟ خدا فرمائے گا: اس لئے کہ میں نے تجھے نعمت بخشی اور تو نے شکر نہیں کیا۔ وہ کہے گا: اے خدا! تو نے مجھے فلاں نعمت دی تھی تو میں نے یوں شکر کیا، اور فلاں نعمت بخشی تو میں نے یوں شکر گزاری کی۔ اس طرح وہ خدا کی نعمتیں اور اپنی شکر گزاریاں گنائے گا۔ خدا فرمائے گا تو نے سب کچھ سچ کہا لیکن یہ بات بھی تو ہے کہ میں جن لوگوں کے واسطے سے تجھے نعمتیں بھیجیں تو نے ان کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں نے جس بندے کو اپنی نعمت عطا فرمائی ہے اس کا شکر اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک کہ وہ اس شخص کا شکریہ ادا نہ کرے جس کے وسیلے سے یہ نعمت اس تک پہنچی ہے۔" (وسائل الشیعہ باب ۸ صفحہ ۵۱۶)

پچھلی گفتگو میں حضرت امام صادقؑ کی ایک حدیث نقل کی گئی تھی جس میں آپ فرماتے ہیں: "اس شخص پر خدا کی لعنت ہو جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور وہ اس کا شکریہ ادا نہ کرے اور اس کی ناشکر گزاری (احسان فراموشی) کی وجہ سے نیکی کرنے والا پھر دوسروں کے ساتھ بھلائی نہ کرے۔" (۱)

۱۔ دیکھئے وسائل کتاب امر بمعروف جسلئے باب ۸ میں اس موضوع پر ۱۶ حدیثیں، باب ۷ میں ۱۱ حدیثیں اور مستدرک میں ۱۴ حدیثیں اور باب ۷ میں ۹ حدیثیں بیان ہوئی ہیں۔

نیکی کے واسطے کے شکریے کی حقیقت

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جب تجھے اپنے مؤمن بھائی سے کوئی نعمت یا نیکی حاصل ہو تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ خدا آپ کو جزائے خیر (اچھا بدلہ) عطا کرے اور اگر تیرا ذکر اس محفل میں کیا جائے جس میں تو موجود نہ ہو تو کہہ دے کہ خدا انہیں جزائے خیر عطا کرے۔ تو نے گویا اس طرح اس کی تلافی کر دی یعنی حساب برابر کر دیا۔" (وسائل الشیعہ۔ مستدرک)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: "جس نے تمہیں خدا کی قسم دلا کر تم سے کچھ مانگا اور جس سے تمہیں بھلائی اور نعمت ملی اس کی تلافی کرو یعنی تم بھی اس کی طرح اس کے ساتھ بھلائی کرو اور اگر تمہارے پاس وہ چیز نہ ہو جس سے تم تلافی کر سکتے ہو تو اس کے لئے اس طرح دعا کرو جس سے وہ جان جائے کہ تم نے تلافی کر دی ہے۔" (وسائل الشیعہ۔ مستدرک)

غرض ہر احسان کا بدلہ احسان سے چکانا چاہئے جیسا کہ خدا سورۂ رحمٰن میں فرماتا ہے: "کیا بھلائی کا بدلہ بھی بھلائی کے سوا کچھ ہو سکتا ہے؟" (آیت ۶۰) لیکن یہ پیش نظر رہے کہ بھلائی کی ابتدا کرنے والا افضل ہوتا ہے۔

روایتوں میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ اس حکم کے تحت احسان کرنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی مؤمن ہو یا کافر عبادت گزار ہو یا گناہگار غرضیکہ کوئی ہو اور اس نے کیسی ہی بھلائی کی ہو اس کی تلافی کرنا چاہئے۔

ولایت سب سے اعلیٰ نعمت ہے

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی شخص کے بارے میں خدا کی دنیاوی اور آخرت کی، صوری اور معنوی نعمتیں گنی نہیں جا سکتیں جیسا کہ قرآن مجید میں خدا یاد

دلاتا ہے: "اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا بھی چاہو تو گن نہیں سکو گے۔" (سورۃ ابراہیمؑ آیت ۳۴) ان نعمتوں میں سے ہر نعمت کی ناشکری، جن معنوں میں ذکر کیا گیا، گناہ کبیرہ اور عذاب کی سزاوار ہے۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ نعمت جتنی اہم اور بڑی اور اس کا اثر جتنا زیادہ ہوگا اس کی ناشکری کی سزا بھی اتنی ہی سخت اور زیادہ ہوگی اور اس کا گناہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔

ہر نعمت سے اعلیٰ اور اہم آل محمد علیہم السلام کی ولایت ہے (دیکھئے بحار الانوار جلد ۷) اور اس نعمت کی ناشکری ہر گناہ سے سخت ہے اور اس کی ناشکری ان کی ولایت کا نہ ماننا یا ان حضرات کو بھول جانا اور یاد نہ کرنا، ان سے محبت نہ رکھنا اور انکے اقوال اور اوامر و نواہی کے ماننے سے منہ موڑنا غرض ان کے منصب کی پرواہ نہ کرنا اور ان کی ولایت کی نعمت سے فیض حاصل نہ کرنا ہے۔

تفسیر صافی اور برہان وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ایمان سے متعلق زیادہ تر آیتوں کا اشارہ ولایت پر ایمان رکھنے سے ہے اور اسی طرح کفر کے موضوع سے متعلق آیتیں زیادہ تر ولایت کے انکار سے متعلق ہیں۔ مثال کے لئے دو ایک آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

خداوند عالم سورۃ ابراہیمؑ میں فرماتا ہے: "کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اپنی قوم کو جہنم میں جھونک دیا۔" (آیت ۲۴)

یہ بات بہت سی روایتوں میں آئی ہے کہ نعمت معصوم اور پاک اہلبیت علیہم السلام ہیں اور کفر بنی امیہ اور آل محمدؐ کے دشمن ہیں۔

خدا سورۃ تکاثر میں فرماتا ہے: "قیامت میں تم سے نعمت کے بارے میں

پوچھا جائے گا۔" (آیت ۸)

بہت سی روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ اس بات میں لفظ نعیم (نعمت) سے جس کے بارے میں پوچھا جائے گا آل محمدؐ کی ولایت مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نعمت کی اصل اور حقیقت وہی ولایت کی نعمت ہے کیونکہ ہر نعمت کی فیض رسائی اسی پر منحصر ہے۔

علماء کے وجود سے انکار

ولایت کی نعمت سے انکار خدا کے عالموں اور روحانی فقیہوں کے وجود سے انکار ہے جو حضرت حجتہ ابن الحسنؑ کی غیبت کے زمانے میں ان کے عام نائب ہیں اور ظاہر ہے کہ نائب سے انکار اس سے انکار ہے جس کا وہ نائب ہے۔ جس طرح نائب کا شکریہ اس کا شکریہ ہے جس کا وہ نائب ہے چونکہ اس کے بارے میں دلیلوں اور روایتوں کا ذکر اور علماء کی فضیلت کا بیان طول کلام اور اس کتاب کے موضوع سے غیر متعلق ہو جانے کا سبب ہوگا اس لئے صرف نائب امام اور اس کی نعمت سے انکار کے معنی بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

نائب امام کون ہے؟

نائب امام وہ شخص ہے جو علوم آل محمدؐ سے فیضیاب ہو چکا ہو اور یقین اور اطمینان کے مقام پر پہنچ گیا ہو اور نفسانی کمالات کے لحاظ سے ہوا و ہوس کی قید سے آزاد ہو، نفس اور شیطان پر غالب آچکا ہو اور عدالت کی صفت رکھتا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ خود امام کا نمونہ ہو اور ان بزرگوار کے انوار سے فیض حاصل کر چکا ہو تاکہ دنیا والے اس کی گفتار اور کردار کی روشنی سے بلکہ اس کے نفس وجود سے فیضیاب ہوں اور اس کی پیروی کر کے نجات پائیں۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ اس بلند مقام (نیابت امام) پر پہنچنا بہت مشکل اور بہت زیادہ محنت اور مشقت کرنے پر منحصر ہے۔ چونکہ ایسے روحانی عالم کا وجود خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے اس کا شکر بھی سب سے بڑا شکر ہے اور اسی طرح اس سے انکار بھی سب سے بڑا گناہ ہے۔

روحانی عالم کے وجود سے انکار

روحانی عالم کے وجود سے انکار یہ ہے کہ اس کے وجود کو نعمت نہ مانا جائے، اس کی حیثیت کی پرواہ نہ کی جائے، اس کی اطاعت لازم نہ سمجھی جائے یا خدانخواستہ اس کا حکم نہ مانا جائے جو خود گناہ کبیرہ اور امام کی مخالفت کے برابر ہے اور یہ خدا سے شرک کرنے کی حد میں آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ امام سے کٹ جانا اور بے تعلق ہو جانا ہے۔

ابو حمزہ نے کہا کہ حضرت امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا ہے: "عالم ہو یا طالب علم ہو یا اہل علم کا دوستدار بن اور چوتھی قسم (یعنی نہ عالم نہ طالب علم نہ ان کا دوستدار) نہ بن کیونکہ تو انہیں اپنا دشمن رکھ کر ہلاک ہو جائے گا۔" (اصول کافی کتاب فضل العلم باب اصناف الناس حدیث ۳)

حضرت امام سجادؑ فرماتے ہیں: "خدا نے دانیالؑ کو وحی بھیجی کہ میرے نزدیک میرا سب سے بڑا دشمن بندہ وہ نادان ہے جو اہل علم کے حق کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کی پیروی نہیں کرتا اور میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ دوست بندہ پرہیزگار مناسب ثواب کا طالب، عالموں کا خادم، بردباروں کا پیرو اور حکمت شعاروں کی تواضع کرنے والا ہے۔" (اصول کافی باب ثواب العلم والتعلم حدیث ۵)

علماء کے وجود سے انکار پر سخت سزائیں

اس نعمت کے انکار پر سخت سزاؤں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مثلاً پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "ایک زمانہ آنے والا ہے جب لوگ عالموں سے یوں بھاگیں گے جیسے بھیڑیے سے بھیڑ بھاگتی ہے۔ چنانچہ خدا ان کو تین بلاؤں میں مبتلا فرمائے گا۔ ان کے مال و ملکیت سے برکت اٹھالے گا، ان پر ظالم بادشاہ مقرر کرے گا، وہ دنیا سے بے ایمان جائیں گے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)

واضح رہے کہ دینی علوم کے حاصل کرنے والے نیابت امام کے بلند مقام تک پہنچنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کا وجود بھی نعمت ہے اور ان کا احترام کرنا بھی سب کے لئے لازم ہے اور ان کے وجود سے انکار، ان کی توہین اور ہتک بھی حرام ہے۔

دوسری فصل

۱ فتنہ

اس فصل میں کچھ ایسے گناہوں کا ذکر کیا جائے گا جو منشائے کلام اور برتری کے لحاظ سے ان گناہان کبیرہ سے بڑے ہیں جن کا پہلے باب اور دوسرے باب کی پہلی فصل میں بیان گزر چکا ہے یا پھر قرآن مجید یا کسی معتبر نص میں گناہان کبیرہ میں سے کسی ایک گناہ سے بھی بڑا ہونا علی العموم ثابت ہو۔ مثلاً فتنہ جسے قرآن مجید میں صاف طور پر قتل سے بھی شدید اور بڑا مانا گیا ہے (سورۂ بقرۃ آیت ۱۹۱ و ۲۱۷) اور چونکہ انسان کو ناحق قتل کرنا مانا ہوا گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس لئے فتنے کا کبیرہ ہونا بھی مسلم ہوا جو قتل سے بھی برا ہے۔

فتنے کے سخت قابل نفرت اور قابل غیظ و غضب ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں اسے دور کرنے کے لئے جہاد کا حکم فرمایا ہے اور کہا ہے: "مشرکین سے جنگ کرو تاکہ فتنہ دور ہو۔" (سورۂ بقرۃ آیت ۱۹۳)

کتاب اسلام و صلح جہانبانی مؤلفہ سید قطب کے صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے کہ وہ واحد جنگ جسے اسلام نے شرعاً جائز سمجھا اور لازم قرار دیا وہ جنگ ہے جو خدا کے کلمے کو اونچا کرنے کیلئے کی جائے اور خدا کے کلمے سے مراد وہ حقیقت ہے جو ایسے قانون اور سنت سے موافقت رکھتا ہو جسے دنیا اور انسان کیلئے ناقابل تغیر قرار دیا گیا ہو۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دنیا کی فطرت میں انحصار باہمی اور انسانی زندگی میں اشتراک عمل دو ایسے قانون ہیں جنہیں خدا زندگی کے تسلسل کے لئے چاہتا ہے یعنی وہ متوازن تنظیم جو دنیا کی ساخت میں رکھی گئی ہے اور جو دنیا کو بجونے اور بکھرنے سے روکتی ہے اور جس نے زندگی کو وہ قوت عطا کی ہے جس سے وہ برابر ترقی اور تکمیل کی طرف بڑھ رہی ہے اور اشتراک عمل اور باہمی تعاون کو جو تاریخ انسانی میں علی العموم تمام انسانوں کی بہبود کے لئے ہے قائم رکھے۔

اسلام تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے اس لئے کلمہ خدا اور خدا کے ارادے کا کام یہ ہے کہ اسلام جو عام لوگوں کے لئے بھلائی اور نیکی لایا ہے وہ سب تک پہنچادے اور ان ہر قسم کے اسباب کو جو انسانوں اور ان نیکیوں اور بھلائیوں کے درمیان حائل ہوں دور کردے اس لحاظ سے جو کوئی انسانوں کی اس عمومی بھلائی کے حاصل ہونے میں راستے کا پتھر بنے اور اپنی قوت سے لوگوں کے اور اس بھلائی کے درمیان حائل ہو وہ شخص خدا کا دشمن ہے اور کلمہ خدا اور ارادہ خدا پر دست درازی کرتا ہے اس لئے دعوت اور تبلیغ کے راستے سے اس کانٹے کو ہٹانا اور دوبارہ کلمہ خدا کو قائم کرنا چاہئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "ہم اسلام کو طاقت سے منوائیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان کو سوچنے کی آزادی اور وسیع معلومات فراہم کی جائیں جن کی بدولت ہدایت اور عمومی بھلائی حاصل ہوتی ہے تاکہ اس سے انہیں بھی ہدایت حاصل ہو ورنہ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ اس کے سامنے سر جھکائے اور مجبوراً اسے مانے "لااکراہ فی الدین" بلکہ یہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو راستے کے کنارے کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو حق کے راستے سے بھٹکاتے ہیں راستے کے کانٹوں کی طرح چن کر الگ کردیں "وقاتلوا ھم حتی لاتکون فتنہ ویکون الدین کلہ للہ" یعنی

ان سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے اور دین قطعی خدا سے مخصوص ہو جائے۔

اسلام اس لئے آیا ہے کہ پوری دنیا میں عدالت پھیلا دے اور انسانی سماج میں سماجی عدالت، عدالت قانون سازی اور بین الاقوامی عدالت قائم کرے اس لئے جب بھی کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے اور انصاف سے دور ہو جائے مسلمانوں کو لازم ہے کہ کلمہ توحید کو بلند کرنے کے لئے اس سے لڑیں چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ (کتاب اسلام و صلح جہانبانی)

خدا سورۃ البروج میں فرماتا ہے: "جو لوگ ایمان لانے والے مردوں اور عورتوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں اور اس گناہ سے توبہ بھی نہیں کرتے ان پر دوزخ اور اس کی دہکتی بھڑکتی آگ کا عذاب ہوگا۔" (آیت ۱۰)

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "فتنے کی کوشش کرنے والا (فتنہ پیدا کرنے والا) خدا کا منکر (کافر) ہو جاتا ہے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۴۸ حدیث ۱۴)

فتنے کے معنی

اگرچہ اہل لغت نے محل استعمال کے لحاظ سے فتنے کے دس سے زیادہ معنی لکھے ہیں لیکن یہاں فتنے کے وہ عام اور روایتی معنی مراد ہیں جو اس کے اطلاق سے ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ہیں ہنگامہ کھڑا کرنا اور کسی ایک شخص یا جماعت کا آرام، آزادی اور امن غارت کرنا، دو یا دو سے زیادہ انسانوں کو لڑانا، دو دھڑے بنانا اور عوام کو تکلیف اور مصیبت میں پھنسانا۔

فتنہ دینی کاموں میں بھی ہوتا ہے اور دنیا کے کاموں میں بھی۔ پھر دینی فتنے کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی ایک شخص لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور

انھیں دین حق قبول کرنے نہیں دیتا اور اس راستے میں اپنی زبان اور قلم سے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، کبھی ان لوگوں کو ایذا پہنچا کر اور تنگ کر کے جنھوں نے دین قبول کرلیا ہے دوسروں کو دین قبول کرنے سے روکتا ہے۔ مثلاً آغاز اسلام میں مسلمانوں کے ساتھ مکے کے مشرکوں کا طرز عمل اور معاویہ ملعون کا حضرت امیر المؤمنینؑ کے شیعوں کے ساتھ برتاؤ۔

بنی امیہ کا فتنہ بدترین تھا

حضرت امیر المؤمنین نہج البلاغہ کے خطبے میں فرماتے ہیں: "میرے نزدیک تمہارے لئے سب سے خطرناک فتنہ بنی امیہ کا فتنہ ہے (اپنی سختی، دورانیے اور دینی قوانین کی بیخ کنی کے لحاظ سے)۔ درحقیقت یہ فتنہ تاریک اور اندھا ہے (کیونکہ جس طرح اندھا اپنے ہی راستے پر چلتا ہے اس کی ہدایت بھی شریعت کے راستے پر نہیں اپنے ہی راستے پر تھی) اور دنیا والوں پر تاریکی لانے والا ہے کیونکہ اس کا اثر عام ہے یعنی اس کا شر سب تک پہنچتا ہے اور اس کی مصیبت خاص ہے۔ (مخصوص پرہیزگاروں اور اہل ایمان پر خصوصاً پیغمبر کے اہلبیت پر کیونکہ اس سے بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہو سکتا جس نے رسول خداؐ کی توہین کی، حسن اور حسین علیہما السلام کو ان کے ساتھیوں سمیت شہید کیا، کعبے کو منہدم کیا، مدینے میں مہاجر اور انصار کا قتل عام کیا، تقریباً اسی سال تک منبروں اور میناروں پر امیر المؤمنینؑ کو برا بھلا کہا اور حجاج لعین کو مظلوموں کا خون بہانے کے لئے مسلط کیا) جس کسی نے اسے دیکھا، اس سے عبرت حاصل کی اور اسے فتنہ جانا اور اس سے فرار کیا وہ گرفتار ہوا اور جو کوئی اس فتنے کی طرف سے اندھا بن گیا اور بنی امیہ کے قریب آگیا وہ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۲)

تاریخ گواہ ہے کہ آغاز اسلام سے آج تک کہ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ہر صدی میں دنیائے اسلام میں فتنے اٹھتے رہے ہیں اور ان فتنوں کی پیدائش اس لئے ہوتی رہی ہے کہ دنیا کو آزمایا جائے، اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کا سچ ظاہر ہو جائے، پاک سے ناپاک الگ ہو جائے، خوش قسمتوں میں نیکی اور بد قسمتوں اور منحوسوں میں سنگدلی پیدا ہو جائے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس موضوع کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۂ عنکبوت میں ہے: "احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لایفتنون" (آیت ۲) کیا لوگوں نے یہ سوچا تھا کہ جیسے ہی وہ یہ کہہ دیں گے کہ ہم ایمان لے آئے وہ نجات پا جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں ہو گی؟

پچھلی صدی میں جو فتنے اٹھے ان میں سب سے شدید فتنہ پارٹی بازی کا فتنہ اور مادیت اور عیاشی کے طرفداروں اور ایمان داری اور روحانیت سے انکار کا فتنہ ہے جس نے سیلاب کی طرح یورپ اور امریکہ کی طرف سے اسلامی ممالک کا رخ کیا، آفرینش اور آخرت کے عقیدے کی جڑ دلوں سے اکھاڑ ڈالی اور اس کی جگہ مادیت، عیاشی، خود غرضی اور دنیا پرستی کا منحوس پودا لگا دیا۔ مسلمانوں نے اس عہد کو آیت "فخلف من بعد ھم خلف اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا" (سورۂ مریم آیت ۵۹) کا حقیقی مصداق قرار دیا یعنی پہلے مؤمن لوگوں کی جگہ ایسے لوگ آ گئے جنہوں نے نمازیں ترک کر دیں اور عیاشی کو اپنا شعار بنا لیا۔ یہ لوگ بہت جلد اپنی گمراہی کے نتائج اور ہلاکت دیکھ لیں گے۔

غرض ان لوگوں نے انسانی سماج سے شرافت اور روحانیت کا خاتمہ کر دیا۔ سب کو خدا اور آخرت کی یاد سے غافل بنا دیا اور طرح طرح کی خواہشات اور بدکاریوں میں اس طرح مشغول کر دیا کہ اسلام کا صرف نام ہی رہ گیا جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے آگاہ

کیا تھا اور آج کے سماجی حالات کو جانچنے کے بعد بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عمدہ صفات اٹھ گئی ہیں۔ ان کی جگہ حیوانی اور شیطانی عادتوں نے لے لی ہے۔ مثلاً حیا جو انسانی کی ایک عمدہ صفت ہے اور جو ہزاروں خرابیوں کو روکتی اور عام عصمت اور پاکدامنی کی حفاظت کرتی ہے ان کے درمیان سے اٹھ گئی ہے اور اس کی جگہ بے غیرتی اور فحاشی نے لے لی ہے۔ اسی طرح حقوق کی ادائیگی خصوصاً والدین کے حق کی ادائیگی جو انسانی سماج کے لوازمات میں شامل ہے اور غیر معمولی ایمانداری کی مستحق ہے جاتی رہی ہے اور اس کی جگہ حق ضائع کرنے، ناشکرے پن، احسان فراموشی اور دوسرے کی خدمت کو نظر انداز کرنے نے لے لی ہے۔

اشتراک عمل، امداد باہمی، تنظیم، مہربانی، رحم، ہمدردی، خیر خواہی اور درگزر وغیرہ جن سے دنیاوی زندگی کا نظام اور آخرت کی نیکی اچھی طرح وابستہ ہے ختم ہو چکی ہیں۔ ان کے مقابلے میں خود غرضی، غرور، کٹھورپن، بے مروتی، اپنے آرام اور دوسرے کی تکلیف وغیرہ نے جگہ لے لی ہے۔ اسی طرح تمام طبقوں سے گفتار و کردار کی سچائی اٹھ گئی ہے۔ اس کی جگہ دھوکا، ملاوٹ، فریب کاری اور چوٹاپن پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ہر جنس کے لوگ اپنی اپنی جنس میں کیسی کیسی تبدیلیاں کرتے ہیں اور انہیں صحیح بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مال حاصل کرنے اور اپنے مادی تکلفات کے وسائل کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی بے ایمانی اور جرم سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے زہریلی خوراک بیچی ہے اور اپنی نوع کی جانوں کو خطرے میں ڈالا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات کی طرح ہو گئے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ ہیں اور آپس میں نفرت، غصہ اور زور آوری سے ملتے اور زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو کچھ

بیان کیا گیا وہ مادیت کی خرابی کا نمونہ ہے اگر اس کی تفصیل بتائی جائے تو اس سے کتابیں بھر جائیں۔

واضح رہے کہ اس فتنے کا آغاز کرنے اور اسے رواج دینے والے لوگوں کی چال سماج کو کمزور بنانا اور اس کی روحانیت کو ختم کرنا ہے اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ سماج خصوصاً جوان نسل میں ایمانداری کو برا سمجھنے اور اس کا مذاق اڑانے کا جذبہ پیدا کرنا اور ان کے اور سماج کے درمیان دوری پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے تاکہ وہ ایمانداری کے بلند درجات، انسانیت کی اعلیٰ صفات اور آدمیت اور شرافت کی علامات اور آثار کے بارے میں کچھ نہ سن پائیں اور پھر انہیں اندھا بہرا بنا کر اور خرابی کے گڑھ میں گرا کر طرح طرح کے گندے جذبات میں مشغول بنا دیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کی خاطر ان کا سب سے بڑا ہتھیار اتہام ہے۔ کبھی انہیں دنیا کی حالتوں اور تمدن سے بے خبر کہتے ہیں اور کبھی انہیں سماجی ترقی کے مخالف بتاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ وہ دنیا پرست اور جاہ طلب ہیں۔ چونکہ سماجی ترقی ان کی سرداری میں روڑے اٹکاتی ہے اس لئے یہ اس میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اسی طرح کے مختلف الزام لگاتے ہیں۔ کسی سمجھدار مسلمان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سب الزامات اور اتہامات ہیں جنہیں اصلیت اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بدعت اور جاسوسی

دینی فتنوں میں بدعت کا بھی شمار ہے۔ جن لوگوں نے اسلام میں نئے نئے طریقے ایجاد کئے اور مسلمانوں کو الگ الگ کیا اور عالم اسلام میں ہزاروں فتنے اور فسادات پیدا کئے وہ بدترین فتنہ انگیز لوگ ہیں۔

ایک دینی فتنہ کافروں کے لئے ان باتوں کی جاسوسی کرنا بھی ہے جن کو

مسلمانوں میں ہی پوشیدہ رکھنا چاہیے جیسا کہ خداوند عالم سورۃ نساء میں منافقین کے متعلق فرماتا ہے: "جب ان تک کوئی خوف یا امن کی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔" (سورۃ نساء آیت ۸۳)

علامہ مجلسیؒ نے بیضاوی سے اس آیت کا مطلب نقل کیا ہے کہ وہ امن اور خوف کی باتیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ کچھ کمزور طبیعت کے مسلمانوں کا قاعدہ یہ تھا کہ جب رسول خداؐ کی طرف سے بھیجے جانے والے لشکروں کی انہیں کوئی خبر ملتی تھی یا پیغمبر اکرمؐ فتح یا شکست کے بارے میں خدا کی وحی کی اطلاع دیتے تھے تو وہ اسے فاش کر دیتے تھے اور خود اس بات سے بھی پریشانی اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ یہ آیت اس بات کے آشکارا کرنے کی مذمت کرتی ہے جس کے کھول دینے سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔

شیعوں کے بھید اور مشکل حدیثوں کا فاش کرنا

یہی صورت شیعوں کے ایسے بھیدوں کے کھول دینے کی ہے جو ان کے اماموں نے مخالفوں کے بارے میں انہیں بتائیں کیونکہ اس سے مؤمنوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تقیہ واجب ہو وہاں تقیہ نہ کرنا نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: "شاید علوم کی بعض مشکل باتیں ان لوگوں کو بتانا جو انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں بھید کھولنے ہی کے زمرے میں آتا ہے۔" (اصول کافی کتاب الایمان والکفر باب الاذاعۃ حدیث ۱۲)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی ہماری حدیث ظاہر کر دے گا خدا اس کا ایمان سلب کر لے گا کیونکہ اس نے ہمیں کسی خطا پر قتل نہیں کیا بلکہ بے خطا

اور عمداً قتل کیا۔" (کافی)

اس آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے بھی کہ "وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں" (سورۃ بقرۃ آیت ۶۱) فرمایا: "خدا کی قسم ان لوگوں نے پیغمبروں کو اپنی تلواروں سے قتل نہیں کیا بلکہ ان کے راز فاش کئے اور انہیں شہرت دی جس سے وہ قتل ہو گئے۔" (کافی)

دینی جماعتوں کی پراگندگی

جو لوگ متحد اور متفق ہو کر خدا سے لو لگاتے اور اپنے پیغمبر اور امام کا ذکر کرتے ہیں ان میں زور زبردستی سے یا جماعت کے امام اور دینی پیشوا کے خلاف پیروکاروں میں یا پیروکاروں میں ایک دوسرے کے خلاف شک اور بدگمانی پیدا کر کے ان میں جدائی ڈالنا اور انہیں الگ الگ کر دینا یعنی ان کے دلوں کا اتحاد ختم کر دینا جو ہر برائی کی جڑ ہے اور خدا کو سخت ناپسند ہے ایک دینی فتنہ ہے۔

فتنے کا گناہ قتل سے بھی بڑا ہے

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ دینی فتنے کا گناہ قرآن مجید کی نص کے مطابق کسی انسان کے قتل کے گناہ سے بھی برا ہے کیونکہ کسی انسان کا قتل تو ایک عارضی اور مستعار دنیوی زندگی کا ختم کرنا اور حقیقت میں اس دنیا کی برائیوں اور آفتوں سے چھٹکارا پانا ہے لیکن دینی فتنے سے ابدی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور انسان دائمی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور جس قدر عالم آخرت دنیا سے بڑا اور اہم ہے بلکہ ناقابل قیاس ہے دینی فتنہ بھی قتل انسانی سے اتنا ہی بڑا اور اہم ہوتا ہے۔

وہ قتل جو سر کاٹنے سے بھی بدتر ہوتا ہے

حضرت سجادؑ فرماتے ہیں: "کیا تمہیں میں ایسا قتل بتاؤں جو سر کاٹنے سے

بھی بدتر ہوتا ہے۔ "لوگوں نے کہا: "ضرور بتایئے۔" آپؐ نے فرمایا: "جو کسی کو قتل کرے اور ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دے۔" لوگوں نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اسے حضرت محمدؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت سے بھٹکائے، غیر خدا کے راستے اور دشمنان علیؑ کے طریقے کی پیروی پر اس طرح مجبور کرے کہ دشمنان علیؑ اسے اپنا پیشوا جانیں اور حضرت علیؑ کی امامت اور فضیلت کا منکر ہو۔ تو یہ ہے وہ قتل جو بدقسمت مقتول کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رکھے گا اور اس کے قاتل کی سزا بھی دوزخ کا دائمی قیام ہوگا۔" (تفسیر علی ابن ابراہیم قمی)

اسکے علاوہ دینی فتنے غالب طور پر قتل اور خونریزیوں کی طرف لیجاتے ہیں۔

دنیوی فتنہ

دنیوی فتنہ قتل سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ جو کوئی پہلے فتنے کی آگ بھڑکاتا ہے اور کچھ لوگوں کو اس آگ میں جلاتا ہے ان کو اس قدر تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جیسے وہ روزانہ قتل ہوتے ہوں۔ غرض یہ ہے کہ اگر انہیں ایک ہی بار قتل کیا جاتا تو وہ کچھ آرام سے رہتے۔ دوسرے یہ کہ فتنے اکثر قتل وغیرہ یعنی زخمی کرنے اور اعضائے جسمانی کے ناکارہ اور ناقص بنا دینے کی طرف لے جاتے ہیں۔ شہید فرماتے ہیں کہ قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے اور بدن کے اعضاء (مثلاً ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ) کو نقصان پہنچانا انسانی قتل کے برابر ہے۔ (قواعد صفحہ ۱۰۰)

معلوم ہونا چاہیے کہ جس فتنے کا نقصان اور خرابی جتنی زیادہ ہوگی اس کا گناہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔

فتنے کا مطلب کفر اور شرک بھی بیان کیا گیا ہے

واضح رہے کہ زیادہ تر مفسرین نے اس آیت میں لفظ فتنہ کی کفر اور شرک

سے تفسیر کی ہے۔ ایک روایت میں جو حضرت باقرؑ کی آیت "حتی لا تکون" کی تفسیر میں ملی ہے آپ نے فتنے کے معنی شرک بتائے ہیں اور یہ معنی فتنے کے ان ظاہر معنوں سے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے کوئی تضاد نہیں رکھتے کیونکہ ظاہر میں روایتوں اور مفسرین کے الفاظ سے فتنے کے سبب کا بیان مراد ہے اس لئے کہ حقیقی مؤمن سے دینی یا دنیوی کوئی بھی فتنہ صادر نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنینؑ متقین کی صفات میں فرماتے ہیں: "ان کی خوبی سے امید اور بدی سے امان اور بے خوفی ہے۔" (نہج البلاغہ خطبہ ہمام) یعنی جس کے دل میں ایمان کی روشنی داخل ہوچکی ہے لوگوں کو اس کے شر سے امان ہے۔ سو فتنہ بھڑکانے والا یا باطنی اور ظاہری کافر اور مشرک ہے یا اگر مسلمان ہے تو ابھی کفر کی تاریکی اور شرک کی منزلوں سے نجات نہیں پا سکا ہے اور اس کا دل ابھی ایمان کی روشنی سے نہیں جگمگایا ہے۔

ظالم کے لئے جاسوسی

فتنے کے مانے ہوئے معاملات میں حاکموں اور ظالموں کے لئے جاسوسی کرنا بھی شامل ہے اور اس کا بڑا خطرہ اور خرابی اور اس کا قتل سے بھی برا ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ ایک جاسوسی اور فتنہ انگیزی ہی قتلوں اور جرائم کا سبب ہو سکتی ہے۔ مثلاً ابن زیاد ملعون کے جاسوس معقل کی جاسوسی سے حضرت مسلم اور ہانی بن عروہ گرفتار اور قتل ہوئے بلکہ کربلا کے حادثات اور اس کے بعد کے واقعات بھی اسی ملعون جاسوس کے فتنے کی بدولت رونما ہوئے۔

۲ کافروں کو ہتھیار بیچنا

وہ گناہ جو عام منشائے کلام اور تقدم کی رو سے کبیرہ ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً معروف کی ممانعت اور منکر کا حکم یعنی دوسرے کو اس بات سے روکنا جس کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے یا کسی کو اس کام کے کرنے پر مجبور کرنا جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اور جن کا کبیرہ ہونا امر بہ معروف اور نہی از منکر کے ترک کے گناہ کبیرہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے باب میں بیان ہو چکا ہے یعنی جہاں شرائط کی موجودگی کے باوجود امر بہ معروف نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے معروف کی ممانعت عقل کے قطعی حکم سے گناہ کبیرہ ہوگی۔

اسی طرح کافروں کے لئے ان باتوں کی معلومات حاصل کرنا اور جاسوسی کرنا بھی جن کی وجہ سے انہیں فتح یا غلبہ حاصل ہو جائے اور کافروں اور مسلمانوں کی لڑائی کے زمانے میں کافروں کو لڑائی کے ہتھیار بیچنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور ان دونوں گناہوں کا کبیرہ ہونا اس سے واضح ہوتا ہے کہ کافروں کے خلاف لڑائی سے فرار کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ تو جہاں میدان جنگ سے بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے کیوں کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے تو پھر کافروں کو لڑائی کے ہتھیار بیچنے اور ان کے لئے جاسوسی کرنے کا کہنا ہی کیا کیونکہ ان دونوں اقدامات سے تو مسلمانوں کو نقصان پہنچنا یقینی ہے۔ اسی لئے یہ دونوں گناہ لڑائی سے فرار کرنے سے بھی بڑے ہیں۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی مسلمانوں کے دشمنوں کو لڑائی کے ہتھیار فراہم کرتا ہے جس سے وہ جیت جائیں وہ مشرک ہے۔" (مکاسب)

پیغمبر اکرمؐ نے اس امت کے دس گروہوں کو کافر کہا ہے جن میں سے ایک گروہ ان کافروں کو ہتھیار بیچنے والا ہے جو مسلمانوں سے لڑائی لڑ رہے ہوں۔(وسائل الشیعہ کتاب کتاب جہاد باب ۴۸ حدیث ۱۴)

واضح رہے کہ رہزنوں اور ان لوگوں کو اسلحہ بیچنا بھی جو مسلمانوں کے امن عامہ میں خلل ڈالتے ہیں کافروں کو ہتھیار بیچنے ہی کے برابر ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

۳ بہتان

جن کبیرہ گناہوں کا کبیرہ ہونا ترجیحی بنیاد پر قطعی ثابت ہے ان میں بہتان بھی شامل ہے۔ یعنی دوسرے کو ایسی بات یا عیب سے منسوب کیا جائے جو اس میں نہیں ہے کیونکہ جب غیبت کرنا یعنی دوسرے کے ایسے عیب کا ذکر کرنا جو اس میں موجود ہے گناہ کبیرہ ہے تو بہتان یعنی ایسے عیب کا ذکر کرنا جو اس شخص میں نہیں ہے ضرور اس سے بھی پہلے اور عقل کے قطعی حکم سے گناہ کبیرہ ہو گا بلکہ بہتان میں دو گناہ کبیرہ شامل ہوتے ہیں غیبت اور جھوٹ۔ چونکہ بہتان کی مصیبت عام ہے، اس کی خرابیاں بہت ہیں، قرآن مجید اور روایتوں میں اس سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے اور اس کے لئے سخت سزاؤں کا وعدہ کیا گیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر بعض آیتوں اور کچھ حدیثوں کا تذکرہ کر دیا جائے۔

سورۂ نور میں افک کی آیتیں

سورۂ نور میں افک کے موضوع پر اٹھارہ آیتیں یعنی آیت ۴ سے ۲۱ تک ملتی ہیں۔ اگرچہ ان آیتوں کی شان نزول خصوصیت کے ساتھ زنا کا بہتان ہے لیکن ان کے بیچ میں مطلق بہتان پر سخت تنبیہ کی گئی ہے جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے۔

مفسرین نے افک کی آیات کی شان نزول کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیتیں کچھ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی بیوی عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول خداؐ نے بنی المصطلق کے غزوے میں عائشہؓ کو خود روانہ کیا تھا اور انہیں ایک ہودج میں

پردے میں سوار کر دیا تھا۔

عائشہؓ کہتی ہیں: "جب ہم واپسی میں مدینے کے قریب پہنچے تو رات کے وقت ایک منزل پر اتر پڑے۔ آدھی رات کو میں اور ایک اور عورت دونوں مل کر قضائے حاجت کے لئے لشکر کے پڑاؤ سے دور چلے گئے۔ جب ہم پلٹے تو مجھے معلوم ہوا کہ میں جو یمنی موتیوں کا گلوبند پہنے ہوئے تھی وہ غائب ہے۔ میں نے سوچا کہ جہاں میں قضائے حاجت کے لئے گئی تھی وہیں کہیں گر پڑا ہے اس لئے اندھیری رات میں اکیلی اٹھ کر وہاں پہنچی۔ بہت کچھ تلاش کیا نہیں ملا۔ پیغمبر خداؐ کو میرے جانے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ آپ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ جو لوگ میرے ہودج پر تعینات تھے وہ آئے اور ہودج اونٹ پر رکھ کر اس خیال سے کہ میں ہودج میں بیٹھی ہوں روانہ ہو گئے۔

جب میں پڑاؤ پر واپس آئی تو میں نے کسی کو نہ پایا۔ جہاں میرا اونٹ تھا وہاں میں نے خوب ٹٹولا تو گلوبند مل گیا اور میں وہیں بیٹھ گئی۔ مجھے نیند آنے لگی تو میں لیٹ گئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ اطلاع ملنے پر میرا کوئی عزیز مجھے لینے ضرور آئے گا۔ اچانک صفوان بن المعطل جو پچھلی منزل میں سوتا رہ گیا تھا اور لشکر سے بچھڑ گیا تھا ایک اونٹ پر سوار آ پہنچا۔ اس نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا اور کچھ کہے بغیر اونٹ بٹھا دیا میں اس پر سوار ہو گئی۔ اس نے اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑی اور چل دیا۔ ہم ٹھیک دوپہر کے وقت اس پڑاؤ پر پہنچے جہاں پیغمبر اکرمؐ ٹھہرے ہوئے تھے اور پیغمبر کو میرے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔

جیسے ہی میرا اونٹ دور سے نظر آیا عبداللہ بن ابی سلول اور کچھ اور منافقوں نے طنزاً کہا: "پیغمبر کی بیوی ایک غیر مرد کے ساتھ بیابان سے آ رہی ہے۔" اس کے

بعد اس منافق شخص نے کہا: "خدا کی قسم ان دونوں کے درمیان نامناسب حرکت واقع ہوئی ہے۔" اور یہ بہتان دوسرے منافقوں نے بھی دہرایا اور پھر مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں جن میں سے بعض اس کی تردید اور نفی کرتے تھے اور کچھ خاموش ہو گئے تھے۔"

جب یہ قصہ پیغمبر اکرمؐ کے کان تک پہنچا تو آپؐ سخت پریشان اور رنجیدہ ہوئے اور عائشہؓ بھی بیمار ہو کر بستر سے لگ گئیں۔

جب اس واقعے کو ایک مہینہ اور سات دن گزر گئے تو رسول خداؐ عائشہؓ کے حجرے میں پہنچے۔ انصار کی ایک عورت بھی حجرے میں تھی اور ایک روایت کے مطابق عائشہؓ کے ماں باپ بھی تھے۔ پھر رسول خداؐ نے عائشہؓ سے فرمایا: "اگر تم اس الزام سے بری ہو تو خدا تمہیں اس کا بدلہ دے (یعنی اس بہتان کے جواب میں جو تم پر باندھا گیا ہے) اور اگر تم نے خطا کی ہے تو توبہ کرو۔ خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا۔"

عائشہؓ نے کہا: "خدا جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں اور مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہوئی جس سے میں خدا سے شرماؤں لیکن دشمنوں نے ایک بات بیچ میں ایسی گھڑی کر دی ہے کہ میں کچھ بھی کہوں وہ یقین نہیں کریں گے اس لئے اب میں اس کے سوا کچھ نہیں کہوں گی جو یعقوبؑ نے کہا تھا یعنی "فصبو جمیل" یہ کہا اور دیوار کی طرف منہ پھیر کر رونا شروع کر دیا۔

رسول خداؐ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ وحی آئی اور مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

جب آنحضرتؐ وحی سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو۔ خدا تمہیں بری کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"لوگوں نے تم پر جو بہتان باندھا ہے اسے تم اپنے حق میں برا (بدتر) نہ

سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں اچھا (بہتر) ہے (کیونکہ ان پر تمہارا بدلے کا حق پیدا ہو گیا ہے اور جو تم اس پر صبر کرو گے تو تمہیں ثواب ملے گا) ان میں سے جس جس نے جو گناہ کمایا ہے وہ اس کیلئے ہے (یعنی اس گناہ کا وبال اور سزا صرف اسی کو ملے گی) اور جس نے یہ اتنا بڑا بہتان باندھا ہے اس کیلئے بڑا عذاب ہے۔" (سورۃ نور آیت ۱۱) اور وہ شخص عبداللہ بن ابی سلول تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ حسان بن ثابت تھا۔

پھر خدا فرماتا ہے: "جب مؤمن مردوں اور عورتوں نے یہ بات سنی تھی تو انہوں نے از خود اچھا خیال کیوں نہیں قائم کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے۔" (سورۃ نور آیت ۱۲) یعنی مؤمنوں کو چاہیے کہ جب کسی مؤمن کے متعلق کوئی بہتان سنیں تو خاموش نہ رہیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ اس کی تردید کریں اور جھٹلائیں، مسلمانوں کے کام کو صحیح سمجھیں اور بدگمانی اور برے خیال سے بچیں۔

پھر خدا فرماتا ہے: "انہوں نے اس بات پر چار عادل گواہ کیوں نہیں پیش کئے (جیسا کہ شرع مقدس میں ہے کہ جو کوئی الزام لگائے اسے چاہئے کہ اپنی بات کی سچائی ثابت کرنے کے لئے چار عادل گواہ لائیں۔ یہ بات پہلے باب میں بیان کی جاچکی ہے) چونکہ انہوں نے چار گواہ پیش نہیں کئے اس لئے خدا کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں" بے شک اگر دنیا میں (توبہ کی بدولت) اور آخرت میں (معافی اور بخشش کی بدولت) تم پر خدا کا فضل و کرم اور مہربانی نہ ہوتی تو جس بات کا تم نے چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑا سخت عذاب آپہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے وہ بات ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم اور یقین نہیں تھا اور تم نے اسے چھوٹا اور حقیر سمجھا جبکہ وہ خدا کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔" (سورۃ نور آیت ۱۳ تا ۱۵)

ان آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ تم نے تین گناہ کیے: ایک یہ کہ تم نے ایسا جھوٹ بولا اور ایک دوسرے سے کہہ کہہ کر اسے فاش کیا۔ دوسرے یہ کہ تم نے وہ بات کہی جس کا تمہیں علم نہیں تھا یعنی تم نے وہ کہا جس کی تحقیق نہیں کی تھی اور تمہیں جس کی اصلیت کا علم بھی نہیں تھا۔ تیسرے یہ کہ تم اسے آسان اور حقیر اور چھوٹا سمجھتے تھے (ہم پہلے باب کے آخر میں کہہ چکے ہیں کہ کسی گناہ کو چھوٹا سمجھنا خود گناہ کبیرہ ہے)۔

پھر خدا فرماتا ہے: "اور جب تم نے ایسی بات سنی تھی تو تم نے لوگوں سے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات منہ سے نکالنا مناسب نہیں۔ تم نے اس بڑی اور بری بات پر تعجب کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اے خدا! تو پاک ہے۔ یہ بات جو لوگ کہہ رہے ہیں بڑا بھاری بہتان ہے (اور اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ جس کے خلاف کہا گیا ہے کہ وہ جب سنے گا تو دنگ رہ جائے گا)۔ خدا تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مؤمن ہو تو پھر کبھی ایسا گناہ نہ کرنا۔" (سورۃ نور آیت ۱۶ و ۱۷)

ان آیتوں سے اور دوسرے آیتوں سے جن کا طول ہو جانے کے خیال سے ذکر نہیں کیا گیا ہے بہتان کا نہ صرف کبیرہ ہونا بلکہ کچھ کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا ہونا اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

بہتان اور اہلبیتؑ کی روایتیں

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "جو کوئی کسی مؤمن مرد یا عورت کو تہمت لگائے گا یا اسے اس بات سے منسوب کرے گا جو اس میں نہیں ہے تو خدا اسے قیامت کے دن آگ کے مقام پر اس وقت تک روکے رہے گا جب تک وہ کہے ہوئے کی سزا نہیں پالے گا۔" (بحار جلد ۱۶ صفحہ ۱۷۰)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو کوئی مؤمن مرد یا عورت پر بہتان باندھے گا اور ایسی بات اس سے منسوب کرے گا جو اس میں نہیں ہے خدا اسے قیامت کے دن طینہ خبال میں اس وقت تک بند رکھے گا جب تک وہ اپنے کیے ہوئے کی ذمہ داری پوری نہیں کر لیتا۔" راوی (ابن ابی یعفور) نے پوچھا: "طینہ خبال کیا چیز ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "وہ پیپ ہے جو زنا کرنے والوں کی شرمگاہ سے جہنم میں بہے گی۔" (بحار جلد ١٦)

حضرت امام صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جو کوئی اپنے مؤمن بھائی پر تہمت لگائے گا اس کے دل سے ایمان اس طرح رخصت ہو جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔" (کافی) خلاصہ یہ ہے کہ تہمت دل کے بگاڑ اور ایمان کے زوال کا سبب ہوتی ہے۔

بہتان کی قسمیں

خدا پر بہتان

خدا پر بہتان سب سے سخت بہتان ہے جیسا کہ خدا سورۃ صف میں فرماتا ہے: "اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا پر بہتان لگاتا ہے۔" (آیت ٧)

مثلاً وہ لوگ جو خدا کی عدالت یا حکمت سے انکار کرتے ہیں۔ جس طرح پیغمبروں کی نبوت سے انکار کرنے والے درحقیقت خدا کی حکمت کے منکر ہیں اسی طرح قیامت کے منکر بھی ہیں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے خدا کا شریک ٹھیرایا ہے اور اس طرح خدا کے لئے طرح طرح کے بہت سے شرک کے قائل ہو چکے ہیں کیونکہ علم کے بغیر تمام باتیں محض افترا اور الزام ہیں جن کے لئے قرآن مجید کی آیتوں میں سخت تنبیہ کی گئی ہے اور جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے بلکہ خدا پر بہتان کو کفر کے لوازم میں

داخل کیا گیا ہے۔ سورۃ نحل میں کہا گیا ہے: "حقیقت میں وہ لوگ بہتان لگاتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لائے ہیں اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔" (آیت ۱۰۵)

پیغمبر اکرمؐ اور امامؑ پر بہتان

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ علیہم السلام پر بہتان بھی خدا پر بہتان کے برابر ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کو جادوگر، پاگل، شاعر، جھوٹا، خود پسند اور خود غرض کہیں۔ انبیاء اور ائمہ ہدیٰ صلوٰۃ اللہ علیہم کی بلند مرتبت نسل اور خاندان پر لگائے جانے والے برے اتہامات کی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں اس تفصیل کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

لوگوں پر بہتان

باقی تمام لوگوں پر لگائے جانے والے اتہام کی دو قسمیں ہیں۔ کبھی بے تحقیق بات کہنا ہے یعنی جو عیب ثابت نہ ہوا ہو اور جو یقینی نہ ہو بلکہ صرف بدگمانی کی بنیاد پر اسے دوسرے سے منسوب کر دیا جائے۔

کبھی افترا ہے یعنی جس عیب کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ وہ اس شخص میں نہیں ہے یا جس کام کے بارے میں یقین رکھتا ہے کہ وہ اس شخص سے ظہور میں نہیں آیا ہے اس غریب کی دشمنی میں وہ اس سے منسوب کر دیتا ہے اور اس سے بھی برا یہ ہے کہ جو عیب خود تہمت لگانے والے میں موجود ہو اس سے پیچھا چھڑانے کیلئے اسے دوسرے سے منسوب کر دیتا ہے اور اپنی گندگی اس پر چپکا دیتا ہے جو پاکدامن ہے۔

خوب ظاہر ہے کہ یہ خدا کے بندوں پر لگایا جانے والا بدترین قسم کا بہتان ہے جیسا کہ خدا سورۃ نساء میں فرماتا ہے: "جو شخص غلطی سے چھوٹا سا گناہ کر بیٹھتا ہے یا جان بوجھ کر کوئی گناہ صغیرہ یا گناہ کبیرہ کرتا ہے اس کے بعد اسے کسی بے گناہ

کے سر منڈھ دیتا ہے تو اس نے گویا ایک بڑے افترا کو (یعنی ایسے جھوٹ کو جس سے بے گناہ شخص دنگ رہ جاتا ہے) اور صریح گناہ کو اپنے اوپر لاد لیا۔" (سورۃ نساء آیت ۱۱۲)

کافر پر بھی بہتان لگانا حرام ہے

تفسیر منہج میں لکھا ہے کہ طعمہ بن ابیرق کے تین بیٹے تھے جن کے نام بشر، مبشر اور بشیر تھے۔ ان تینوں میں سے بشر منافق شخص تھا۔ وہ ایک رات کو قتادہ بن نعمان کے گھر میں نقب لگا کر داخل ہو گیا اور آٹے کا ایک چرمی تھیلا جس میں ایک زرہ چھپا کر رکھ دی گئی تھی چرا لایا۔ اتفاق کی بات ہے کہ تھیلے میں ایک سوراخ تھا جس سے آٹا گرتا جاتا تھا یہاں تک کہ بشر اپنے گھر پہنچا۔ پھر وہ تھیلا زید بن السمین کے گھر لے گیا جو یہودی تھا اور اسے اس کے پاس بطور امانت رکھ دیا۔ صبح کو قتادہ آٹے کے نشان سے بشر کے گھر پہنچا اور اس نے اس سے اپنی زرہ مانگی تو اس نے انکار کر دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور اسے اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ قتادہ اس طرف کھوج لگاتا ہوا چلا جدھر سے بشر زید یہودی کے گھر گیا تھا اور اس نے زید کو بے ایمانی میں پکڑ لیا۔ زید نے کہا کہ کل رات کو بشر تھیلے میں چھپی ہوئی زرہ میرے سپرد کر گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس بات کی گواہی بھی دی۔ قتادہ نے یہ صورت حال رسول خداؐ کی خدمت میں جا کر عرض کی۔ بشر کا قبیلہ بنی ظفر بدنامی کے ڈر سے یہ نہیں چاہتا تھا کہ بشر پر تہمت لگے اور یہودی صاف چھوٹ جائے۔ لہذا بشر کے قبیلے والوں نے جھگڑا شروع کر دیا اور بشر کی بے گناہی کی گواہی دے دی۔ اس پر خدا نے اس بارے میں سورۃ نساء کی آیت ۱۰۵ سے ۱۱۳ تک یعنی ۹ آیتیں نازل فرمائیں۔ (ان آیتوں کا مطلب جاننے کے لئے تفسیر ملاحظہ فرمایئے)۔

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ان میں بہتان اور افترا کو حرام بتایا گیا ہے چاہے وہ کافر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ان میں بہتان باندھنے والے کو کئی بار غدار اور بے وفا کہا گیا ہے اور پیغمبر کو اس کی حمایت سے منع کیا گیا ہے چاہے وہ ظاہر میں مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

دغاباز کا انجام

تفسیر المیزان میں لکھا ہے کہ بشر کا انجام یہ ہوا کہ خدا نے اس کی توبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ مکے کے مشرکوں کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے چوری کی خاطر ایک گھر میں نقب لگائی تو خدا نے وہ گھر ہی اس کے سر پر ڈھا کر اسے مار ڈالا۔

اس کا علاج ایمان کا حاصل کرنا ہے

واقعی اس قسم کے بہتان کا سبب بے ایمانی، سنگدلی، کمینگی، بے خوفی، فحاشی اور بے غیرتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور اس کا علاج ایمان حاصل کرنے، اسے پختہ کرنے اور دنیا کی سختیوں کے نتائج اور آخرت کی سزاؤں پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔

بدگمانی

دوسرے قسم کے بہتان کا سبب جس میں علم و تحقیق کے بغیر کوئی بات کسی سے منسوب کر دی جاتی ہے غالبا بدگمانی ہے یعنی کسی کی دیکھی یا سنی ہوئی بات کو خراب سمجھے اور اپنی بدگمانی پر چلے اور اس کام کے متعلق صحیح خیال اور صحیح سبب کی طرف توجہ نہ دے۔

لہذا قرآن مجید اور بہت سی روایتوں میں مسلمانوں کو دوسروں سے بدگمانی رکھنے کے خلاف منع کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے عمل کے متعلق

اچھا خیال قائم کیا کرو۔ یہاں مزید معلومات کے لئے اس کے متعلق ملنے والی کچھ آیتیں اور روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

بعض خیالات گناہ ہوتے ہیں

سورۃ حجرات میں بتایا گیا ہے: "اے وہ لوگو! جو خدا پر ایمان لائے ہو اپنے بہت سے خیالات دور کردو (کیونکہ وہ مؤمن بھائی کے بارے میں بدگمانیاں ہیں)۔ بلاشبہ بعض خیالات گناہ ہیں اور لوگوں کے ان عیبوں کی جستجو نہ کرو جو تم سے چھپے ہوتے ہیں۔" (آیت ۱۲)

غرض یہ آیت اپنے مؤمن بھائی کے متعلق بدگمانی کرنے سے منع کرتی ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں خدا فرماتا ہے: "اس پر نہ چلو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ بلاشبہ کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھ گچھ ہوگی۔" (آیت ۳۶)

اچھا گمان کرنا چاہئے

حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں: "اپنے دینی بھائی کے کام کو اس وقت تک اچھا ہی سمجھو جب تک کہ کوئی ایسی دلیل تمہارے ہاتھ نہ آجائے جو تمہیں مجبور کردے اور تمہارے لئے اس کے درست ہونے (اور اسے صحیح سمجھنے) کا راستہ بند نہ کردے اور اپنے بھائی کی کہی ہوئی کسی بات پر بدگمان نہ ہو جانا جب تک کہ تمہیں اس کی کوئی اچھی بنیاد یا درست وجہ مل سکتی ہو۔" (کشف الریبہ شہید ثانی)

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "یعنی اپنے دینی بھائی کے ہر فعل و عمل کو اچھائی پر محمول کرو چاہے وہ ظاہر میں اچھا نہ ہو اور اسکی اس وقت تک پڑتال نہ کرو جب تک کوئی ایسی پکی دلیل جو اسکی تاویل کرنے سے روکتی

ہو تمہارے ہاتھ نہ آجائے کیونکہ بہت سے خیالات خطا پر مبنی ہوتے ہیں اور پوچھ گچھ کی بھی ممانعت ہے جیسا کہ خدا نے فرمادیا ہے: "ولا تجسسوا" جستجو نہ کرو۔

حضرت امیرالمؤمنینؑ نے نہج البلاغہ میں حدیث کا یہ جملہ نقل کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مؤمن کے منہ سے ایسا لفظ نکلے جس کے دو معنی ہوں تو تجھے لازم ہے کہ اس کے اچھے ہی معنی نکال چاہے وہ معنی مجازی ہوں یا کنائے سے نکلتے ہوں اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ کہنے والا یہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحیح اور اچھے معنی ہی کا قصد کیا ہے۔

ایک بار حجاج لعین نے قبعثری کو دھمکی دی اور کہا: "لاحملنك علی الادھم" یعنی میں تجھے ادہم (بیڑی اور زنجیر) پر سوار کراوں گا (کھینچوں گا) قبعثری نے کہا: "مثل الامیر یحمل علی الادھم والاشھب" یعنی ایسا امیر ہونا چاہئے جو ادہم (سیاہ رنگ کا گھوڑا جو بہترین قسم کا سمجھا جاتا ہے) پر سوار کرائے۔ حجاج نے کہا: "اردت الحدید ادھم" سے میرا مطلب لوہا تھا گھوڑا نہیں تھا۔ قبعثری بولا: "لان یکون حدیداً خیر من ان یکون بلیدا" تیز نگاہ اور چوکنا گھوڑا سست سے بہتر ہوتا ہے۔(۱)

۱۔ چلپی مطول کے حاشئے میں لکھتا ہے: قبعثری ایک شاعر اور ادیب تھا۔ ایک دن وہ اپنے ہم خیال ادیبوں کی جماعت کے ساتھ ایک باغ میں تھا اور وہ زمانہ کھجوریں توڑنے کا تھا۔ کسی نے حجاج خونخوار کا نام لیا تو قبعثری بولا: "اللھم سود وجھه واقطع عنقه واسقنی من دمه" یعنی اے خدا! اس کا منہ کالا کر، اس کی گردن کاٹ ڈال اور مجھے اس کا خون پلا۔ قبعثری کی یہ ہجو حجاج کے کان تک بھی پہنچ گئی تو اس نے اسے بلوایا اور اس سے سخت باز پرس کی۔ قبعثری نے کہا: "اردت بذلك الحصرم" ان الفاظ سے میری مراد کھجوریں تھیں، میں نے کہا تھا کہ اے خدا ان کا رنگ کالا کردے اور انہیں درخت سے الگ کرکے مجھے کھلادے۔ حجاج نے یہ تشریح نہیں مانی اور اسے ڈراتے ہوئے کہنے لگا: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس حکایت میں جیسا کہ آپ نے دیکھا قبعثری نے حجاج کی ڈانٹ ڈپٹ کو اس کی عنایت اور مہربانی پر محمول کر کے کلمہ حدید کے جس کے بظاہر معنی بیڑی اور لوہے کے ہیں مجازی معنی نکالے جو گھوڑے اور چست و چالاک کے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام اقوال اور افعال کے معاملے میں یہی رویہ اختیار کرنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے انہیں خرابی اور برائی کے بجائے درستی اور اچھائی پر محمول کرنا چاہئے۔

مؤمن سے بدگمانی حرام ہے

شہید ثانی علیہ الرحمہ کشف الریبہ میں فرماتے ہیں: "جس طرح مؤمن کی برائی کرنا اور مؤمن کی برائیاں بیان کرنے میں زبان چلانا حرام ہے، اسی طرح اس کی طرف سے بدگمانی بھی حرام ہے۔"

گزشتہ سے پیوستہ:

"لاحملنك على الادهم" میں تجھے بیڑیوں پر سوار کراؤں گا اور چونکہ لفظ ادہم عربی میں بیڑی کے علاوہ بھی معنی رکھتا ہے اور وہ ہیں مشکی گھوڑے کے، جس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قبعثری نے حجاج کے لفظ ادہم کو ان معنوں میں لیا اور بولا: "مثل الامير يحمل على الادهم والاشهب" یعنی ایسا قوی اور سخی امیر ہونا چاہئے جو خالص کالے یا خالص سفید گھوڑے پر سوار کرائے۔

حجاج نے کہا: "اردت الحديد" یعنی ادہم سے میری مراد لوہے کی بیڑی تھی، گھوڑا مراد نہیں تھا۔ حدید کا لفظ لوہے کے علاوہ چونکہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور وہ ہیں تیز نگاہ اور چست و چالاک۔ قبعثری نے حجاج کے لفظ حدید سے دوسرے معنی نکالے اور کہا: "لان يكون حديداً خير من ان يكون بليداً" یعنی بے شک چست و چالاک گھوڑا سست سے بہتر ہوتا ہے۔

جب حجاج نے قبعثری کی معنی آفرینی کی قابلیت دیکھی تو اس نے غصہ تھوک دیا اور اسے معاف کر کے انعام و اکرام دیا۔

یہ قصہ بیان کرنے سے علامہ مجلسی کی غرض اچھے معنی مطالب نکالنے سے ہے کہ سننے میں جو بات بظاہر بے جا اور تکلیف دہ بھی ہو اس کے خوشگوار اور اچھے ہی معنی نکالنے چاہئیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حرام بدگمانی کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی پختہ دلیل کے بغیر محض اپنے دل سے برا سمجھو البتہ دل میں صرف خیال کا پیدا ہونا چونکہ اختیاری بات نہیں ہے اس لئے وہ حرام نہیں ہے اور قابل معافی ہے۔ (حدیث نبوی کے مطابق جسے حدیث رفع کہتے ہیں) خدا نے فرمایا ہے: "بہت سے خیالات سے بچو در حقیقت کچھ خیالات گناہ بھی ہوتے ہیں۔"

جب تک دوسرے کی برائی تمہارے سامنے ظاہر نہ ہو جائے اور اسکے اچھے معنی بھی نہ نکالے جا سکیں اس وقت تک دوسرے کے متعلق برا خیال قائم نہ کرو۔

جو بات تم پر کھلی نہ ہو اور تمہارے دل میں ٹھیر جائے تو سمجھو کہ وہ بدگمانی شیطان نے تمہارے دل میں ڈال دی ہے تمہیں چاہئے کہ تم اسے جھٹلاؤ کیونکہ وہ سب سے سخت اور خراب قسم کا گناہ ہے۔

اسی لئے شرع میں ہے کہ جب تمہیں کسی کے منہ سے شراب کی بو آئے تو یہ نہ کہو کہ فلاں شخص نے شراب پی ہے اور نہ اس پر حد جاری کرنا چاہئے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس نے کلی کر کے ہی منہ سے نکال دی ہو یا دوسرے نے اس کے منہ میں زبردستی انڈیل دی ہو یا وہ اسے پانی کے دھوکے میں پی گیا ہو اس طرح کے اور بھی احتمالات ہو سکتے ہیں اس لئے مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "مسلمان کا خون بہانا، اس کا مال لوٹنا اور اس سے بدگمانی کرنا حرام ہے۔" (کشف الریبہ شہید ثانی)

گزشتہ سے پیوستہ:
جس طرح تبغدی نے اچھی توجیہ و تشریح کر کے حجاج کے شر سے بچ گیا بلکہ اس کی عنایت کا مستحق بھی بن گیا۔ اسی طرح جو انسان دوسروں کے قول یا فعل کے اچھے معنی و مطلب نکالے گا وہ خرابیاں پیدا کرنے والی دنیا اور آخرت کی برائیوں سے بچ جائے گا اور اپنی اچھی توجیہ کی بدولت خیر و خوبی حاصل کرے گا۔

یہاں تک کہ آپؒ فرماتے ہیں: مسلمان کے خلاف جو بدگمانی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم یہ نہیں جانتے کہ دل میں صرف خیال کا بے اختیار گزرنا قابل معافی ہوتا ہے یا یہ کہ برے خیال کا دل میں بیٹھ جانا اختیاری اور قابل سزا ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ جیسے ہی اس مسلمان کی نسبت تمہاری حالت بدلی، تم اس سے بددل ہوئے، تمہیں وہ کھلنے لگا اور تم نے اس کے احترام میں کمی اور سستی کی اور اس خیال سے پہلے کی طرح تم اس کی پریشانی سے غمگین نہیں ہوتے تو یہ حرام بدگمانی اور اس کی طرف سے دل میں کانٹے پڑ جانے کی نشانی ہوتی ہے۔"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "جب کسی مؤمن کو کسی مسلمان سے بدگمانی پیدا ہو جائے تو اس کے لئے اس سے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اس بدگمانی کو دل میں نہ بیٹھنے دے اور اس پر عمل نہ کرے۔" (کشف الریبہ شہید ثانیؒ)

یعنی اپنے کردار اور گفتار میں اس کے خلاف پیدا ہو جانے والی بدگمانی کے مطابق عمل نہ کرے بلکہ شیطان پر غالب آنے کے لئے یہ مناسب ہے کہ اس شیطانی خیال کے بعد اس مسلمان سے اچھا اور بہتر سلوک کرنے لگے اور اس کا زیادہ احترام اور اس کے حقوق کا زیادہ لحاظ کر کے شیطان کو اندھا بنا دے۔ (کشف الریبہ شہید ثانیؒ)

تیسری فصل

۱ قرآن کی ہتک

کسی گناہ کو گناہ کبیرہ قرار دینے کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ دیندار اسے بڑا سمجھتے ہیں کیونکہ ائمہ اور پیغمبر اکرم علیہم السلام کے زمانے تک تمام ادوار میں اس کا ہر دیندار کے نزدیک بڑا ہونا ثابت ہے۔ مثلاً دین کی مقدس اور محترم چیزوں کے احترام میں کمی اور ان کی توہین کرنا یعنی دین میں جس کا ضروری احترام بالکل واضح بات ہو جیسے قرآن مجید، کعبہ معظمہ، مکہ مکرمہ، مسجدیں، محترم مزارات یہاں تک کہ امام حسینؑ کا مرقد منور بھی۔ یہاں مذکورہ بالا باتوں کی تعظیم واجب ہونے، ان کی توہین یا ہتکی کے حرام ہونے کے متعلق احکام مختصر طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔

قرآن کا احترام مذہبی ضرورت ہے

یہ بات ہر مسلمان کے نزدیک واضح ہے کہ قرآن سے بڑھ کر جو خدا کا کلام ہے باعزت، شریف اور واجب الاحترام عالم اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول خداؐ نے اسے سب سے گرانقدر اور وقیع چیز کہا ہے کہ میں تم مسلمانوں میں اپنے بعد دو بیش قیمت ترین چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے بڑی چیز قرآن ہے اور چھوٹی چیز میرے اہلبیت ہیں۔ یعنی علی، حسن، حسین ان کی اولاد اور سادات علیہم السلام کی

بزرگ نسل۔(سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۱۳۲)

بہترین ثواب

قرآن کی بڑی شان کے متعلق ایک طویل حدیث میں حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن قرآن کہے گا کہ اے خدا! تیرے کچھ بندوں نے میرا احترام کیا، میری حفاظت کی اور مجھ میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہونے دیا لیکن کچھ دوسروں نے مجھے ضائع کر دیا، میرے حق کو حقیر جانا اور مجھے جھٹلایا۔

خدائے تعالیٰ فرمائے گا: "مجھے اپنے عزت و جلال اور بلند مقام کی قسم ہے آج میں تجھے بہترین ثواب عطا کروں گا اور تیری خاطر سب سے زیادہ دردناک سزا دوں گا۔" (کافی)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "خدائے جبار فرمائے گا کہ مجھے اپنے عزت و جلال اور بلند مقام کی قسم ہے بلاشبہ آج میں اس شخص کا احترام کروں گا جس نے تیرا احترام کیا ہے اور اسے ذلیل کروں گا جس نے تیری توہین کی ہے۔" (کافی کتاب فضل قرآن حدیث ۱۴)

غرض یہ بات کسی مسلمان سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ قرآن کی بے حرمتی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور خدا اور اس کے پیغمبرؐ کی توہین ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کی کتاب اور اپنے خاندان کے ساتھ خدا کے پاس پہنچوں گا۔ اس کے بعد میری امت کے لوگ آئیں گے۔ میں اپنی امت سے پوچھوں گا تم نے خدا کی کتاب اور میرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" (کافی کتاب فضل القرآن حدیث ۴)

قرآن کی توہین کا مطلب اور اس کے بارے میں حکم

توہین کی پہچان عام ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں جس قول و عمل کو عام طور پر اس کی توہین کرنا کہا جاتا ہے اور جس فعل و عمل کو قرآن کی ہتک کا سبب سمجھا جاتا وہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

دراصل یہ اس صورت میں ہے جب کہ قرآن کی توہین دین کی اصل اور حضرت سید المرسلینؐ کی شریعت کی توہین اور ہتک کے لحاظ سے نہ ہو اور قرآن کی اس توہین کو حلال بھی نہ جانتا ہو ورنہ اس شخص کا عمل کفر کا سبب اور دین سے پھر جانے کا موجب ہوگا کیونکہ قرآن کی توہین کا حرام ہونا دین کی ضرورت ہے۔

اس لئے اگر کوئی شخص قرآن کو ٹھکراتا یا نجاست میں گرادیتا ہے تو چونکہ بظاہر اس کا عمل اصل دین کی توہین اور قرآن مجید کے احترام سے انکار ہے اس لئے وہ کافر اور اس کا قتل مباح ہو جاتا ہے بجز اس صورت کے جب کہ وہ یہ کہے کہ میں غصے میں تھا یا مجبور تھا اور اس کے متعلق یہ گمان بھی ہو سکتا ہو کہ وہ اپنی فطری حالت میں نہیں رہا ہے۔

اس مقام پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی توہین کے حرام اور اس کے احترام کے واجب ہونے کے بارے میں کچھ اہم باتیں بیان کردی جائیں۔

۱۔ قرآن کی جلد، اس کے غلاف اور اس کی تحریر کی طرح اس کے ورق (یعنی ان مقامات کی جن پر قرآنی تحریر نہیں ہے جیسے حاشیے) کی بھی ہتک حرام ہے اسی لئے ان کا نجس کرنا بھی حرام ہے بشرطیکہ وہ توہین کا باعث ہو اور اس صورت میں اس کا پاک کرنا واجب ہوگا۔

۲۔ نجس روشنائی سے قرآن لکھنا حرام ہے اور اگر نجس روشنائی سے لکھا جائے یا

لکھے جانے کے بعد نجس ہو جائے تو اس کا پاک کرنا واجب ہو گا اور اگر پاک نہ ہو سکے تو اسے مٹا دیا جائے۔

۳۔ کافر کے ہاتھ میں قرآن دینا حرام ہے بشرطیکہ قرآن کی ہتک ہوتی ہو یا کافر اس کی تحریر چھوئے اور بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ کافر کے ہاتھ میں قرآن دینا بالکل جائز نہیں ہے بلکہ کافر کے ہاتھ سے قرآن لے لینا واجب ہے۔

۴۔ جب قرآن یا اس کا کوئی ورق یا کسی معصوم کی دعا یا انگوٹھی جس پر خدا کا نام یا امام حسینؑ کا مزار وغیرہ ایسی چیز کندہ ہو جو دین اور مذہب میں محترم مانی جاتی ہو، جس کی ہتک حرام اور جس کا احترام واجب ہو، اگر خدانہ کرے کھڈی یا کموڈ میں گر پڑے تو واجب ہے کہ فوراً نکال کر پاک کی جائے چاہے اس پر کتنا ہی زیادہ خرچ کیوں نہ آئے اور جب تک نکال نہ لی جائے اس وقت تک اس کھڈی کا استعمال حرام ہے اور اگر اس کا نکالنا ممکن ہی نہ ہو تو کھڈی بند کر دی جائے تاکہ پھر استعمال نہ ہو سکے۔

اس چیز کے باہر نکالنے اور پاک کرنے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا وہ اس چیز کے مالک یا اس کے نجس کرنے والے سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر اس مسلمان پر جسے خبر ہو جائے واجب کفائی کے طور پر واجب ہے (اگر ایک شخص انجام دیدے تو دوسروں سے اس کا واجب ساقط ہو جاتا ہے) اور اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے تو وہ سب کے سب جنہیں اس کی خبر ہو جاتی ہے ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔

۵۔ محدث شخص کا (یعنی ایسے شخص کا جسے نماز پڑھنے کے لئے وضو یا غسل کرنا چاہئے) قرآن کی تحریر چھونا حرام ہے چاہے ہاتھ سے چھوئے چاہے

ہونٹوں سے چاہے دوسرے اعضاء سے۔(مزید معلومات کے لئے دیکھئے کتاب طہارت وسائل الشیعہ کتاب الشیعہ ابواب الوضو باب ۱۲)

اس حکم کی شاخیں اور تفصیلات بہت ہیں جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے رسالہ عروۃ الوثقیٰ ملاحظہ کیجئے۔ (عروۃ الوثقیٰ، فصل فی غایات الوضو مسئلہ ۳ تا ۱۹)

۶۔ شیخ انصاری علیہ الرحمہ مکاسب محرمہ کے خاتمے میں فرماتے ہیں: "فقیہوں کی ایک جماعت نے صاف کہہ دیا ہے کہ قرآن مجید کا کاروبار (خرید و فروخت) حرام ہے اور اس حکم کی سند کے لئے انہوں نے ایک روایت لکھی ہے جس کے لئے اور جس پر بحث کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اس کی بنا پر صرف قرآن مجید کی جلد اور اوراق کے لحاظ سے خرید و فروخت کی جائے اس کی مبارک تحریر کے لحاظ سے نہ کی جائے اور بہتر یہ ہے کہ خریدار جو رقم دیتا ہے وہ ہدیے کے طور پر دے قرآن کی قیمت کے طور پر نہ دے اور بیچنے والا بھی قرآن کو ہدیے کے طور پر دے فروخت کے طور پر نہ دے۔"

ضروری ہدایت

جس شخص نے جتنی زیادہ معرفت حاصل کی ہوگی اور خدا کی عظمت کو وہ جتنا زیادہ سمجھتا ہے اس کے نزدیک قرآن مجید جو خدا کا کلام ہے اتنا ہی زیادہ عظیم ہوگا اور جس قدر اس سے ہو سکے گا اس کے ادب، احترام اور تعظیم کی اتنی ہی کوشش کرے گا باوجودیکہ وہ اپنے آپ کو قرآن کا حق ادا کرنے میں قاصر پائے گا۔

ایسا شخص وضو کئے بغیر قرآن کو کبھی نہیں چھوئے گا یعنی حدث کی حالت

میں جلد اور قرآن کے حاشیوں کو بھی نہیں چھوئے گا اور اس سے نجس ہاتھ چاہے خشک ہی ہو کبھی نہیں لگائے گا، حدث کی حالت میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھے گا اور اگر اس کے ساتھ قرآن مجید ہوگا تو وہ ہمیشہ طاہر رہے گا، اس کی طرف پیٹھ کر کے نہیں بیٹھے گا، اس کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے گا، اس کے اوپر کوئی چیز نہیں رکھے گا، اسے پڑھتے وقت قبلے کی طرف منہ کر کے ادب سے بیٹھے گا، توجہ کے ساتھ اس کی نصیحتوں سے اثر لیتے ہوئے تلاوت کرے گا، جیسا کہ اس کے پروردگار کا حکم ہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۲۰۴) اگر دوسرا تلاوت کرتا ہوگا تو وہ دھیان سے سنے گا اور ادب کرے گا۔ اگر وہ ایسی مجلس میں ہوگا جہاں لوگ اس کا ادب نہیں کرتے ہیں اور قرآن نہیں سنتے ہیں تو نہیں پڑھے گا۔(۱)

کتاب گلزار اکبری کے گلشن ۵۱ میں ابوالوفاء ہروی سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ میں بادشاہ کی مجلس میں قرآن پڑھ رہا تھا لوگ نہیں سن رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ میں نے پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا رنگ مبارک بدلا ہوا ہے یعنی آپ ناخوش ہیں آپؐ نے فرمایا: "اتقرء القرآن بین یدی قوم وھم یتحدثون ولا یستمعون والک لاتقرء بعد ھذا الاماشاء اللہ" یعنی کیا تو ان لوگوں کے لئے قرآن پڑھتا ہے جو باہم باتیں کرتے ہیں اور قرآن نہیں سنتے لہذا تو اس کا ادب قائم نہ رکھنے کی وجہ سے اسے آئندہ نہیں پڑھ سکتا جز اس صورت کے جب کہ خدا چاہے۔

اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں گونگا ہو چکا تھا لیکن چونکہ آپ نے فرمایا تھا: "الاماشاء اللہ" اس لئے مجھے امید تھی کہ آخر میری زبان کھل جائے گی۔ یہاں تک کہ چار مہینے کے بعد اسی جگہ جہاں میں نے وہ خواب دیکھا تھا پھر رسول خداؐ کو

۱۔ عملی رسالوں میں مکروہات میں شامل کچھ ایسی ہی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

خواب میں دیکھے۔ آپؐ نے فرمایا: "قد تبت" تو نے بالکل توبہ کرلی ہے۔ میں نے کہا: "جی ہاں! یا رسول اللہؐ۔" آپؐ نے فرمایا: "من تاب تاب اللّٰه علیه" جو خدا سے توبہ کرتا ہے خدا بھی اسے معاف کردے گا اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "زبان باہر نکال۔" پھر آپؐ نے اپنی انگشت شہادت سے میری زبان چھوئی اور فرمایا: "اذا کنت بین یدی قوم تقرء کلام اللّٰه فاقطع قرائتك حتی یسمعوا کلام رب العزة" یعنی جب تو کچھ لوگوں کے سامنے قرآن مجید پڑھے تو اس وقت تک کے لئے پڑھنا روک دے یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سننے لگیں۔ جب میں جاگا تو میری زبان کھل چکی تھی۔

(مذکورہ کتاب کے گلشن ۸۰ میں دین کی مقدس چیزوں کے احترام اور توہین سے متعلق بہت سی حکایتیں ملاحظہ فرمایئے)

واضح رہے کہ جس طرح قرآن مجید کی ہتک حرام اور گناہ کبیرہ ہے اسی طرح ان دعاؤں کی جو معصومین علیہم السلام سے ملتی ہیں جیسے صحیفۂ سجادیہ اور ان حدیثوں اور روایتوں کی جو ان بزرگواروں سے ہم تک پہنچی ہیں ہتک بھی حرام ہے۔ مثلاً ان کا زمین پر گرانا یا ان پر پیر رکھ دینا وغیرہ جسے عام طور پر ہتک سمجھا جاتا ہے۔

۲ کعبے کی ہتک

قرآن مجید کے بعد عالم اسلام میں کعبے سے بڑھ کر کوئی چیز معزز اور محترم نہیں ہے اور یہ بات ہر مسلمان پر اس قدر واضح ہے کہ سب لوگ بلا تردید اس کی توہین کو گناہ کبیرہ بلکہ اس کی بعض بعض حالتوں اور قسموں کو ارتداد اور کفر کا سبب سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔ صدوق علیہ الرحمہ حضرت امام صادق سے نقل فرماتے ہیں: "بلاشبہ خدا کے نزدیک تین چیزیں اتنی محترم ہیں کہ کوئی چیز ادب واحترام میں ان کے برابر نہیں ہے۔ ان میں سے پہلی قرآن مجید ہے جو خدا کی حکمت اور اس کا نور ہے۔ دوسری کعبہ معظمہ ہے جسے لوگوں کا قبلہ قرار دیا گیا ہے اور تیسری پیغمبرؐ کی عترت صلوٰۃ اللہ علیہم یعنی آل محمدؐ ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا نے زمین کا کوئی ٹکڑا اور گوشہ ایسا پیدا نہیں کیا جو اسے کعبے سے زیادہ پیارا اور قابل احترام ہو (من لا یحضرہ الفقیہ)۔

غرض ہر دیندار مسلمان کے نزدیک ضروری اور واضح ہے کہ کعبے کی توہین بہت بڑا گناہ ہے بلکہ پورے شہر مکہ کیا پورے حرم کے ادب واحترام کا واجب اور لازم ہونا ظاہر، واضح اور روشن ہے۔

کعبے کی سفارش

اس کے علاوہ اس گناہ کے کبیرہ ہونے پر نص آئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا احترام ترک کرنے کو حلال اور مباح جاننا گناہ کبیرہ ہے اور فرماتے ہیں: "واستحلال البیت الحرام۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد

باب ۲۵ تعیین الکبائر حدیث ۷ ۳)

خداوند عالم سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے: "یا ایھا الذین آمنوا لاتحلوا بشعائر اللہ." (آیت ۲) اے ایماندارو! خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی حلال نہ سمجھو۔

تفسیر المیزان میں لکھا ہے کہ احلال یعنی ہر چیز کی حرمت اور منزلت سے بے پروائی کو مباح جاننا اور احلال شعائر اللہ کے معنی ہیں شعائر الٰہی کو محترم نہ سمجھنا اور انہیں ترک کرنا مراد ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ کعبہ معظمہ شعائر الٰہی ہے۔

خدا سورۃ حج میں فرماتا ہے: "اور جو کوئی خدا کی محترم چیزوں کا احترام کرتا ہے وہ اپنے خدا کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔" (آیت ۲۹)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں حرمات الٰہی سے مراد کعبہ معظمہ یعنی بیت اللہ الحرام ہے اور مسجد الحرام ہے اور مکہ معظمہ جو بلد حرام ہے اور حرام مہینے اور دوسری حرمت والی چیزیں مراد ہیں۔

توہین کے درجے

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے توہین کے بعض درجے کفر اور ارتداد کا موجب ہیں مثلاً اسے ڈھانا یا جان بوجھ کر نجاست میں لتھیڑنا یا سانا یا مثلاً ویسا کرنا جیسا قرآن کی ہتک کی گفتگو میں ذکر کیا گیا۔ ہتک کے تمام درجوں میں سے کچھ درجے بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ حرم میں الحاد

مکہ معظمہ میں جس قسم کا اور خلاف شرع گناہ واقع ہوگا وہ بیت اللہ اور بلد حرام کی ہتک اور توہین ہے کیونکہ خدا کے حکم کے خلاف اس کے گھر میں واقع ہونا سخت بے ادبی، بے پروائی اور بے توجہی ہے اس لئے بعض روایتوں میں ہے کہ جس

طرح دوسری جگہ کے مقابلے میں حرم میں گناہ کا عذاب دوگنا ہوتا ہے اسی طرح نیکی کا ثواب بھی دگنا ہوتا ہے۔

روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حرم میں کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے جس کی حد یا تعزیر مقرر ہے تو مقررہ سزا سے زیادہ دی جائے کیونکہ اس نے حرم خدا کی ہتک کی ہے اور اسی بنا پر حرم خدا میں ہر گناہ گناہ کبیرہ ہوگا۔

بعض فقیہوں نے فرمایا ہے کہ حرم خدا میں (اس کی ہتک کے علاوہ) ہر گناہ کے کبیرہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کے لئے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (شیخ احمد جزائری۔ آیات الاحکام کتاب الحج صفحہ ۱۶۱)(۱) جیسا کہ خدا سورۂ حج میں فرماتا ہے: "جو کوئی حرم میں الحاد چاہے گا (یعنی خدا کے حق اور قانون سے ظلم اور حق سے انحراف) ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" (آیت ۲۵)

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حرم میں الحاد مراد ہے اور الحاد کے معنی ہر گناہ اور خلاف شرع عمل ہے۔

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "مکہ معظمہ میں جو ظلم بھی کوئی شخص اپنے اوپر کرتا ہے جیسے چوری یا کسی اور پر کرتا ہے یا خدا کے شرعی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے میں اسے الحاد سمجھتا ہوں اسی لئے پرہیزگار لوگ حرم میں ٹھیرنے سے پرہیز کرتے تھے۔" (کافی کتاب الحج باب ۱۴۱)

یعنی اس لئے حرم میں گناہ نہ کریں کہ اس سے خدا کی سزا کے مستحق ٹھیریں گے۔

وافی میں اس روایت کی طرح کی کچھ روایتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ پہلے باب میں ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن میں جس گناہ پر جہنم کا وعدہ کیا گیا ہے وہ کبیرہ ہے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اپنے آپ کو گناہ کرنے سے روک سکتا ہے مکے کے پڑوس میں رہنے میں اس کے لئے کوئی برائی نہیں ہے۔"

لوگوں نے حضرت صادقؑ سے کہا: "ایک پرندہ ایسا ہے جو حرم کے جس کبوتر کو دیکھ لیتا ہے ستاتا ہے۔" امامؑ نے فرمایا: "اسے پکڑ کر مار ڈالو کیونکہ اس نے حرم میں الحاد کیا ہے۔" (کافی کتاب الحج باب ۱۴۱)

واضح رہے کہ حرم کی حد چاروں طرف چار چار فرسخ تک ہے جن کا مجموعہ سولہ (مربع) فرسخ ہو جاتا ہے۔ (اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے)۔ (مسالک، کتاب الحج صفحہ ۱۴۲)

۲۔ حرم امن کی جگہ ہے

جب کوئی شخص حرم کے باہر کوئی جرم یا چوری کر کے حرم میں پناہ لے لیتا ہے تو کوئی اسے نہیں پکڑ سکتا۔ اس کے ساتھ اس وقت تک اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ترک کر دینا چاہئے اور لین دین میں سختی برتنا چاہئے جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے حرم سے نکل نہیں جاتا۔ پھر اسے سزا دے سکتے ہیں اور اگر کسی نے حرم کے اندر کوئی ایسا کام کیا جس کا قصاص یا حد یا تعزیر مقرر ہو تو حرم میں ہی اس سے قصاص لینا اور اس پر حد جاری کرنا چاہئے۔

حضرت امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حرم کے باہر کسی کو قتل کرنے کے بعد حرم میں داخل ہو جاتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "اسے قتل نہ کریں بلکہ اسے کھانا پانی نہ دیں اس سے لین دین نہ کریں اور اسے جگہ نہ دیں۔ یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل جائے پھر اس پر حد جاری ہو گی۔" پوچھا گیا کہ اس شخص کے

بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو حرم کے اندر کسی کو قتل کر دیتا ہے یا چوری کرتا ہے تو امام نے فرمایا: "وہیں حرم میں ان پر حد جاری ہو سکتی ہے کیونکہ یہ شخص حرم کا احترام نہیں کرتا۔" (کافی۔ کتاب الحج باب ۱۴۱) سماعہ نے حضرت امام صادق سے پوچھا: "ایک شخص کے پاس میری پچھ رقم تھی جو ایک عرصے تک مجھ سے چھپا رہا۔ پھر میں نے اسے کعبہ معظمہ کے گرد طواف کرتے دیکھا۔ کیا میں اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہوں؟" آپ نے جواب دیا: "نہیں۔ تم اسے سلام نہ کرو (کہ وہ تمہیں پہچان لے) اور اسے اس وقت تک نہ ڈراؤ جب تک وہ حرم سے نہ نکل جائے۔" (وافی)

۳۔ جانور کو مار ڈالنا اور گھاس کھودنا

حرم میں اونٹ، گائے، بھیڑ اور مرغ کے علاوہ ہر جانور کا مار ڈالنا حرام ہے البتہ کالا سانپ، سانپ، بچھو، چوہے، جوں اور مچھر یعنی ہر ایذا پہنچانے والے جانور کا مار ڈالنا جس کے مار ڈالنے سے برائی دور ہوتی ہے جائز ہے۔ (دیکھئے کتاب مستند الشیعہ صفحہ ۳۱۸)

حرم میں اگا ہوا درخت اکھاڑنا اور گھاس کھودنا بھی حرام ہے۔ (دیکھئے کتاب حج مستند صفحہ ۲۱۴)

احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا

مکہ معظمہ بلکہ حرم میں احرام کے بغیر داخلہ جائز نہیں ہے یعنی سال کے دنوں میں جب کوئی حرم اور مکہ معظمہ میں جانا چاہے تو اس پر میقات سے احرام باندھ لینا واجب ہے۔ وہ احرام باندھ کر داخل ہو اور طواف، سعی اور تقصیر کے بعد احرام کھول سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اکثر حرم اور حرم سے باہر کے درمیان آتا جاتا رہتا

ہے جیسے لکڑہارا اور قاصد اور بجز اس شخص کے جس کے پچھلے احرام اور داخل ہونے کے درمیان ایک ماہ سے کم کا عرصہ گزرا ہو۔

بعض فقیہوں نے اخلال البیت (جسے گناہ کبیرہ کہا گیا ہے جیسا کہ بیان گزر چکا ہے) کو اس مسئلے سے متعلق گرداناہے یعنی مکہ معظمہ میں احرام کے بغیر داخل ہونا۔

قبلے کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے پاخانہ پھرنا

پیشاب کرتے یا پاخانہ پھرتے وقت قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے چاہے جنگل بیابان میں ہو یا آبادی اور عمارت کے اندر ہو۔ احتیاطاً بچے کو بھی قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بٹھائیں البتہ اگر اس نے خود ہی ایسا کیا ہے تو اسے روکنا بھی واجب نہیں ہے اور اگر بالغ اور عاقل نے ایسا کیا ہے اور وہ یہ مسئلہ نہیں جانتا تو اسے سمجھانا چاہئے اور اگر جانتا ہے اور اس نے جانتے بوجھتے ایسا کیا ہے تو اسے نہی از منکر کی رو سے روکنا واجب ہے (جس کی تشریح باب نہی از منکر میں ہو چکی ہے)۔

اگر دائیں یا بائیں طرف مڑ جائے تو پھر حرام نہیں ہے چاہے پورے طور پر مشرق یا مغرب کی سمت بھی نہ ہو۔ اس حکم کے ماخذات کا بھی پچھلے مسئلوں کی طرح ذکر نہیں کیا گیا۔

۳ مسجدوں کی توہین

جو مکان مسجد کے نام سے کسی مسلمان کے ہاتھوں چاہے وہ شیعہ ہو یا کسی اور اسلامی فرقے کا ہو، بنایا جاتا ہے اس کا احترام واجب ہے اور اس کی توہین مثلاً اسے ڈھانا یا نجاست سے آلودہ کرنا ہر دیندار کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ مسجد خدا سے منسوب ہوتی ہے۔ "وان المساجد للّٰہ" اور ان کی توہین خدا کی توہین ہے۔

ابو بصیر نے حضرت امام صادقؑ سے پوچھا: "مسجدوں کے احترام کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟" حضرتؑ نے فرمایا: "کیونکہ مسجدیں زمین پر خدا کے گھر ہوتی ہیں۔" (وسائل الشیعہ کتاب کتاب الصلوٰۃ باب ٦٠)

روایت ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسجدیں زمین پر میرے گھر ہیں۔ وہ بندہ کتنا اچھا ہے جو کسی گھر میں وضو کر کے میرے گھر میں مجھ سے ملاقات کرتا ہے۔ بلاشبہ گھر والے کو اس سے ملاقات کے لئے آنے والے شخص کا احترام کرنا لازم ہے۔ مسجدوں کی طرف رات کے اندھیروں میں آنے والوں کو اس روشنی کی خوش خبری سناؤ جو قیامت میں انہیں دی جائے گی۔ (وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ باب ٢٩)

اس کے علاوہ مسجدوں کی توہین ہر دیندار کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں مسجد ڈھانے کی توہین کو سب سے بڑا ظلم شمار کیا گیا ہے۔ (سورۃ بقرۃ آیت ١١٤) اس مقام پر مسجد سے متعلق کچھ احکام ان کے ماخذ کا ذکر کئے بغیر نقل کئے جاتے ہیں:

۱۔ مسجد میں نجاست پھیلانا حرام ہے

مسجد کو نجس کرنا حرام ہے اور مسجد میں ایسے نجس العین کو لے جانا بھی جس سے مسجد بھی نجس ہو جائے حرام ہے اور مسجد کو نجس تو نہ کرے لیکن اس کی توہین کا سبب ہو تو بھی حرام ہے یہ نجس کرنے والی چیز چاہے سوکھی ہو اور مسجد کی نجاست کا سبب بھی نہ ہو البتہ ایسی صورت میں جب کہ اس سے مسجد نجس نہ ہوتی ہو اور اس سے مسجد کی توہین بھی نہ ہوتی ہو اس کا مسجد میں لے جانا جائز ہے۔

احتیاط اسی میں ہے کہ عین نجس کو مسجد میں بالکل نہ لے جایا جائے۔

۲۔ مسجد کو پاک کرنا واجب ہے

مسجد سے نجاست دور کرنا اور اسے فوراً طاہر کرنا واجب ہے جس سے عام طور پر یہ کہا جائے کہ مسجد کے طاہر کرنے میں کوئی سستی نہیں ہوئی فوراً طہارت کے واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو پہلے مسجد کو طاہر کرنا چاہئے۔

اس حکم کے تحت زمین، دیوار، چھت اور دیوار کی دوسری طرف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح مسجد کے فرش کا پاک کرنا بھی واجب ہے۔ واضح رہے کہ وجوب کفائی تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ اگر رقم خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو واجب ہے کہ پیسہ خرچ کریں اور مسجد یا اس کے فرش کو پاک کریں اور اگر تن تنہا نہیں کر سکتے تو واجب ہے کہ دوسروں کی مدد اسی ترتیب سے حاصل کریں جو بیان کی گئی۔

۳۔ جنابت، حیض اور نفاس میں مبتلا مرد یا عورت کا قیام

جنابت میں مبتلا مرد یا عورت اور حیض و نفاس میں مبتلا عورت کا مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جیسا کہ خدا قرآن مجید میں فرماتا ہے: ”حالت جنابت میں مسجد میں

داخل نہیں ہونا چاہیے البتہ اسے عبور کرنے کے لئے داخل ہو سکتے ہیں۔(سورہ نساء آیت ۴۳) یعنی ایک طرف سے داخل ہوں اور دوسری طرف سے نکل جائیں لیکن مسجد الحرام اور مسجد نبوی سے گزرنا بھی جنابت، حیض اور نفاس میں مبتلا لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے۔

۴۔ مسجد کے متعلق مستحب باتیں

مستحب ہے کہ مسجد میں چراغ جلائیں اور مسجد کو پاک رکھیں۔ اس میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھیں اور باہر جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالیں۔ داخل ہوتے وقت یہ خیال رکھیں کہ جوتا نجس نہ ہو جو مسجد کو بھی نجس کردے دوسرے یہ کہ پاک ہو کر (وضو اور غسل کر کے) مسجد میں داخل ہوں، بہترین لباس پہنیں اور خوشبو لگا کر مسجد میں آئیں اور آنے کے بعد مسجد کی دو رکعت نماز تحیت پڑھیں۔

۵۔ مسجد کی مکروہات

مسجدوں میں ہو کر گزرنا مکروہ ہے البتہ نماز تحیت پڑھیں اور نکل جائیں اور اگر دوسری نماز میں بھی پڑھنا چاہیں تو کوئی ہرج نہیں۔ مسجد میں رینٹ یا تھوک نہیں ڈالنا چاہیے اور نہ سونا چاہیے نہ اذان کی سی آواز سے چیخنا چلانا چاہیے نہ کسی کھوئے ہوئے شخص کا اعلان کرنا چاہیے۔ وعظ و پند کے علاوہ دوسری قسم کے اشعار بھی نہیں پڑھنا چاہئیں۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ مسجد میں خرید و فروخت بھی مکروہ ہے۔ پیاز یا لہسن یا کوئی ایسی چیز کھا کر بھی مسجد میں نہیں آنا چاہیے جس کی بو منہ سے آتی ہو۔ بچے اور پاگل کو مسجد میں نہیں جانے دینا چاہیے۔

فضیلت کے لحاظ سے مسجد کی قسمیں

- مسجد الحرام تمام مسجدوں سے افضل ہے جس کی نماز دوسرے مقام کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اس کے بعد مسجد نبویؐ کا درجہ ہے جس میں پڑھی ہوئی نماز دوسرے مقام کی دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اس سے اتر کر مسجد کوفہ اور مسجد اقصیٰ ہے جن کی نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ پھر ہر شہر کی جامع مسجد ہے جس کی نماز سو نمازوں کے برابر ہے۔ اس سے اتر کر محلے کی مسجد ہے جس کی نماز دوسری جگہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ پھر بازار کی مسجد کا نمبر آتا ہے جس میں پڑھی ہوئی نماز دوسری جگہ کی بارہ نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

۴ مزارات کی توہین

ہر مسلمان کے لئے رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی قبروں کا احترام ضروری ہے اور ان کی توہین ہر دیندار کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ مزارات کے احترام کے بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں یہاں صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کیا جاتا ہے جو تہذیب شیخ سے نقل کی گئی ہے۔

رسول خداؐ نے امیرالمؤمنینؑ سے فرمایا: "اے علیؑ! خدا نے تمہاری اور تمہاری اولاد کی قبروں کو بہشت کے مقبرے اور حصے قرار دیا ہے اور پاک لوگوں کے دلوں کو ان کی پیدائش سے اور اپنے منتخب بندوں کو تمہاری طرف مائل کر دیا ہے وہ تمہارے پاس آنے میں ہر تکلیف اور ذلت برداشت کرتے ہیں پھر وہی تمہاری قبروں کو بھی آباد کرے گا اور یہ لوگ خدا کے قرب اور اس کے پیغمبرؐ کی دوستی کی خاطر ان قبروں کی بھی زیارت کریں گے۔

اے علیؑ! یہی مخصوص لوگ قیامت میں میری شفاعت پانے والے، میرے پاس حوض کوثر پر آنے والے اور میرے پڑوسی ہوں گے۔ اے علیؑ! جو شخص ان قبروں کی تعمیر کرے گا اور ان کے پاس پہنچے گا وہ ایسا ہوگا جیسے اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں سلیمان کی مدد کی ہے اور جو ان قبروں کی زیارت کرے گا اسے سات غیر واجب حجوں کا ثواب ملے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا کہ واپس ہوتے وقت گویا اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

اے علیؑ! تم کو مبارک ہو اور تم اپنے دوستوں کو بھی ان نعمتوں کی مبارکباد دو جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ جن کا خیال کسی کے دل میں

گزرا ہے لیکن کچھ ذلیل اور کمینے لوگ ہیں جو تمہاری قبروں کے زائروں کو اس طرح برا بھلا کہتے اور ان کی توہین کرتے ہیں جس طرح کسی بدکار عورت کو ملامت کرتے ہیں۔ یہ میری امت کے بدذات اور فسادی لوگ ہیں۔ ان کو میری شفاعت حاصل نہیں ہوگی اور یہ میرے پاس حوض کوثر پر بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"(۱)

معصوم کی قبر کی توہین کفر ہے

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ علیہم السلام کی قبروں کی توہین مذہبی ضرورت کے لحاظ سے گناہ کبیرہ ہے بلکہ گناہان کبیرہ میں بھی سب سے بڑا ہے اور شرک اور کفر کی حد میں آتا ہے۔ مثلاً انہیں مسمار کرنا اور نجس کرنا۔ احتیاط کی رو سے نجس ہو جانے پر ان کی طہارت کرنا چاہئے گو نجس رہنا باعث توہین نہ بھی ہو۔

مشہور فقیہوں نے فرمایا ہے کہ مسجدوں کی طرح جنابت، حیض اور نفاس کی حالت میں مزاروں پر ٹھہرنا بھی حرام ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ پاک حرموں میں عبور کرنے کے خیال سے داخل ہونا بھی مسجد الحرام کی طرح جائز نہیں ہے۔

قبر معصوم کے پہلو میں نماز پڑھنا

ضریحوں میں نماز پڑھتے وقت پیغمبر اکرمؐ اور اماموں کی قبروں کو اپنی پشت کی جانب نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس سے نماز کی توہین ہوتی ہے اور نماز باطل ہو جاتی ہے بلکہ قبر کے پیچھے اس طرح نماز پڑھنا چاہئے کہ قبر نمازی کے قبلے کی طرف ہو اور قبر کے دائیں اور بائیں تو احتیاط کی بنا پر قبر کے برابر یا اس کے آگے نہیں کھڑا ہونا چاہئے بلکہ قبر کے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہئے۔

حضرت موسیٰ بن جعفرؑ فرماتے ہیں: "امام کی قبر پر کسی واجب یا مستحب نماز کا

۱۔ کتاب وافی ابواب الزیارات باب ۱۷۱ صفحہ ۱۹۶ اور کتاب مزار وافی و وسائل الشیعہ و جلد ۲۲ بحار الانوار۔

سجدہ جائز نہیں ہے بلکہ قبر کے دائیں جانب چہرہ رکھے۔ اب رہا قبر کے نزدیک نماز پڑھنا تو قبر کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے اور قبر کو سامنے رکھنا چاہیے۔ قبر کے آگے (سامنے) کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی کو امام سے آگے نہیں ہونا چاہیے البتہ قبر کے دائیں یا بائیں طرف نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس طرح کہ قبر کے آگے یا برابر نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ کتاب الصلوۃ باب ۲۶ فی مکان المصلی)

حضرت حجت بن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ سے روایت ہے کہ معصوم کی قبر کے آگے اور دائیں اور بائیں طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی کو امام کے آگے یا برابر نہیں آنا چاہیے۔

کتاب وسائل الشیعہ کتاب کے مولف نے دوسری حدیث کو جو دائیں اور بائیں طرف سے منع کرتی ہے مکروہ بتایا ہے۔

بعض فقیہوں نے فرمایا ہے کہ اس بحث کا معیار یہ ہے کہ جس عمل سے مسلم طور پر ہتک حرمت صادق آتی ہے۔ وہ آگے کھڑا ہونا ہے لیکن دائیں اور بائیں طرف کھڑے ہونے سے توہین نہیں ہوتی پھر بھی اس سے احتیاط بہتر ہے۔

۵

حسینی مٹی (خاک شفا) کی توہین

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کے چاروں طرف ایک میل یا چار میل یا چار فرسنگ (بارہ میل) تک کی جو مٹی تبرک کے طور پر یعنی اس سے شفا حاصل کرنے یا اس پر سجدہ کرنے کی غرض سے یا اس کے دوسرے خواص اور اثرات کی وجہ سے اٹھائی جاتی ہے تمام شیعوں کے نزدیک اسکے احترام کا لازم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس کی توہین بہت بڑا گناہ (گناہ کبیرہ) ہے اور حضرت امام سجادؑ کے وقت سے آج تک ایسا ہی سمجھا جاتا رہا ہے۔

اس مٹی کی توہین صاحب قبر کی بھی توہین ہے اور امام کی توہین کا گناہ کبیرہ ہونا ضروری ہے۔ یعنی مذہب کی ضرورت ہے۔

اگر پاخانہ پھرتے وقت کسی کے پاس یہ مٹی ہو اور وہ کھڈی میں گر پڑے تو واجب ہے کہ اسے باہر نکال کر پاک کرے اور جو باہر نہ آسکے تو وہاں پاخانہ پھرنا حرام ہے۔ چنانچہ باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو اس کا منہ بند کر دینا چاہئے تاکہ اس میں کوئی فارغ نہ ہو پائے جیسا کہ قرآن کی توہین کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

حسینؑ کی مٹی کی برتری

زمین کربلا کی عزت اور برتری اور حسینی مٹی (خاک شفا) کے عظیم اثرات و خواص کے بارے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں لیکن یہاں اس کی فضیلت اور شرافت

کے سلسلے میں دو روایتیں اور اس کی توہین کے برے نتائج کے بارے میں دو حکایتیں بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

شیخ مفید کے استاد بہت بڑے بزرگ ابن قولویہ کتاب کامل الزیارہ میں اپنی سند پر محمد ابن مسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "میں مدینے گیا اور بیمار پڑ گیا۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ مجھے ایک برتن میں تھوڑا سا شربت بھیجا جس پر رومال ڈھکا ہوا تھا۔ غلام نے کہا کہ یہ پی لیجئے کیونکہ امام نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک آپ یہ دوا نہ پی لیں میں واپس نہ جاؤں۔ میں نے جو لے کر پیا تو نہایت خوش مزہ ٹھنڈا شربت تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔"

پھر غلام نے کہا: "حضرتؑ نے فرمایا ہے جب آپ پی لیں تو امام کی خدمت میں پہنچیں۔" مجھے تعجب ہوا کہ میں تو چلنے کے قابل بھی نہیں ہوں اور اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا لیکن جیسے ہی وہ شربت میرے پیٹ میں پہنچا ایسا لگا جیسے میں قید سے چھوٹ گیا، میں اٹھ کھڑا ہوا اور حضرتؑ کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر میں نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو حضرتؑ نے فرمایا: "صح الجسم فادخل. تم تندرست ہو گئے اندر آ جاؤ۔"

میں روتا ہوا اندر گیا اور سلام کر کے میں نے آپ کے ہاتھوں اور سر کا بوسہ لیا۔ آپؑ نے فرمایا: "اے محمدؐ! کیوں روتے ہو؟" میں نے عرض کیا: "قربان جاؤں اس لئے روتا ہوں کہ میں آپ سے دور ہوں اور آپ کی خدمت میں رہنے کی طاقت نہیں رکھتا جو ہمیشہ آپ کی زیارت کرتا رہوں۔" آپؑ نے فرمایا: "طاقت کی کمی کی بات کرتے ہو۔ خدا نے ہمارے تمام شیعوں اور دوستوں کو ایسا ہی بنایا ہے اور ان کی طرف بلا کا رخ پھیر دیا ہے۔ رہی تمہاری غربت تو مومن اس دنیا میں مخلوق کے درمیان

اجنبی مسافر ہے تاکہ وہ اس فانی مقام سے خدا کی رحمت کا رخ کرے۔ دوری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیروی کرو جو ہم سے دور فرات کے کنارے زمین میں دفن ہیں اور تم نے جو ہمارے پاس رہنے کی محبت اور ہمارے دیدار کے شوق کے بارے میں کہا کہ تم اسے پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو خدا تو تمہارے دل سے واقف ہے اور وہی تمہیں تمہاری اس نیت کا اجر دے گا۔"

آپؑ نے بعد میں فرمایا: "تم قبر حسینؑ کی زیارت کو جاتے ہو؟" میں نے کہا: "جی ہاں بہت سے خطروں کا ڈر لئے ہوئے۔" آپؑ نے فرمایا: "جتنا ڈر زیادہ ہے اتنا ہی ثواب بھی بڑا ہے اور جو اس سفر میں خطرے کا مقابلہ کرلے گا وہ قیامت کے دن کے ڈر سے بچ جائے گا اور قبر حسینؑ کی زیارت سے اپنی بخشش اور مغفرت کئے ہوئے واپس آئے گا۔"(۱)

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: "تم کو وہ شربت کیسا لگا؟"

میں نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ اہل بیتؑ، خدا کی رحمت ہیں اور آپؑ وصیوں کے وصی ہیں۔ جس وقت غلام شربت لے کر پہنچا ہے تو مجھ میں اتنی بھی طاقت نہیں تھی کہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکوں اور میں اپنی طرف سے مایوس ہوچکا تھا۔ لیکن جب میں نے وہ شربت پیا تو اس سے زیادہ خوشبودار، لذیذ اور ٹھنڈی کوئی چیز نہیں پائی۔

غلام نے مجھ سے کہا: میرے آقا نے فرمایا ہے کہ آپ آیئے، میں نے جواب دیا میں جاؤں گا چاہے میری جان ہی چلی جائے اور جب میں روانہ ہوا تو ایسا لگا جیسے قید سے چھوٹ گیا ہوں۔ چنانچہ میں اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے آپ کو

۱۔ نفس المہموم صفحہ ۲۹۳۔ خصائص تالیف شیخ شوستری۔

شیعوں کے لئے رحمت بنادیا ہے۔"

آپؑ نے فرمایا: "اے محمد! تم نے جو شربت پیا ہے وہ قبر حسینؑ کی مٹی کا تھا۔ یہ اتنی اچھی چیز ہے کہ میں اس سے شفا حاصل کرتا ہوں۔ اس کے برابر کوئی چیز نہ سمجھنا کیونکہ میں اپنے بچوں اور عورتوں کو یہی پلاتا ہوں اور اس میں بہت خوبیاں پاتا ہوں۔" (کامل الزیارۃ مولفہ ابن قولویہ)

میں نے عرض کیا: "قربان جاؤں ہم بھی مٹی رکھیں گے اور اس سے شفا حاصل کریں گے۔" آپؑ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص یہ مٹی اٹھا کر اس علاقے سے باہر نکل جاتا ہے اور اسے کسی چیز میں نہیں لپیٹتا اور کوئی جاندار جو کسی تکلیف اور بلا میں گرفتار ہوتا ہے اسے سونگھ لیتا ہے، اس سے اس مٹی کی برکت جاتی رہتی ہے اور دوسرے اس کی برکت حاصل کر لیتے ہیں لیکن جس مٹی سے علاج کرتے ہیں اسے ایسے نہیں چھوڑنا چاہئے اور اگر یہ وجہ جو میں نے بتائی نہ ہو تو جو کوئی اسے اپنے جسم پر ملے یا کھائے اسی وقت شفا پائے گا۔ یہ حجر اسود کی طرح ہے جو ابتدا میں یاقوت کی طرح نہایت سفید تھا اور جو بیمار اپنے جسم کو اس سے رگڑ لیتا تھا اسی وقت شفا پا جاتا تھا لیکن جب بیماریوں میں مبتلا کفار اور جاہلیت والوں نے اپنے آپ کو اس سے رگڑا تو وہ کالا پڑ گیا اور اس کا اثر کم ہو گیا۔"

میں نے عرض کیا: "قربان جاؤں میں وہ مبارک مٹی (خاک شفا) کس طرح اٹھاؤں۔" آپؑ نے فرمایا: "تم بھی دوسروں کی طرح ظاہر میں کھلی ہوئی مٹی اٹھا کر تھیلی میں رکھ لو۔ اسے گندی جگہ نہ ڈالنا ورنہ اس کی برکت چلی جائے گی۔" میں نے کہا: "درست فرمایا۔"

آپؑ نے پھر فرمایا: "میں تمہیں تھوڑی سی مٹی دے دوں تو تم اسے کیسے

لے جاؤ گے؟" میں نے عرض کیا: "میں اسے اپنے لباس کے اندر رکھ لوں گا۔" آپؑ نے فرمایا: "تم نے جو ابھی وعدہ کیا تھا اس سے پھر گئے اس لئے ہمارے پاس جس قدر چاہو پی لو اور ساتھ نہ لے جاؤ کیونکہ وہ تمہارے لئے درست نہیں رہے گی۔" آپؑ نے وہ شربت دوبارہ مجھے پلایا۔ پھر وہ تکلیف مجھے کبھی نہیں ہوئی۔(۱)

جنازے کے ساتھ خاک شفا

ایک بدکار عورت تھی جب اس کے حرامی بچہ پیدا ہوتا تھا وہ اسے اپنے گھر والوں کے ڈر سے آگ کے تنور میں جلا دیتی تھی۔ اس کی ماں کے سوا اس سے کوئی واقف نہیں تھا۔ جب وہ مری اور اسے دفن کر دیا گیا تو زمین نے اسے قبول نہیں کیا اور باہر اگل دیا۔ اسے دوسری جگہ دفنایا پھر ایسا ہی ہوا۔ اس کے گھر والوں نے حضرت امام صادقؑ کو اطلاع دی۔ آپؑ نے اس کی ماں سے پوچھا: "تیری بیٹی زندگی میں کیا گناہ کرتی تھی۔" ماں نے اپنی بیٹی کی بدکاری بتادی۔ امامؑ نے فرمایا: "اسے زمین قبول نہیں کر رہی ہے کیونکہ اس نے خدا کی مخلوق پر خدا کا عذاب ڈھایا ہے۔" (کیونکہ جہنم کی آگ میں جلانا صرف خدا سے مخصوص ہے اور مخلوق کو حق نہیں ہے کہ وہ کسی مخلوق کو آگ میں جھونک ڈالے) پھر آپؑ نے فرمایا: "اس کی قبر میں تھوڑی سی خاک شفا رکھ دو۔" جب لوگوں نے ایسا کیا تو زمین ٹھہر گئی اور اس نے اسے قبول کر لیا۔(۲)

۱۔ خاک شفا رکھنے اور کھانے کے طریقے مفاتیح الجنان کے حاشیے اور کتاب سراج الشیعہ میں مرقوم ہیں۔

۲۔ مستند الشیعہ، کتاب الطہارۃ صفحہ ۲۰۲ و لئالی الاخبار صفحہ ۳۲۵ منقول از وسائل الشیعہ از علامہ در کتاب منتہی المطلب۔

ہو گیا تھا؟" وہ بولی: "میرے ہاتھ میں جو یہ تسبیح ہے میں نے اس کے ایک دانے سے تیرا علاج کیا تھا۔" میں نے پوچھا: "یہ تسبیح کس چیز کی ہے؟" وہ بولی: "امام حسینؑ کی قبر کی مٹی ہے۔" میں نے اس سے کہا: "اے رافضیہ تو قبر حسینؑ کی مٹی سے میرا علاج کرتی ہے؟" وہ عورت برہم ہو کر میرے پاس سے چلی گئی اور اسی وقت میرا مرض پلٹ آیا اور اتنا شدید ہو گیا کہ مجھے مرنے کا ڈر سا گیا۔"

نہایت تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ کھلم کھلا معجزہ دیکھنے کے بعد جس سے اسے ہدایت ملتی اور وہ سچ کو پہچانتا اور اس کی پیروی کرتا اس نے کس طرح اپنی گفتگو سے خاک پاک کی توہین کی۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اس توہین کے نتیجے میں خاک شفا کی برکتوں سے محروم اور سابقہ بیماری میں پھر مبتلا ہو گیا۔ بے شک "وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين الا خسارا۔"

خاک کی توہین ہلاک کر دیتی ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ نے اسی کتاب میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ موسیٰ بن عبدالعزیز نے بیان کیا تھا: "یوحنا نامی ایک عیسائی طبیب مجھے ملا اور بولا میں تجھے تیرے پیغبر کے حق اور تیرے دین کی قسم دیتا ہوں مجھے یہ بتا دے کہ وہ شخص کون ہے جس کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے لوگ ابن ہبیرہ کے محل کے نواح (کربلا) میں جاتے ہیں۔ کیا وہ تمہارے پیغمبر کا صحابی ہے؟"

میں نے کہا: "نہیں وہ امام حسینؑ ہمارے پیغمبرؐ کے نواسے ہیں۔ اب مجھے تو بتا کہ تو نے مجھ سے یہ کس لئے پوچھا؟"

اس نے کہا کہ اس کے بارے میں میرے پاس ایک عجیب و غریب خبر ہے:

"ہارون رشید کے ملازم شاپور نے ایک رات کو مجھے بلایا جب میں اس کے

خاک شفا سے میت تیار کرنا

قبر میں میت کے چہرے کے سامنے تھوڑی سی خاک شفا رکھ دینا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ میت کا حنوط کرتے وقت تھوڑی سی خاک شفا کافور میں ملادی جائے لیکن صرف اس کی پیشانی اور دونوں ہاتھوں پر لگائی جائے اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں کے انگوٹھوں پر صرف کافور لگائیں کیونکہ ان دونوں اعضاء پر خاک شفا لگانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔

ہر دکھ کی دوا

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے امالی میں اپنے مشائخ سے روایت کی ہے کہ محمد ازدی نے کہا: "میں مدینے کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور میرے برابر میں دو آدمی تھے ان میں سے ایک کے جسم پر سفر کا لباس تھا، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ خاک حسینؑ میں ہر دکھ کی دوا ہے۔ مجھے ایک بیماری ہو گئی تھی، میں نے کتنی ہی دوائیں کیں لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ آخر میرے دل میں موت کا ڈر بیٹھ گیا اور میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ میرے پاس کوفے کی رہنے والی ایک بڑھیا تھی۔ وہ میرے پاس اس وقت آئی جب میرے شدت سے درد ہو رہا تھا اور بولی: "میں دیکھتی ہوں کہ تیرا درد روزانہ بڑھ رہا ہے۔" میں نے کہا: "ہاں۔" وہ بولی: "تو کہے تو میں تیرا علاج کروں جو تیری بیماری دور ہو۔" میں نے کہا: "مجھے ایسے علاج کی سخت ضرورت ہے۔" پھر وہ ایک کٹورے میں پانی لے کر میرے پاس آئی، میں نے جیسے ہی وہ پانی پیا میں ایسا تندرست ہو گیا جیسے مجھے کبھی کوئی مرض ہی نہیں ہوا تھا، کئی مہینے بعد وہ عورت پھر میرے پاس آئی، اس کا نام سلمہ تھا۔ میں نے اس سے کہا: "میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں یہ بتا کہ وہ دوا کیا تھی جو تو نے مجھے دی تھی اور میں تندرست

پاس پہنچا تو وہ مجھے موسیٰ بن عیسیٰ کے گھر لے گیا جو خلیفہ کا رشتے دار تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر بے ہوش پڑا ہے اور اسکے سامنے ایک طشت تھا جس میں اسکی تمام آنتیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہارون نے انہیں دنوں اسے کوفے سے بلایا تھا۔ شاپور نے موسیٰ کے خاص نوکر سے پوچھا: "یہ میں اسے کس حالت میں دیکھ رہا ہوں؟"

اس نے کہا کہ: "اب سے ایک گھڑی پہلے یہ نہایت تندرست اور اچھی حالت میں تھا اور اپنے ہم نشینوں سے باتیں کر رہا تھا۔ وہاں بنی ہاشم میں سے بھی ایک شخص موجود تھا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی سخت بیماری ہو گئی تھی کہ میں نے بہتیرا علاج کرایا لیکن فائدہ نہیں ہوگا آخر میرے منشی نے مجھ سے کہا کہ حسینؑ کی مٹی منگوا کر اس سے علاج کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور میں ٹھیک ہو گیا۔"

موسیٰ نے پوچھا: "تیرے پاس کچھ مٹی بچی ہے؟"

اس نے کہا: "ہاں۔"

اس پر اس نے آدمی بھیج کر تھوڑی سی خاک شفا منگوالی۔ موسیٰ نے لے کر حقارت سے اپنے کولہوں میں لگالی۔ پھر فوراً ہی چلانے لگا: "النار النار" میرے آگ لگ گئی۔ طشت لاؤ۔"

لوگوں نے طشت لا کر رکھا یہ جو کچھ طشت میں ہے اسی کے کولہوں سے نکلا ہے۔ اس کے ہم نشین پریشان ہو گئے اور وہ محفل، محفل سوگ میں بدل گئی۔

شاپور نے مجھ سے کہا: "ذرا قریب آکر دیکھ تو کیا تو اس شخص کے علاج کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے؟"

میں نے ایک چراغ منگوایا اور طشت پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس کا جگر، تلی اور دل سب کچھ طشت میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے کہا: "حضرت

عیسیؑ کے سوا جو مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اس کا علاج تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔"

شاپور نے کہا: "تو ٹھیک کہتا ہے، لیکن یہیں رہ تاکہ یہ تو معلوم ہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

میں رات کو انہیں لوگوں کے پاس رہا صبح کے وقت وہ واصل جہنم ہو گیا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ یوحنا اپنے دین عیسوی کے باوجود مدتوں تک آتا رہا اور قبر حسینؑ کی زیارت کرتا رہا۔ آخر میں مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام بہت اچھا ثابت ہوا۔ بحار کی دسویں جلد کے آخر میں یہی حکایت نقل کی گئی ہے۔

سچا خواب

مرحوم حاجی میرزا حسین نوری نے کتاب دارالسلام میں لکھا ہے کہ میرا ایک بھائی والدہ کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کی نیچے کی جیب میں سید الشہداء علیہ السلام کی خاک کی ایک ٹکیا تھی۔ میری والدہ نے اسے تنبیہ کی اور کہا: "مٹی اس جیب میں رکھی ہے یہ بے ادبی ہے اس سے توہین ہوتی ہے ممکن ہے تیری ران کے نیچے آجائے اور ٹوٹ جائے۔" میرے بھائی نے کہا: "اب تک مٹی کی دو ٹکیاں میری رانوں کے نیچے آکر ٹوٹ چکی ہیں۔" اس کے بعد اس نے عہد کیا کہ اب وہ مٹی کی ٹکیا نیچے کی جیب میں نہیں رکھے گا۔

میرے والد نے جنہیں اس واقعے کی اطلاع نہیں تھی چند دن کے بعد عالم خواب میں یہ دیکھا کہ حضرت سید الشہداءؑ ان کے کتاب خانے میں تشریف لائے اور ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان پر بہت کچھ مہربانی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے بیٹوں کو بلائیں تاکہ میں انہیں انعام اور خلعت دوں۔ والد کے پانچ بیٹے تھے۔ انہوں نے سب کو بلایا اور وہ سب اس حجرے کے سامنے کھڑے ہو گئے جس میں حضرت تشریف

رکھتے تھے۔ حضرت کے قریب ہی کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت ان میں سے ایک ایک کو بلاتے جاتے تھے اور اسے خلعت کے طور پر ایک ایک کپڑا دیتے جاتے تھے جب میرے اس بھائی کی باری آئی جس نے خاک کی ٹکیا اپنی قبا کی نچلی جیب میں رکھی تھی تو حضرت نے اسے غصے کی نظر سے دیکھا اور میرے والد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس لڑکے نے میری قبر کی مٹی کی دو ٹکیاں اپنی ران کے نیچے رکھ کر توڑ دی ہیں۔ اسے حضرت نے دوسرے بھائیوں کی طرف حجرے میں نہیں بلایا اور اس کا خلعت بھی اسے نہیں دیا بلکہ اس کے لئے کشمیرے کا ایک ٹکڑا حجرے کے باہر پھینک دیا۔ میرے والد نے یہ خواب میری والدہ کے سامنے بیان کیا۔ والدہ نے اپنا اور میرے بھائی کا وہ قصہ ان سے بیان کیا تو والد کو اپنے سچے خواب پر بڑا تعجب ہوا۔

چونکہ اس کتاب کے مضامین حضرت سید الشہداءؑ کے مقدس نام پر ختم ہو گئے جو خدا کی وسیع رحمت ہیں اسی لئے آپ کی برکتوں سے امید ہے کہ خدا پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور مستقبل میں ان کی تکرار سے اپنے آپ کو بچانے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔

اے اللہ! ہمارے گزرے ہوئے گناہوں کو بخش دے اور ہماری باقی رہ جانے والی عمروں میں ہمیں گناہوں سے بچائے رکھ، حسینؑ ان کے بھائی، ان کے نانا، ان کے والد، ان کی والدہ، ان کے بیٹوں صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے طفیل اور تا حشر اللہ کی لعنت ہو ان کے دشمنوں پر۔

سوال و جواب

اس کتاب کی پہلی اشاعت کے بعد بعض لوگوں نے پوچھا تھا کہ کیا اور دوسرے گناہ جو اس کتاب میں نہیں گنائے گئے ہیں یقینی طور پر صغیرہ ہیں یا ان کے

کبیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے؟

کچھ اور لوگوں نے پوچھا تھا کہ جن گناہوں کا اس کتاب میں ذکر نہیں کیا گیا اسلام میں ان کے علاوہ دوسرے گناہ بھی ہیں یا نہیں؟

چونکہ یہ ممکن ہے کہ کچھ اور لوگ بھی یہ دونوں باتیں جاننا چاہتے ہوں اسی لئے اب کہ اس کتاب کی تیسری اشاعت کی تیاری ہو رہی ہے تو ان دونوں سوالوں کا مشرح جواب دیا جاتا ہے۔

ہمارے اور بھی گناہ ہیں

جاننا چاہیے کہ اسلام کے فقہاء رضوان اللہ علیہم نے تمام واجبات اور محرمات کو (مستحبات اور مکروہات کے علاوہ) عبادات (یعنی طہارت، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، خمس، امر بہ معروف، نہی از منکر، جہاد) کی کتابوں میں، معاملات مثلاً فروخت اور ٹھیکے کے ابواب میں اور یک جانبہ فرائض شرعی جیسے طلاق میں حدود اور دیت (خوں بہا) تک تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

شیخ حر عاملی علیہ الرحمہ نے کتاب بدایہ والنہایہ میں کتاب طہارت کے واجبات اور محرمات دیات تک بیان کر دیے ہیں اور کتاب کے آخر میں کہتے ہیں کہ اس کتاب میں جمع کیے ہوئے تمام واجبات کی تعداد ایک ہزار پانچ سو پینتیس اور محرمات کی تعداد ایک ہزار چار سو اڑتالیس ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب میں جتنے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان گناہوں کے مقابلے میں جن کا ذکر نہیں کیا گیا دسویں حصے سے بھی کم ہیں۔

دوسرے گناہوں کا کبیرہ ہونا بھی ممکن ہے

اس کتاب میں جتنے گناہان کبیرہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تعداد تک محدود

رہنے کے بارے میں ہم کتاب کے شروع ہی میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ان گناہوں کی شرح کرنا مقصود تھا جن کا کبیرہ ہونا مسلم اور قطعی ہے۔ یہ مراد نہیں تھی کہ گناہان کبیرہ صرف انہیں تک محدود ہیں۔ چنانچہ دوسرے گناہ جن کا اس کتاب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے غیر واضح اور شک کی حالت میں باقی ہیں یعنی جس طرح ان کا صغیرہ ہونا ممکن ہے اسی طرح وہ کبیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔

گناہان کبیرہ کے غیر واضح ہونے سے شارع اسلام کا یہ مقصد کہ ہر گناہ، گناہ کبیرہ ہونے کے اندیشے سے ترک کر دیا جائے اس بیان سے حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض قطعی گناہ کبیرہ کی تمام قسمیں مسلم ہیں جیسے شرک اور بعض قطعی گناہ کبیرہ کی کچھ قسمیں اور کچھ دوسرے گناہ مشکوک ہیں جیسے جھوٹ جس کی تشریح اس کتاب میں کی جا چکی ہے۔

چونکہ گناہان کبیرہ کا جاننا ہر مسلمان پر واجب ہے تاکہ وہ ان سے بچ سکے اور اسی طرح تمام محرمات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو ان میں پھنس جائے اس لئے جن گناہوں کا کبیرہ ہونا مسلم ہے اور جن کا اس کتاب میں نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے ان کی فہرست دی جاتی ہے اور ان کے بعد دوسرے محرمات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں لوگ عموماً مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قطعی کبیرہ گناہوں کی فہرست

(۱) شرک اور ریاکاری
(۲) خدا کی رحمت سے مایوسی
(۳) خدا سے ناامیدی اور بدگمانی
(۴) خدا کے پوشیدہ قہر سے نہ ڈرنا
(۵) انسان کا قتل
(۶) والدین کی نافرمانی
(۷) رشتے داری کا خیال نہ کرنا
(۸) یتیم کا مال کھانا

(۹) سود کھانا — (۱۰) زنا

(۱۱) اغلام (لونڈے بازی) — (۱۲) بہتان

(۱۳) شراب پینے کی عادت — (۱۴) جوا کھیلنا

(۱۵) موسیقی کے آلات بجانا — (۱۶) گانا

(۱۷) جھوٹ — (۱۸) جھوٹی قسم

(۱۹) جھوٹی گواہی — (۲۰) گواہی نہ دینا

(۲۱) وعدہ خلافی — (۲۲) امانت میں خیانت

(۲۳) چوری — (۲۴) کم تولنا

(۲۵) حرام کھانا — (۲۶) حقوق مار لینا

(۲۷) جہاد سے بھاگنا — (۲۸) تعرب بعد الہجرت

(۲۹) ظالموں کی مدد — (۳۰) مظلوموں کی مدد نہ کرنا

(۳۱) جادو — (۳۲) فضول خرچی

(۳۳) اکڑنا — (۳۴) مسلمانوں سے لڑائی

(۳۵) مردار کھانا اور سور کا گوشت کھانا — (۳۶) جان بوجھ کر نماز چھوڑنا

(۳۷) زکوٰۃ نہ دینا — (۳۸) حج کا مذاق اڑانا

(۳۹) گناہ پر قائم رہنا اور اسے چھوٹا سمجھنا — (۴۰) وصیت میں ناانصافی

(۴۱) غیبت کرنا — (۴۲) چغل خوری

(۴۳) مؤمن کا مذاق اڑانا — (۴۴) برا بھلا کہنا اور طعنے دینا

(۴۵) مؤمن کو ذلیل کرنا — (۴۶) مؤمن کو جھڑکنا اور بدنام کرنا

(۴۷) نظم یا نثر میں مؤمن کی ہجو کرنا — (۴۸) مؤمن کو ایذا پہنچانا

(۴۹) پڑوسی کو تکلیف دینا (۵۰) دھوکے بازی

(۵۱) زبان کے نیچے زبان رکھنا یا منافقت (۵۲) ذخیرہ اندوزی

(۵۳) حسد (۵۴) مؤمن کی دشمنی

(۵۵) دلالی اور اپنی بیوی کو زنا پر آمادہ کرنا (۵۶) منی خارج کرنا

(۵۷) بدعت (۵۸) ناروا حکم

(۵۹) حرام مہینے میں لڑائی (۶۰) نیک کام سے روکنا

(۶۱) احسان فراموشی یا ناشکرا پن (۶۲) فتنہ اٹھانا

(۶۳) کافروں کے ہاتھ ہتھیار بیچنا (۶۴) بہتان اور بدگمانی

(۶۵) قرآن کی توہین (۶۶) کعبے کی توہین

(۶۷) مسجدوں کی توہین (۶۸) مزاروں اور خاک شفا کی توہین

(۶۹) مساحقہ (عورتوں کا ایک دوسرے سے بد فعلی کرنا)

(۷۰) کوئی واجب (رمضان کے مہینے کا روزہ، جہاد، امر بہ معروف اور نہی از منکر، تولا، تبرا) ترک کرنا۔

ان گناہوں کی فہرست جن کے کبیرہ ہونے کا شک ہے

(۱) نجس ہو جانے والی چیز کھانا یا پینا۔

(۲) عقل و شعور والے کے سامنے شرمگاہ کھولنا۔

(۳) دوسرے ہم جنس یا غیر ہم جنس کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا (عورت عورت پر یا مرد پر اور مرد مرد پر بجز میاں بیوی کے)۔

(۴) پیشاب کرتے یا پاخانہ پھرنے میں قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا۔

(۵) حیض، نفاس یا جنابت کی حالت میں مسجد میں رکنا۔

(۶) مردوں کے لئے خالص ریشمی لباس اور سونا چاہے انگوٹھی ہی ہو۔

(۷) مردوں کا عورت اور عورتوں کا مرد بننا یعنی مردوں کا زنانی اور عورتوں کا مردانی شکل اختیار کرنا۔

(۸) دوسرے پر شہوت کی نظر ڈالنا چاہے مرد ہو یا عورت (بجز میاں بیوی کے)

(۹) دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس کا خط پڑھنا۔

(۱۰) دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس کے گھر میں جھانکنا۔

(۱۱) بھٹکانے والے رسالے اور کتابیں رکھنا (ان کا تلف کر دینا واجب ہے)۔

(۱۲) بت تراشی۔

(۱۳) اجنبی کا بدن چھونا۔

(۱۴) تقیے کے بغیر ظالم کی تعریف کرنا اور اس کی تعریف کرنا جو تعریف کے قابل نہیں ہے اور اس کی برائی کرنا جو ملامت کے قابل نہیں ہے۔

(۱۵) گناہ کی محفل میں ٹھہرنا۔

(۱۶) سونے چاندی کے برتن کام میں لانا۔

(۱۷) مسلمانوں کی نماز جماعت میں مخالفت کی وجہ سے شریک نہ ہونا (بلکہ کچھ فقیہوں نے تو اسے صاف صاف گناہ کبیرہ بتایا ہے اس دلیل سے کہ ایسے شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی)۔

(۱۸) وہ محرمات جو طہارت، صلوٰۃ، صوم کے ابواب اور عملی رسالوں میں بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ وضو، غسل، تیمم اور نماز، روزہ، حج، خمس اور زکوۃ کے واجبات ادا کرنے میں غفلت اور سستی برتنا حرام ہے۔

جو محرمات خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ، غصب وغیرہ کے معاملات کے

سلسلے میں بیان ہوئے ہیں وہ بھی جان لینا چاہئیں تاکہ انہیں ترک کردیا جائے یہاں تک کہ کوئی کسی سے کوئی چیز لیلے اور اس کا مالک شرم اور مجبوری سے اجازت بھی دیدے تو بھی اس کو کام میں لانا حرام ہے کیونکہ وہ غصب کرنے یعنی مار لینے کے برابر ہے۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ غصب (مال مارنا) جاری رہنے والا گناہ ہے یعنی جس وقت بھی کوئی کسی مالک کو اس کی چیز واپس کرسکتا ہو اور واپس نہ کرے تو ہر گھڑی وہ گناہ تازہ ہوتا رہے گا۔

اسی طرح نکاح اور طلاق کے محرمات کا علم بھی ہونا چاہئے اور انہیں ترک کرنا چاہئے اور کھانے پینے کے بارے میں بھی محرمات کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ انہیں ترک کیا جاسکے۔ چونکہ ان کا تشریح شدہ بیان عملی رسالوں میں آچکا ہے اس لئے انہیں دہرانے سے گریز کیا جاتا ہے۔

پہلا حصہ - توبہ

یا ایھا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃً نصوحاً

سوجھ بوجھ رکھنے والوں پر یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ توبہ خدا کے ایک بڑے فضل کا شعبہ ہے اور خدا کی رحیمی کا ایک دروازہ ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے کھول رکھا ہے۔ اگر یہ دروازہ بند ہوتا تو پھر کسی کو نجات میسر نہ آتی کیونکہ انسانی فطرت سے گناہ اور خطا اس طرح وابستہ ہیں کہ ہر انسان اپنے جارحہ اور جانحہ (اعضاء اور دل کے) اعمال کے مطابق طرح طرح کے مخمصوں اور گندگیوں اور کثافتوں میں مبتلا ہوگا بجز اس مقدار کے جس سے خدا نے اسے محفوظ ما ہوگا۔

غرض یہ ہے کہ جو انسان اپنے آپ کو طرح طرح کی خطاؤں اور گناہوں سے بچا سکتا ہے اور اپنی ابتدائی فطرت کی پاکیزگی قائم رکھ سکتا ہے وہ ایسا کر نہیں پائے گا۔ بہت سے پیغمبر بھی ایسا کر نہیں پائے (البتہ پیغمبروں کی غلطی دوسروں کی غلطی سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا جائے گا) اسی لئے دانا اور رحم والے خدا نے توبہ کو روحانی دکھوں کی دوا، دل کی بیماریوں کا علاج اور طرح طرح کے گناہوں سے پاک کرنے والا بنایا ہے تاکہ انسان گناہ میں پھنسنے کے بعد توبہ کی برکت سے پاک ہو کر نجات حاصل کر سکے۔

وہ شخص خوش قسمت ہے جو خدا کی اس رحمت کی قدر کر کے اس سے فائدہ

اٹھاتا ہے اور اللہ کی اس مہربانی کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح بدبخت وہ شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت کا یہ دروازہ صرف اتمام حجت ہی بنا ہو یعنی قیامت کے دن جب انسان اپنے اعمال کے حساب اور پوچھ گچھ کے مقام پر کھڑے ہو کر یہ عذر کرے گا کہ اے پروردگار! میں انجان تھا، جذبات کا غلام تھا، لالچ میں گرفتار تھا اور شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھا تو اس کی ان تمام معذرتوں اور صفائیوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تیرے لئے توبہ کا دروازہ نہیں کھول دیا تھا؟ تجھ پر کون سی سختی کی گئی تھی، کیا ہم نے تجھے تیرے طاقت سے زیادہ تکلیف (ذمے داری) دی تھی؟ کیا ہم نے تیرے لئے سخت اور تیری طاقت سے باہر شرطیں اور پابندیاں لگائی تھیں؟ (دعائے ابو حمزہ ثمالی)

اس مقام پر توبہ سے متعلق چند اہم باتیں بیان کی جاتی ہیں:

توبہ کی اصلیت

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: "گناہ پر شرمندگی توبہ ہے۔" (وسائل الشیعہ)

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا ہے: "توبہ کے لئے شرمندگی اور پچھتاوا ہی کافی ہے۔" (کافی)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جو بندہ گناہ کر کے شرمندہ ہو جاتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے ہی معاف کر دیتا ہے۔" (کافی)

اس لئے توبہ گناہ کا پچھتاوا ہے کیونکہ گناہ خدا کے نزدیک برا اور اس کی مرضی کے خلاف کام ہوتا ہے مثلاً وہ غلام جو اپنے آقا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس کا آقا اسے دیکھ رہا ہے جب یہ جان لیتا ہے کہ آقا نے اسے دیکھ لیا ہے تو وہ اپنے کیے پر سخت شرمسار ہوتا ہے۔

مثلاً وہ تاجر جو کوئی کاروبار کرتا ہے اور اس میں اپنی پوری پونجی لگا دیتا ہے پھر بھی بہت زیادہ مقروض ہو جاتا ہے اس کاروبار پر کس قدر شرمندہ ہوتا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ اس کے کسی عقلمند دوست نے اسے پہلے ہی اس کاروبار سے منع کر دیا ہو۔

مثلاً وہ شخص جسے حکیم نے کسی غذا کے نقصانات سے آگاہ کر دیا ہو اس غذا کے کھانے اور نقصان میں مبتلا ہونے کے بعد اپنے کیے پر کس قدر شرمندہ ہو گا۔

شرمندگی گناہ ترک کروادیتی ہے

بے شک خدا اور قیامت پر ایمان اور پیغمبر اور امام کی حدیثوں کی تصدیق جتنی زیادہ ہو گی اپنے کیے ہوئے گناہ پر اتنی ہی زیادہ شرمندگی اور اس کی اندرونی آگ اتنی زیادہ سخت اور تیز ہو گی۔ چنانچہ گناہ پر پچھتاوے کا لازمی نتیجہ آئندہ کے لیے اس گناہ کے ترک کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اور جو اس گناہ کے ترک کرنے کا ارادہ نہ ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان حقیقت میں ابھی اس گناہ پر نہیں پچھتایا۔

حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں: "بلاشبہ گناہ پر پچھتاوا کرنے سے وہ گناہ چھوٹ جاتا ہے۔" (وسائل الشیعہ)

گناہ پر پچھتاوے کا لازمہ اس کی درستی و اصلاح کی کوشش بھی ہوتی ہے یعنی اگر وہ حق اللہ کا گناہ ہوا ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ چھوٹ گیا ہو تو ان کی قضا بجالائے اور اگر حق الناس کا گناہ ہوا ہے یعنی مالی حق ہے تو اسے اس کے مالک کو لوٹا دے اگر مالک مر گیا ہو تو اس کے وارثوں کو دیدے اور اگر انہیں نہیں جانتا یا نہیں پہچانتا تو اس کے مالک کی طرف سے خیرات کر دے۔(۱) اگر آبرو کا حق ہے تو فریق

۱۔ صحیفے کا شارح دعا نمبر ۳۱ کی شرح میں لکھتا ہے کہ جب کوئی اپنا قرض واد (بقیہ اگلے صفحے پر)

ثانی کو اپنے آپ سے راضی کرے یعنی منائے۔ اگر قصاص یا دیت کا حق ہے تو اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کردے کہ وہ چاہے تو قصاص لے یا دیت لیلے یا معاف کردے اور اگر حد کا حق ہو مثلاً بہتان ہو تو حقدار کے آگے اپنے آپ کو پیش کردے کہ وہ چاہے تو حد قائم کردے یا معاف کردے۔

جن گناہوں کی خدا نے حد مقرر کردی ہے جیسے زنا تو یہ واجب نہیں ہے کہ حاکم شرع کے سامنے اس کا اقرار ہی کرے جو اس پر حد جاری کرے بلکہ گناہ پر شرمندگی، آئندہ کے لئے اسے ترک کرنے کی نیت اور استغفار کی کوشش ہی کافی ہے جیسے گانا اور موسیقی سننے کا گناہ کبیرہ جس کی کوئی حد ہی مقرر نہیں ہے۔

واضح رہے کہ جس پر دنیا میں حد جاری ہو جائے گی آخرت میں اسے قطعی کوئی سزا نہیں ملے گی اور اگر صرف توبہ پر قناعت کی جائے گی تو توبہ کے قبول ہونے اور سزا کے ساقط ہونے میں وہ خوف اور امید کے درمیان رہے گا۔

آیتوں اور روایتوں سے ظاہر ہے کہ شرمندگی کے بعد استغفار واجب ہے یعنی خدا سے بخشش کی دعا کرے۔ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۹۶، وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۸۳)

کامل توبہ یعنی پوری توبہ

ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنینؑ کے سامنے استغفر اللہ کہا تو آپ نے فرمایا: "تیری ماں تجھے روئے تو جانتا بھی ہے کہ استغفار کسے کہتے ہیں؟" (کیونکہ اس

گزشتہ سے پیوستہ

کرپائے تو قیامت میں اس کا مستحق قرض خواہ ہوگا یا اس کے وارث؟ اس کے متعلق تین قول ہیں قرض خواہ، آخری وارث اور خداوند تعالیٰ لیکن قول اول واضح ہے (حضرت امام صادقؑ کی صحیح روایت ہے)۔

نے صرف زبان سے استغفار کیا تھا اور دل اس کی حقیقت سے خالی تھا) پھر فرمایا:

"استغفار دنیا کے بلند مقام لوگوں اور صدر نشینوں کا درجہ ہے اور استغفار کے معنوں میں چھ باتیں ضروری ہیں:

۱۔ کئے ہوئے کام پر پچھتاوا۔

۲۔ ہمیشہ کے لئے اسے ترک کر دینے کا ارادہ۔

۳۔ لوگوں کے حقوق اسطرح ادا کرنا کہ مرتے وقت پاک ہو اور خدا (کی رحمت) سے اسطرح ملاقات کرے کہ کسی کا حق اسکے ذمے واجب نہ ہو۔

۴۔ اس نے جو واجب کھو دیا ہے اس کی تلافی کرے۔

۵۔ اس کے بدن کا جو گوشت حرام سے بنا ہے آخرت کا غم کھا کھا کر اسے تحلیل کرے جس سے اس میں چمڑا اور ہڈیاں ہی رہ جائیں اور پھر نیا گوشت اس کے بدن میں پیدا ہو۔

۶۔ اپنے جسم کو عبادت کی تکلیف کا مزہ چکھائے جس طرح اسے گناہ کی خوشی اور مٹھاس چکھائی ہے۔

جس وقت تجھ میں یہ چیزیں پیدا ہو جائیں اس وقت تو کہہ سکتا ہے استغفر اللہ۔" (نہج البلاغہ۔ وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۸۵)

توبہ کا واجب ہونا اور اس کی خوبی

گناہوں سے توبہ چاہے وہ کبیرہ ہوں چاہے صغیرہ تمام علماء کے اتفاق رائے اور عقل کی رو سے واجب ہے۔ چنانچہ محقق طبری نے تجرید الکلام میں اور علامہ حلی نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ توبہ سے نقصان دور ہوتا ہے اور نقصان دور ہونا بھی عقل کی رو سے واجب ہے اس لئے توبہ عقل کی رو سے واجب ہے۔ قرآن مجید میں

خداوند عالم فرماتا ہے: "تم سب توبہ کرو اور اپنے خدا کی طرف رجوع کرو تاکہ نجات پاؤ۔" (سورۃ نور آیت ۳۱) اور یہ بھی فرماتا ہے: "اے وہ لوگو! جو خدا پر ایمان لائے ہو توبہ کرو اور خدا کی طرف خالصتاً رجوع کرو (صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر) امید ہے کہ خدا تمہارے گناہوں کی تلافی فرمادے گا۔" (سورۃ تحریم آیت ۸)

توبۂ نصوح کونسی توبہ ہوتی ہے؟

مجلسی علیہ الرحمہ نے کافی کی شرح میں توبہء نصوح کے معنی کے سلسلے میں مفسرین کی کچھ توجیہات نقل کی ہیں:

۱۔ خدا کی خوشنودی کی خاطر خالص اور پاک توبہ یعنی گناہ سے دوزخ کے ڈر سے یا بہشت کے لالچ میں نہیں بلکہ اس وجہ سے شرمندہ ہوا کہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ محقق طوسی نے (تجرید الکلام میں) فرمایا ہے کہ دوزخ کے ڈر سے گناہ پر شرمندگی توبہ نہیں ہے۔

۲۔ سبق آموز توبہ جو لوگوں میں بھی اس جیسا بننے کا شوق پیدا کرے یعنی اس طرح توبہ کرے اور اپنے ماضی کو درست بنائے کہ ہر گناہگار اس کی توبہ کے اثرات اور نتائج دیکھ لے، توبہ پر مائل ہو اور وہ بھی اہل توبہ میں شامل ہو جائے جس نے اس حال میں اپنے عمل سے دوسروں کو نصیحت کر کے توبہ کرنے کا راستہ دکھایا ہے۔

یا یہ کہ توبہ، توبہ کرنے والے کے لئے اس طرح نصیحت آموز ہو کہ وہ ہر گناہ سے دور ہو جائے اور آخر عمر تک کسی گناہ کے پاس نہ پھٹکے۔

۳۔ رفو کرنے والی توبہ (نصیحت سے بمعنی سلائی کرنے والی ہو) یعنی ایسی توبہ جس سے ایمانداری کا وہ پردہ سل جائے جو پھٹ گیا ہے اور توبہ کرنے والے کو اولیائے خدا اور اس کے دوستوں کے ساتھ گھیر لے۔

۴۔ نصوح توبہ کرنے والے کی صفت ہو سکتی ہے یعنی ایسے شخص کی توبہ جو اس توبہ سے اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہو۔ وہ ایسی مکمل توبہ کرے جو دل سے گناہ کی جڑیں تک اکھاڑ ڈالے اس طرح کہ اپنے آپ کو ریاضت کی کٹھالی میں پگھلا کر پانی بنا دے اور اس پانی سے گناہوں کی سیاہی دھو ڈالے اور پھر دل کو نیکیوں کے عکسوں سے سجالے۔

آخر میں آپ فرماتے ہیں: ''ایک بڑے آدمی نے کہا ہے کہ آئینے کو چمکانے کے لئے صرف سانس اور کالے دھوئیں کا روکنا کافی نہیں ہے بلکہ اسے صیقل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اس کے جسم پر جو سیاہی بیٹھی ہوئی ہو وہ دور ہو جائے اور دل بھی آئینے کی طرح ہے جو صرف گناہ ترک کرنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ پچھلے گناہوں کا جو جرم اس پر بیٹھ گیا ہے اسے بھی دور کرنا چاہئے اور عبادت کی روشنی سے چمکانا چاہئے کیونکہ جس طرح ہر کئے ہوئے گناہ سے دل میں اندھیرا اتر آتا ہے اسی طرح ہر عبادت سے دل میں اجالا پھیلتا ہے اسی لئے ہر گناہ کے اندھیرے کو جو دل میں اتر چکا ہے عبادت کی روشنی سے جو اس کی ضد ہے دور کرنا چاہئے۔

توبہ کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے گناہوں پر ایک ایک کر کے دھیان دے اور ہر شر کے جواب میں جو اس سے سرزد ہوا ہے اسی مقدار کی ایک ایک نیکی بجالائے۔ مثلاً گانا بجانا سننے کے گناہ کے مقابلے میں قرآن، حدیث، اور دینی مسائل سنے، بے طہارت قرآن مجید کی تحریر چھونے کے جواب میں قرآن کے احترام کی کوشش اور اس کی تلاوت کرے، حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہرنے کے مقابلے میں اعتکاف کرے، حرام پر نظر ڈالنے کے جواب میں ایسی چیزیں دیکھے جنہیں دیکھنا عبادت ہے جیسے قرآن مجید کی تحریر پر نظر ڈالنا، والدین کو محبت سے دیکھنا، سادات کی نسل سے تعلق رکھنے والے صالح لوگوں اور عترت رسول وغیرہ پر نظر ڈالنا۔

لوگوں کے حقوق میں بہت سی توبہ کرنے کے بعد اپنے مال سے صدقہ دے اور اگر غیبت کی ہے تو توبہ کے بعد اس مؤمن کی کافی تعریف کرے اور اس کی خوبیاں واضح اور ظاہر کرے۔ غرض یہ کہ ہر گناہ سے توبہ کے بعد وہ عبادت بجالائے جو اس گناہ کی ضد ہے جس طرح جسمانی فطرت بیماریوں کا انکی ضد سے علاج کرتی ہے۔

توبہ کی فضیلت

۱۔ خدا کا پیارا ہونا۔ خدا سورۃ البقرۃ میں فرماتا ہے: "بے شک خدا بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (آیت ۲۲۲)

حضرت امام صادق فرماتے ہیں: "خدا اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنی کھوئی ہوئی چیز پاکر خوش ہوتا ہے۔" (کافی)

۲۔ گناہ کی نیکی میں تبدیلی۔ توبہ سے نہ صرف گناہ کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے بلکہ اس کی جگہ عبادت کی روشنی پھیل جاتی ہے جیسا کہ خدا سورۃ فرقان میں فرماتا ہے: "اور جو لوگ خدا کے ساتھ اور کسی معبود کو نہیں پکارتے، جس جاندار کے مار ڈالنے کو خدا نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ آپ اپنے گناہ کی سزا بھگتے گا، قیامت کے دن اس کے لئے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا مگر ہاں جس شخص نے توبہ کی، ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے تو البتہ ان لوگوں کی برائیوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔" (آیات ۶۸ تا ۷۰)

۳۔ فرشتے اس کی تعریف اور اس کیلئے دعا کرینگے۔ خدا سورۃ مؤمن

میں فرماتا ہے: "جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اسکے گرداگرد تعینات ہیں سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کیلئے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے، تو جن لوگوں نے سچے دل سے توبہ کرلی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور انکو جہنم کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے پالنے والے! ان کو سدابہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل فرما اور ان کے باپ داداؤں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیک ہوں ان کو بخش دے۔ بیشک تو ہی زبردست اور حکمت والا ہے ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے اور ان کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے اس دن (قیامت) کے عذابوں سے بچالیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔" (آیات ۷ تا ۹)

۴۔ توبہ کرنے والا جنتی ہے۔ خدا سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے: "جو لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور پھر خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور سوائے خدا کے گناہوں کا بخشنے والا کون ہو سکتا ہے اور انہوں نے جو گناہ کئے ہیں ان پر اصرار نہیں کرتے جب کہ وہ سمجھدار ہو گئے ہیں۔ ان کا انعام انکے پروردگار کی طرف سے ان کی بخشش ہے اور ایسے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور خدا کے لئے کام کرنے والوں کی جزا کتنی اچھی ہے۔" (آیات ۱۳۵ و ۱۳۶)

۵۔ توبہ سے عمر بڑھتی اور عیش و آرام میں اضافہ ہوتا ہے۔ سورۃ ہود کی تیسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے: "اور اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا مانگو پھر اس کی بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کرو وہی تمہیں ایک مقررہ مدت تک اچھے لطف

کے فائدے اٹھانے دے گا۔"

حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے: "کچھ لوگوں کی عمر ان کے گناہوں کی وجہ سے گھٹ جاتی ہے اور وہ مر جاتے ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جو اپنے مقررہ وقت پر مرتے ہیں۔" (سفینۃ البحار جلد اور صفحہ ۴۸۸)

غرض جس طرح گناہ عمر گھٹاتا ہے اسی طرح توبہ عمر بڑھاتی ہے۔

خدا سورۃ نوح میں فرماتا ہے: "اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے اور تم پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے گا اور مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ یعنی تمہارا مال اور اولاد بڑھائے گا۔" (آیت ۱۰ تا ۱۲)

۶۔ توبہ سے دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت سجادؑ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے بال بچوں کو ایک کشتی پر سوار کرا دیا۔ آگے چل کر کشتی ٹوٹ گئی اور جو لوگ کشتی پر سوار تھے ان میں سے اس کی بیوی کے سوا کوئی نہیں بچا۔ وہ عورت کشتی کے ایک تختے پر بیٹھی تھی۔ موجیں اسے بہا کر ایک جزیرے کو لے گئیں۔ اس جزیرے میں ایک لٹیرا رہتا تھا جو ہر قسم کا نامناسب کام کر چکا تھا اور خدا کی منع کی ہوئی تمام باتوں پر عمل کر چکا تھا۔ اس نے اچانک اس عورت کو اپنے سرہانے کھڑا دیکھا۔ اس نے سر اٹھا کر کہا: "تو انسان کی بچی ہے یا پری؟" اس نے کہا: "میں انسان کی بچی ہوں۔" اس نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور اس کی دونوں رانوں کے بیچ میں اس طرح بیٹھ گیا جس طرح شوہر اپنی بیوی کی رانوں کے درمیان بیٹھ جاتا ہے۔ جب اس نے زنا کا ارادہ کیا تو وہ عورت کانپنے لگی۔ لٹیرے نے پوچھا: "کیوں کانپ رہی ہے؟" اس نے جواب دیا: "خدا سے ڈرتی ہوں۔" اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس مرد نے پوچھا: "کیا تو نے اب تک یہ کام کیا ہے؟" اس نے کہا: "نہیں بخدا۔" لٹیرا بولا: "تو

اب بھی خدا سے اس قدر ڈرتی ہے حالانکہ تو نے ایسا کام کبھی نہیں کیا اور میں نے اب آکر تجھے اس پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میں ہی تیرے اس ڈر کا سبب ہوں۔" پھر وہ شرمندہ ہوا اور اس عورت کو اس نے چھوئے بغیر جانے دیا اور اپنے اہل و عیال کی طرف چل دیا۔ اسے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور خدا سے دعا مانگنے کے سوا اور کوئی خیال نہیں رہا تھا۔ جب وہ جا رہا تھا تو راستے میں اسے ایک راہب مل گیا۔ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ دھوپ نے انہیں بہت پریشان کر دیا۔ راہب نے اس جوان سے کہا: "دعا کر کہ خدا ہم پر سایہ کر دے دھوپ ہمیں جلائے ڈالتی ہے۔" جوان بولا: "میں نے کوئی ایسی نیکی ہی نہیں کی ہے جو میں اس سے کچھ مانگنے کی جرأت کر سکوں۔" راہب بولا: "اچھا میں دعا کرتا ہوں تو آمین کہہ۔" وہ بولا: "بہت اچھا۔" راہب نے دعا مانگی اور اس جوان نے آمین کہی۔ اسی وقت ایک بادل نے ان پر سایہ ڈالا اور وہ اس کے سائے میں دن کے بیشتر حصے تک راستہ چلتے رہے یہاں تک کہ ان کے راستے جدا ہوئے۔ جوان ایک راہ پر چلا گیا اور راہب دوسرے راستے پر ہو لیا۔ یکایک وہ بادل اس جوان کے سر پر چلنے لگا۔ راہب بولا: "تو مجھ سے بہتر ہے۔ میری دعا تیری ہی وجہ سے قبول ہوئی میری وجہ سے قبول نہیں ہوئی، تو مجھے اپنا قصہ سنا۔" اس نے اس عورت کی بات بتائی۔ راہب نے اس سے کہا کہ تو نے جو ماضی میں گناہ کیے تھے وہ اس ڈر کی وجہ سے بخشے گئے جو تیرے دل میں اس وقت پیدا ہو گیا تھا۔ آئندہ خیال رکھنا کہ تو ایسا ہی رہے۔

۷۔ توبہ خدا قبول کرتا اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ خدا سورۃ شوریٰ میں فرماتا ہے: "اور وہی خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور ان کے برے کاموں کو معاف کرتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ جانتا ہے۔" (آیت ۲۵)

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ خدا نے حضرت داوٗدؑ سے فرمایا تھا: "اے داوٗد! گناہگاروں کو خوش خبری سناؤ اور سچوں کو ڈراؤ۔" انہوں نے عرض کیا: "میں گناہگاروں کو کس لئے خوش خبری سناؤں اور سچوں کو کیوں ڈراؤں؟" خدا نے فرمایا: "گناہگاروں کو یہ خوش خبری سناؤ کہ میں توبہ قبول کرتا ہوں اور گناہ بخش دیتا ہوں اور سچوں کو اس لئے ڈراؤ کہ ایسا نہ ہو وہ اپنے کارناموں پر فخر کرنے لگیں اور مغرور ہو جائیں کیونکہ میں جس بندے کا حساب کروں گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔" (کافی باب العُجب حدیث ۸)

۸۔ کسی کا گناہ کتنا ہی بڑا ہو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم سورۂ زمر میں فرماتا ہے: "اے محمدؐ کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا بے شک خدا تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا (چاہے صغیرہ ہوں چاہے کبیرہ اور چاہے حد سے زیادہ ہوں) وہ بے شک بڑا بخشنے والا اور بندوں پر مہربان ہے اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے فرماں بردار بن جاؤ اور جو کچھ تمہیں حکم دے اس کے سامنے گردن جھکا دو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہو کیونکہ پھر تمہاری مدد نہیں کی جاسکے گی۔" (آیات ۵۳ و ۵۴) یعنی اس عذاب کے دور کرنے میں کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ اس آیت میں توبہ کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

حضرت امام رضاؑ نے اپنے بعض اصحاب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "خدا اس شخص پر لعنت کرے جو علیؑ سے لڑا۔" اس پر حضرتؑ نے فرمایا: "یہ بھی کہو مگر اس شخص پر نہیں جس نے توبہ کر کے اپنے حالات سنوار لئے۔" پھر آپؑ نے فرمایا: "اس شخص کا گناہ جس نے علیؑ کی مدد نہیں کی اور اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوا اس

شخص کے گناہ سے بڑا ہے جو علی سے لڑا لیکن بعد میں شرمندہ ہوا اور جس نے اپنے گناہ سے توبہ کی۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۳۶ حدیث ۱۰)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا گناہ یعنی امام اور وصی پیغمبر سے جنگ کا گناہ بھی توبہ کرنے سے قابل بخشش ہو جاتا ہے۔(۱)

۹۔ توبہ توڑ ڈالنے سے ختم نہیں ہوتی۔ اگر توبہ کرنے والے نے اپنا وہ عہد توڑ دیا جو خدا سے کیا تھا اور پھر گناہ کر بیٹھا تو اس کی پچھلی توبہ ختم نہیں ہو گی واجب ہے کہ وہ اپنے نئے گناہ سے توبہ کرے۔ غرض یہ ہے کہ لالچ اور شیطانی غلبے سے انسان جب بھی توبہ توڑے اسے چاہئے کہ پھر نئے گناہ سے توبہ کرلے وہ بخش دیا جائے گا۔

محمد بن مسلم نے حضرت باقرؑ سے روایت ہے کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "اے محمد بن مسلم! مؤمن نے جن گناہوں سے توبہ کی وہ بخش دیئے گئے۔ اسے چاہئے کہ آئندہ وہ توبہ اور بخشش کے بعد اچھے اعمال کرے۔ خدا کی قسم یہ فضیلت صرف مؤمنوں سے مخصوص ہے۔"

۱۔

کسی روز محشر نہ گردد خجل	کہ شبہا بدرگہ برد سوز دل
اگر ہوشمندی زداور بخواہ	شب توبہ تقصیر روز گناہ
اگر بندہ ای دست حاجت برآر	و گر شرمسار آب حسرت ببار
نیا مو بدین درکسی عذر خواہ	کہ سیل ندامت نشستش گناہ

قیامت کے دن وہ شخص شرمندہ نہیں ہو گا جو راتوں کو خدا کی بارگاہ میں بے چین ہو کر آتا ہے۔
اگر تو سمجھدار ہے تو خدا سے گناہ کے دن کے بعد توبہ کی رات مانگ۔
اگر تو بندہ ہے تو ہاتھ اٹھا کر خدا سے حاجت طلب کر اور اگر شرمندہ ہے تو شرمندگی کے آنسو بہا۔
اس دروازے پر جو بھی معافی مانگنے آیا اس کی ندامت کے آنسوؤں نے اس کے گناہ دھو ڈالے۔

میں نے پوچھا: "اگر کسی نے توبہ اور گناہوں کی بخشش طلب کرنے کے بعد پھر گناہ کیا اور پھر توبہ کی تو؟" آپؑ نے جواب دیا: "اے محمد بن مسلم! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ مؤمن اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر اس کی معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہے اس پر بھی خدا اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا؟" میں نے کہا: "اس نے کتنی ہی بار ایسا کیا ہے کہ گناہ کرتا ہے اور خدا سے معافی مانگتا ہے۔" آپؑ نے فرمایا: "جس طرح مؤمن بخشش طلب کرنے اور توبہ کرنے پر پلٹ جاتا ہے اسی طرح خدا بھی اسے معاف کر دینے کی طرف پھر پلٹ آتا ہے۔ در حقیقت خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے۔ تو کہیں مؤمنوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کر دینا۔" (اصول کافی باب التوبہ حدیث ۶)

ابو بصیر کہتا ہے میں نے حضرت امام صادقؑ سے عرض کیا: "توبہ نصوح کے کیا معنی ہیں جس کا خدا نے حکم دیا ہے؟" آپؑ نے فرمایا: "وہ ایسے گناہ کی توبہ ہے جس کے پاس انسان پھر کبھی نہ پھٹکے۔" میں نے پوچھا: "ہم میں سے کون ہے جو پھر نہیں پلٹے گا؟" آپؑ نے فرمایا: "اے ابو محمد! در حقیقت خدا اپنے ان بندوں کو دوست رکھتا ہے جو زیادہ دھوکا کھاتے اور زیادہ توبہ کرتے ہیں۔"

آپؑ نے ایک اور حدیث میں فرمایا: "جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس نے گناہ کر کے توبہ کر لی ہے۔" (کافی باب التوحید حدیث ۴)

۱۰۔ **مرتے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔** حضرت امام باقرؑ نے فرمایا ہے کہ آدمؑ نے عرض کیا: "اے پروردگار! تو نے شیطان کو مجھ پر مسلط کر دیا ہے تو میرے لئے بھی تو کوئی چیز طے کر۔" خدا نے جواب دیا: "اے آدمؑ! میں نے تیری خاطر یہ طے کر دیا ہے کہ تیری اولاد میں سے جو کوئی گناہ کا ارادہ کرے تو اس کے نام

پر کچھ نہ لکھا جائے اور اگر اس نے گناہ کیا تو اس کے نام ایک گناہ لکھا جائے اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے نام ایک نیکی لکھی جائے اور اگر وہ کوئی نیکی کرے تو اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھی جائیں۔" آدمؑ نے عرض کیا: "اے پروردگار! میری خاطر اس میں کچھ اضافہ فرما۔" خدا نے فرمایا: "میں نے تیری خاطر یہ طے کر دیا کہ جس نے گناہ کیا اور اس کے بعد معافی مانگی تو میں اسے بخش دوں گا۔" آدمؑ نے عرض کیا: "اے پروردگار! میری خاطر کچھ اور اضافہ کر۔" خدا نے فرمایا: "میں نے ان کے لئے اس وقت تک توبہ کر لینے کی اجازت دے دی ہے جب تک ان کی سانس یہاں (گلے) تک پہنچے۔" آدمؑ نے عرض کیا: "اے پروردگار! میرے لئے اتنا کافی ہے۔" (کافی باب التوبہ)

رسول خداؐ نے فرمایا ہے: "جو کوئی اپنی موت سے ایک سال پہلے تک توبہ کرلے گا خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا۔" اس کے بعد فرمایا: "ایک سال بھی بہت ہے جو کوئی مرنے سے ایک مہینہ پہلے تک توبہ کرلے گا خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا۔" اس کے بعد فرمایا: "ایک مہینہ بھی بہت ہے۔ جو کوئی مرنے سے ایک ہفتہ پہلے تک توبہ کرلے گا خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا۔" اس کے بعد فرمایا: "ایک ہفتہ بھی بہت ہے۔ جو کوئی مرنے سے ایک دن پہلے بھی توبہ کرلے گا خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا۔" اس کے بعد فرمایا: "ایک دن بھی بہت ہے۔ جو کوئی آخرت (اور ملک الموت) کے دیدار سے پہلے پہلے توبہ کریگا خدا اس کی توبہ قبول کریگا۔" (کافی باب التوبہ)

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس حدیث میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ توبہ کے درجات کا بیان غالباً اس کی مقبولیت اور کمال کے لحاظ سے کیا گیا ہے کیونکہ توبہ کاملہ جو دل سے گناہوں کی سیاہی دور کرتی ہے، اس کی تلافی کرتی ہے اور دل کو طرح

طرح کے رونے گڑگڑانے اور نیکیوں سے روشن کرتی ہے غالباً ایک سال سے کم عرصے میں حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر ایک سال نہیں ہوا تو پھر کم سے کم ایک مہینہ اور اگر وہ بھی نہیں ہوا تو کم سے کم ایک ہفتہ غرض اسی طرح اور ملک الموت کے دیدار کے وقت سے مراد جیسا کہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے توبہ سے اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ شیخ بہائی اربعین میں فرماتے ہیں: "اس سے مراد ملک الموت کا دیدار ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے اپنی موت کا علم اور زندگی کی ہوس کا ختم ہو جانا مراد ہو یعنی موت کو دیکھنا یا پیغمبرؐ اور ائمہ اطہارؑ کا دیدار مراد ہو۔ غرض یہ ہے کہ موت کا یقین ہو جانے پر توبہ کرنا علماء کے اجماع کے مطابق بے فائدہ ہے۔ قرآن مجید میں صاف صاف لکھا ہوا ہے: "اور توبہ ان لوگوں کے لئے مفید نہیں ہے جو عمر بھر تو برے کام کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت کھڑی ہوئی تو کہنے لگا کہ اب میں نے توبہ کی اور اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی توبہ مفید نہیں ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر گئے ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہم نے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔" (سورۃ نساء آیت ۱۸)

"بے شک خدا کی بارگاہ میں توبہ تو صرف انہیں لوگوں کی ٹھیک ہے اور قابل قبول ہے جو نادانستہ بری حرکت کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں اور خدا کی اطاعت کی طرف پلٹ آتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ خدا قبول کر لیتا ہے اور خدا تو بڑا جاننے والا اور حکیم ہے۔" (سورۃ نساء آیت ۱۷)(۱)

۱۔ شیخ سعدی کہتے ہیں:

کنون باید ای خفته بیدار بود

چو مرگ اندر آرد زخوفت چه سود

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

توبہ فوری واجب ہے

شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے شرح اربعین میں فرمایا ہے کہ توبہ کے فوراً واجب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ گناہ ایسے ہوتے ہیں جیسے جسم کو نقصان پہنچانے والے زہر اور جس طرح زہر کھا جانے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ علاج میں جلدی کرے تاکہ اس کا جسم ہلاک نہ ہو اور ختم نہ ہو جائے اسی طرح گناہگار پر واجب ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور فوراً اس سے توبہ کرلے تاکہ اس کا دین ضائع نہ ہو اور جو گناہگار توبہ میں غفلت کرتا ہے اور دوسرے وقت پر ٹال دیتا ہے وہ اپنے لئے اتنے دو بڑے خطرے مول لے لیتا ہے کہ اگر ایک سے بچ گیا تو دوسرے میں پھنس جائیگا۔

اول : ناگہانی موت آجانا اس طرح کہ غفلت سے چونک بھی نہ پائے کہ

گزشتہ سے پیوستہ:

کنونت کہ چشم است اشکی ببار
زبان در دهان است عذری بیار
نه پیوسته باشد روان در بدن
نه همواره گردد زبان در دهن
کنون بایدت عذر تقصیر گفت
نه چون نفس ناطق زگفتن بخفت
غنیمت شمر این گرامی نفس
که بیمرغ قیمت ندارد قفس
مکن عمر ضایع بافوس و حیف
که فرصت عزیز است والوقت خیف

اے سونے والے اب تجھے جاگنا چاہئے، موت آجانے پر تیرے خوف اور فکر سے کیا فائدہ۔
اس وقت جبکہ تیرے پاس آنکھ ہے تو اس سے آنسو بہالے، تیرے منہ میں زبان موجود ہے تو توبہ کرلے۔
جسم میں جان ہمیشہ نہیں رہے گی، منہ میں زبان ہمیشہ نہیں ہلے گی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یکایک اپنی موت نظر آجائے جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے: "کیا ان بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب (راتوں رات) آسکتا ہے جب کہ وہ پڑے سوتے ہوں۔" (سورۃ اعراف آیت ۹۷) اس حالت میں توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ایک گھڑی کی بھی مہلت مانگیں گے تو نہیں ملے گی جیسا کہ قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے: "اپنے مال میں سے خیرات کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وہ یہ کہے کہ اے پروردگار! میری موت تھوڑے سے وقت کے لئے ملتوی کردے تاکہ میں ماضی کی تلافی کرلوں لیکن خدا کبھی کسی کی موت کا آجانے پر اسے ملتوی نہیں کرے گا۔" (سورۃ منافقون آیات ۱۰ و ۱۱)

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ مرنے والا شخص ملک الموت سے کہے گا: "مجھے ایک روز کی مہلت دیدے تاکہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں اور آخرت کے سفر کیلئے کچھ توشہ تیار کرلوں۔" وہ کہے گا: "تیری عمر کے دن تو پورے ہو چکے۔" وہ کہے گا: "مجھے ایک گھڑی کی مہلت دیدے۔" وہ کہے گا: "تیری عمر کی گھڑیاں تو پوری ہو چکیں۔" پھر اس کے واسطے توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور گزری ہوئی عمر پر ہزاروں حسرتوں اور ندامتوں کے ساتھ بدن سے اس کی روح نکل جائے گی اور کبھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت اسکا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے۔(۱)

گزشتہ سے پیوستہ

تجھے اس وقت گناہ کی معافی مانگنا چاہئے، اس وقت نہیں جب گویائی ہی سلب ہو جائے گی۔

اس قیمتی سانس کو غنیمت سمجھ اس لئے کہ پرندے سے خالی پنجرے کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

پچھتاوے اور غم میں عمر ضائع مت کر، موقع اچھا ہے اور وقت مہمان ہے۔

۱۔ طریقی بدست آرو صلحی بحوی
شفیعی ہ انگیز و علوی بگوی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دوسرے یہ کہ توبہ کی مدد سے اپنے گناہ کی آلودگی صاف نہ کرنے کے باعث دل میں گناہوں کا اندھیرا بڑھتا جاتا ہے اور پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ صاف ہونے کے قابل نہیں رہتا اس لئے کہ انسان جو گناہ کرتا ہے اس سے اس کے دل میں دھندسی پیدا ہو جاتی ہے جیسی سانس سے آئینے میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جب دل پر گناہوں کا اندھیرا زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ کثیف ہو جاتا ہے جس طرح سانس کی بھاپ کی زیادتی سے آئینے کو زنگ لگ جاتا ہے اور جب دل کی کثافت زیادہ ہو گئی تو اس کی فطرت بن گئی (یعنی اس پر چھپ کر ایسی جم گئی کہ نہ کسی حق کو سمجھ پاتی ہے نہ قبول کرتی ہے) جس طرح زنگ بڑھ جانے سے آئینہ اس قدر کثیف ہو جاتا ہے کہ پھر قابل صیقل نہیں رہتا۔(۱)

گزشتہ سے پیوستہ:

یلک لحظہ صورت نبندد امان
چو پیمانہ پرشد بدور زمان

فراشو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

برو گرد ذلت زدامن بشوی
کہ ناگہ زبالا ببندند جوی

کوئی تدبیر کر اور کام بنا، کوئی شفیع ڈھونڈ اور معافی مانگ۔
جب وقت کی گردش سے پیمانہ بھر گیا، تو پھر ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔
جب تک اصلاح کا امکان ہے کوشش کرلے، ایسا نہ ہو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے۔
جا اور اپنے دامن پر بیٹھی ہوئی ذلت کی گرد دھو ڈال، ایسا نہ ہو کہ یکایک نہر ہی بند ہو جائے۔

۱۔ نگو آئینہ از آہ گردد سیاہ
شود روشن آئینہ دل زآہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

روایتوں میں ایسے دل کو گھٹیا اور کالا کہا گیا ہے

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "دل کے لئے کوئی چیز گناہ سے زیادہ نقصان دینے والی نہیں ہے۔ بے شک جب دل میں گناہ کا اندھیرا داخل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اندھیرا اس کے ساتھ ہی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے جس سے آخر کار وہ اوندھا ہو جاتا ہے۔" (حق سے پھر جاتا ہے)۔

آپ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں: "لم یرجع صاحبہ الی خیر ابدا" اس کا مالک پھر نیکی کی طرف نہیں پلٹتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسے دل کا مالک گناہ ترک نہیں کرتا نہ ان سے توبہ کرتا ہے اور اگر زبان سے کہتا بھی ہے کہ میں نے توبہ کی تو یہ زبانی ہی بات رہتی ہے اس کا دل اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس میں حقیقت نہیں ہوتی تو اس کا اثر بھی کچھ نہیں ہوتا جس طرح کوئی شخص زبان سے کہتا ہے کہ میں نے کپڑے دھو لئے لیکن اس بات سے اسکے کپڑے صاف نہیں ہوتے۔ کبھی ایسا شخص دین کے معاملات میں اس قدر بے پرواہ ہو جاتا ہے کہ اسکا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے اور آخر کار بدی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ (سورۃ روم آیت ۱۰)

توبہ کی قسمیں

توبہ جس کے معنی خدا کی طرف رجوع کرنے کے ہیں توبہ کرنے والوں

گزشتہ سے پیوستہ:

بترس از گناہان خویش این نفس
کہ روز قیامت نترسی زکس

اگر تو سے آئینہ کالا پڑ جاتا ہے تو دل کا آئینہ توبہ سے روشن ہو جاتا ہے
اس وقت اپنے گناہوں سے ڈرتا کہ قیامت کے دن تجھے کسی کا ڈر نہ رہے

کے لحاظ سے کئی قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ کفر سے ایمان کی طرف پلٹنا اور شک اور تردید سے یقین اور اطمینان کی طرف اور باطل عقیدے سے حق کی طرف رجوع کرنا۔

۲۔ چھوٹے یا بڑے گناہ سے اطاعت کی طرف اور مخالفت سے موافقت کی طرف واپسی۔

۳۔ خالق کائنات کی معرفت اور بندگی کے فرائض کی مناسب اور واجبی انجام دہی میں کمی اور کوتاہی سے ان کی بھرپور کوشش کی طرف واپسی، اس کی یاد میں غفلت برتنے سے اس کے ذکر کی کثرت کی طرف واپسی اور دوری سے نزدیکی اور بے وفائی سے وفاداری کی طرف واپسی۔ جاننا چاہئے کہ معصومین یعنی انبیاء اور ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توبہ تیسری اور چوتھی قسم کی توبہ ہوتی ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ تمام انسانوں حتیٰ کہ نیکوں کے لئے بھی لازمی ہے کیونکہ یہ لوگ اگرچہ گناہ میں آلودہ نہیں ہوتے لیکن معرفت اور عبادت میں جس مقام پر اور جس حال میں ہیں اس سے یقیناً اونچے مقام اور حال میں پہنچ جائیں گے اس لئے کہ موجودہ مقام و حال اس گناہ کی نسبت سے ہے۔ اسی طرح وہ ذکر کے جس حال میں اور قرب کی جس حد پر بھی ہوں گے اس سے اونچا بھی ایک حال اور ایک مقام ہوگا جس تک انھیں اپنے آپ کو پہنچانا چاہئے۔

غرض کوئی شخص معرفت، عبودیت اور شکر گزاری کی کسی حد میں ہو یقیناً ویسا نہیں ہوگا جیسا کہ اسے رب العالمین کے شایان شان ہونا چاہئے۔ چنانچہ سرورِ کائنات اور سب سے پہلی مخلوق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ ہم نے تجھے ویسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے اور تیری ویسی عبادت نہیں کی

جیسا تیری عبادت کا حق ہے۔

بندہ وہی اچھا ہے جو خدا کی بارگاہ میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلے اور توبہ کرلے ورنہ اس کی خدائی کے لائق تو کوئی بندگی کر ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا اپنے حال اور اپنے شکر و عبادت پر شرمندہ رہے اور بلند تر حال اور مقام تک پہنچنے کے لئے کوشاں رہے خصوصاً فطری ضروریات اور جائز مادی مزوں میں مشغول رہنے کے بعد کیونکہ اس حالت میں عبادت کی لگن نہیں ہو سکتی۔

غرض اس بیان سے یہ تھی کہ معصومین کی دعائے مغفرت اور توبہ کی وجہ بتادی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بعض لوگ شک اور شبہے میں پڑ جائیں جب وہ یہ سنیں کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے: "میں ہر روز ستر بار مغفرت کی دعا مانگتا ہوں۔" (کافی) تو یہ توبہ کی چوتھی قسم ہے۔ یہ توبہ خطا اور ترک اولیٰ کے باعث نہیں ہے کیونکہ آپ کا پاک وجود ہر قسم کی نجاست سے دور اور دوسرے لفظوں میں خدا کا پاک کیا ہوا تھا۔

توبہ کاملہ کی کیفیت اور اس کی مستحب باتیں

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے توبہ دل کی حسرت اور شرمندگی اور کئے ہوئے گناہ سے دل کا بھاری اور رنجیدہ ہوتا ہے۔ دل کا غم جتنا زیادہ ہوگا توبہ قبولیت سے اتنی ہی قریب ہوگی لیکن وہ بھی گناہ کو بڑا سمجھنے سے مشروط ہے کیونکہ انسان گناہ کو جتنا بڑا سمجھے گا اس کی شرمندگی میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کی غفلت سے اس کے مال و اسباب میں آگ لگ جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اسباب کے جل جانے کا جتنا زیادہ خطرہ ہوگا اتنا ہی زیادہ اسے اپنی غفلت پر رنج ہوگا خاص طور پر جب ایسی آگ ہو جس کا بجھانا مشکل ہو اور جب وہ یہ دیکھے گا کہ اسے بھی آگ میں جل جانے کا خطرہ ہے کیونکہ نہ بھاگنے کا ہی کوئی راستہ ہے اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہی موجود ہے تو

پھر تو اس کا حال ظاہر ہی ہے۔

اسی طرح گناہگار آدمی کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس نے اپنے لئے ایسی آگ لگائی ہے جس سے بھاگنا ممکن نہیں ہے اور کوئی انسان اسے بجھا بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ ایک ایسی آگ ہے جو خدا کے قہر و غضب سے پیدا ہوئی ہے جیسا کہ حضرت امیر المؤمنینؑ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: "یہ ایسی سزائیں ہیں جن کے سامنے آسمان اور زمین بھی نہیں ٹھہر سکتے۔" (وھذا مالا تقوم له السموات والارض .....) اور اس کی جلن بھی دنیا کی آگ کی سی جلن نہیں ہے۔

رسول خداؐ سے روایت ہے کہ جب کسی کو دوزخ سے نکال کر دنیوی آگ کے تندور میں ڈالیں گے تو وہ چین سے سوئے گا۔

اس آگ سے خدا بچائے جس کے مقابلے میں دنیوی آگ کا تنور آرام کی جگہ ہے۔

ناقابل برداشت عذاب

دوسری بات یہ ہے کہ گناہگار کو اپنا گناہ نہیں خدا کی بڑائی دیکھنا چاہیے جس کا اس نے گناہ کیا ہے اور یہ جان لینا چاہیے کہ اس کا قہر اتنا شدید اور اس کا عذاب اتنا سخت ہے کہ آسمان اور زمین اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ (سورۃ بروج آیت ۱۲)

خداوند عالم سورۃ المزمل میں فرماتا ہے: "بے شک ہمارے پاس آخرت میں دشمنوں کے لئے بھاری بھاری بیڑیاں اور آتش دوزخ کی زنجیریں ہیں جن میں بندھ جائیں گے تو پھر وہ ان لوگوں سے الگ نہیں ہو سکیں گی اور بھڑکتی ہوئی آگ بھی ہے جس میں وہ جلائے جائیں گے اور حلق میں پھنس جانے والا کھانا بھی ہے جو اپنی سختی اور کراہت کی وجہ سے نہ گلے سے اتر سکے گا نہ باہر آسکے گا اور وہ غلاف استخواں،

تھوہڑ، غسلین اور غساق ہے جس کا بیان دوسری آیتوں میں بھی آیا ہے اور ان کے علاوہ ایک دردناک عذاب بھی ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" (آیات ۱۲ و ۱۳۔ تفسیر منہج الصادقین)

خدائی قہر کی سختی اور شدت بہت سی آیتوں میں بیان کی گئی ہے۔ غرض یہ ہے کہ گناہگار آدمی کو چاہئے کہ نہایت شرمندہ اور پریشان ہو، روتا پیٹتا، جلتا گھلتا رہے اور جب تک اپنے پاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے چین سے نہ بیٹھے اور وہ یقین بھی اسے مرتے وقت آئے گا جب رحمت کے فرشتے اسے خوشخبری سنائیں گے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس جلنے کڑھنے اور نالہ و فریاد سے آگیں اس طرح بجھ جائیں گی، گندگیاں یوں دور ہو جائیں گی اور اس کے گناہوں کی سیاہیاں یوں چھٹ جائیں گی کہ اس کی وہی حالت ہو جائے گی جو گناہوں سے پہلے تھی۔ چنانچہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو۔ (التائب من الذنب کمن لا ذنب له) بلکہ کبھی کبھی تو پہلے سے بھی بہتر ہو جاتا ہے یعنی برابر کڑھتے رہنے کے نتیجے اور اپنی حالت سدھارنے کی کوشش سے وہ اپنے پروردگار کے اس قدر قریب آجاتا ہے کہ اس کا پیارا بن جاتا ہے۔ (سورۂ بقرۂ آیت ۲۲۲) اسی لئے امام سجادؑ دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! مجھے توبہ کی توفیق عطا فرما جو مجھے تیری محبت کے مقام تک پہنچا دے۔ (صحیفہ سجادیہ)۔ اور مجھے تو اپنی طرف لے جانے والی توبہ کے درجے پر پہنچا۔ (دعائے ابو حمزہ ثمالی)

شرمندگی میں اضافہ۔ نبیوں کی توبہ

جب یہ معلوم ہو گیا کہ توبہ کی حقیقت دلی شرمندگی ہے اور توبہ کا نتیجہ شرمندگی کی کمی بیشی کے لحاظ سے گناہوں کا ختم ہو جانا ہے تو پھر شرمندگی میں اضافہ

کے لئے کوشش کرنا چاہئے اور اس میں اضافے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید کی آیتوں پر غور کرنا ہے۔ خاص طور سے ان آیتوں پر جو پچھلے پیغمبروں مثلاً حضرت داؤدؑ، حضرت یونسؑ اور حضرت ایوبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن اس پہلو پر توجہ رہے کہ ان کا گناہ دوسرے لوگوں کا سا گناہ نہیں ہے بلکہ ان کے مقام و منصب کے مطابق ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور بعض توبہ کرنے والوں کے قصے بھی بیان کئے جا چکے ہیں اور اب کتاب کے خاتمے میں بھی ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جائے گا۔

توبہ کی تکمیل، روزہ، غسل، نماز

توبہ کی حالت پیدا ہونے کے بعد چند عمل مناسب ہوتے ہیں:

۱۔ تین دن روزہ رکھنا۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "جس توبہ نصوح کا خدا نے حکم دیا ہے وہ بدھ، جمعرات اور جمعے کے دن کا روزہ رکھنا ہے۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۸۶)

۲۔ توبہ کا غسل جیسا کہ گاجے باجوں کے شوق کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے اس شخص سے جو گانا سننے کے گناہ سے توبہ کرنا چاہتا تھا فرمایا تھا کہ اٹھ اور غسل کر۔

پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: "کوئی بندہ کسی قسم کا اور کتنا ہی بڑا گناہ کرتا ہے اور پھر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتا ہے تو خدا اسے بخش دے گا۔" اس کے بعد آپ نے (اس شخص سے جو توبہ کرنا چاہتا تھا) فرمایا: "اٹھ کر نہا لے اور خدا کا سجدہ بجا لا۔ (مستدرک الوسائل الشیعہ کتاب طہارت باب ۱۴)

۳۔ دو یا چار رکعت نماز پڑھنا۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جس بندے نے کوئی گناہ کیا ہو وہ اس کے بعد اٹھ بیٹھے، طہارت کرے (وضو کرے)، دو رکعت

نماز پڑھے اور خدا سے بخشش کی دعا مانگے تو پھر خدا پر لازم آجاتا ہے کہ وہ اس کی دعا قبول کرے کیونکہ اس نے خود فرمایا ہے کہ جو کوئی برا کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر خدا سے معافی مانگے تو خدا اسے بخش دے گا اور اس پر رحمت نازل کرے گا۔(وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۸۶)

کتاب اقبال میں ذی قعدہ کے اعمال کے باب میں لکھا ہے کہ ذی قعدہ کے مہینے میں اتوار کے دن رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے کون کون توبہ کرنا چاہتا ہے؟" وہ بولے: "ہم سب توبہ کرنا چاہتے ہیں۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "نہاؤ اور وضو کرو پھر چار رکعت نماز پڑھو۔ ہر رکعت میں حمد کے بعد تین بار سورۃ اخلاص اور ایک بار معوذتین پڑھو، پھر ستر بار استغفار کرو اور آخر میں کہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اور اس کے بعد پڑھنے کے لئے ایک مختصر سی دعا بھی سکھائی: "یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّارُ اِغْفِرْ ذُنُوْبِیْ وَ ذُنُوْبَ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ۔"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "میری امت میں سے جو کوئی یہ عمل کرے گا اسے آسمان سے آواز آئے گی کہ تیری توبہ قبول ہوئی اور تیرے گناہ بخشے گئے اور آسمان سے ایک فرشتہ کہے گا تجھ پر اور تیرے اہل و عیال پر خدا کی برکت ہو۔ دوسرا فرشتہ کہے گا۔ قیامت میں تیرے دشمن تجھ سے خوش اور رضامند ہو جائیں گے ایک اور فرشتہ کہے گا اے ایمان والے بندے! تیری قبر کشادہ اور روشن ہوگی۔ دوسرا فرشتہ کہے گا تیرے والدین تجھ سے راضی ہوئے اور تیرے عمل کی بدولت اللہ کی رحمت اور بخشش ان پر اور تیری اولاد پر نازل ہوئی اور دنیا اور آخرت میں تیری روزی بڑھ جائے گی۔ جبرئیل کہیں گے تیرے مرتے وقت عزرائیل کے ساتھ میں بھی آوں گا

اور ان سے سفارش کروں گا کہ وہ تیری روح آسانی سے قبض کریں۔"

اصحاب نے کہا: "یارسول اللہ! اگر کوئی یہ عمل اس مہینے کے علاوہ (کسی اور وقت) کرے تو کیسا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ایسا ہی ہے جیسا میں نے کہا ہے۔ حقیقت میں یہ کلمات مجھے جبرئیلؑ نے شب معراج میں سکھائے تھے۔"

استغفار، باربار توبہ کرنا، صبح جلدی اٹھنا

۴۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے استغفار اور دعائے توبہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے خصوصاً صحیفہ سجادیہ کی دعائیں اور ان میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ اکتیسویں دعا جو توبہ سے متعلق ہے اور پھر پندرہ مناجاتیں خصوصیت سے پہلی مناجات جو توبہ کرنے والوں کی مناجات ہے۔ پڑھتے وقت ان کے معانی پر غور کرنا اور یہ کوشش کرنا چاہئے کہ دل بھی زبان کا ساتھ دے۔

۵۔ توبہ کا دہرانا اور بخشش طلب کرنا۔ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں: "رسول خدا رات دن میں سو بار خدا سے توبہ کرتے تھے اور بخشش کی دعا مانگتے تھے جبکہ ان سے کوئی گناہ بھی نہیں ہوا تھا۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۹)

آپؑ یہ بھی فرماتے ہیں: "جب کوئی بندہ زیادہ بخشش کی دعا کرتا ہے تو اس کا نامہ اعمال اوپر لے جاتے ہیں چمکنے لگتا ہے۔" (کافی کتاب دعا باب استغفار)

حضرت رضاؑ فرماتے ہیں: "استغفار درخت کے پتے کی طرح ہے جو ہلتا ہے اور ایک کے بعد ایک گرتا رہتا ہے۔ جو شخص گناہ ترک کرنے سے پہلے اس سے استغفار کرتا ہے وہ اپنے پروردگار سے مذاق کرتا ہے۔" (کافی کتاب دعا باب استغفار)

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: "رسول خدا کسی مجلس سے اٹھنے سے پہلے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی ہوتی پچیس بار استغفار کرتے تھے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ روزانہ ستر بار فرماتے تھے:
"استغفر اللہ اور ستر بار کہتے تھے واتوب الی اللہ۔"

سید بن طاؤس نے کتاب مج الدعوات میں پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت کی ہے کہ جس کسی کو کوئی تکلیف، رکاوٹ یا تنگی پیش آئے وہ تیس ہزار بار استغفر اللہ واتوب الیہ کہے۔ خدا ضرور اس کے لئے کشادگی پیدا کر دے گا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ حدیث تجربے سے صحیح ثابت ہوئی ہے۔

۶۔ استغفار کے لئے صبح کا وقت مقرر کرنا۔ اگرچہ جب بھی توبہ اور دعا کی حالت ہو اس وقت استغفار بھی مفید اور خوب ہے لیکن صبح سے لے کر جو رات کا آخری تہائی حصہ ہوتا ہے فجر ہونے تک کے درمیان گناہوں سے پاک ہونے کے لئے ایک خاص اثر رکھتا ہے اور قرآن مجید میں بھی کئی مقامات پر اس کا حکم دیا گیا ہے اور صبح کے وقت مغفرت کی دعا مانگنے والوں کی خدا تعریف کرتا اور انہیں اہل تقویٰ اور اہل بہشت شمار کرتا ہے مثلاً قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: "دنیا میں وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں اور پچھلے پہر کو اپنی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔" (سورۃ ذاریات آیت ۱۸)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ پچھلے پہر کو خدا سے استغفار کرنے والے ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت ۱۷)

شو قلیل النوم مما یھجعون

باش دراسحار از یستغفرون

حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: "جب خدا اہل زمین پر کوئی بلا بھیجنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے: اگر وہ لوگ نہ ہوتے جو میرے جلال سے محبت رکھتے ہیں، میری

مسجدیں آباد کرتے ہیں اور پچھلی رات کو استغفار کرتے ہیں تو بلاشبہ میں اپنا عذاب نازل کر دیتا۔" (وسائل الشیعہ کتاب جہاد باب ۱۲)

لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: "اے میرے بیٹے! مرغا تجھ سے زیادہ عقلمند تو نہیں ہے جو صبح سویرے اٹھتا ہے اور اپنی بخشش کی دعا مانگتا ہے جب کہ تو سوتا رہتا ہے۔" (مستدرک وسائل فی وصایا لقمان)

بانگ برداشته مرغ سحری
کرد برخفته دلان پرده دری
هیچ از جای نمیخیزی تو
الله الله چه گران خیزی تو

صبح کے مرغ نے اذان دے دی اور سونے والوں پر صبح واضح کر دی پھر بھی تو نہیں اٹھتا حیرت ہے کہ تو کس قدر گہری نیند سونے والا ہے۔

صبح کی فضیلت اور اس کے اعمال کے بارے میں بہت سی حدیثیں ملتی ہیں۔ وتر کے قنوت میں ستر بار استغفر اللہ کہنا اور تین سو بار العفو کہنا مستحب ہے۔

خدا نے اپنے رسول کو جو مقام محمود (پسندیدہ مقام) عطا فرمایا اور جس تک پہنچنے کی ہر مؤمن کو آرزو ہے وہ آنحضرتؐ کے پچھلے پہر اٹھنے کی وجہ سے ملا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۹) غرض یہ ہے کہ جو شخص جس مقام تک پہنچا ہے وہ صبح اٹھنے کی عادت سے ملا ہے۔

هر آنگو کز حقیقت بوی دارد
به بیداری شب اوخوی دارد

برآر از سینهء پرخوں دمی پاك
که بسیاری دمد صبح و تو درخاك
بگیرآن حلقه را در وقت شبگیر
دل شوریده را برکش بزنجیر
ویا بند از دل دیوانه برگیر
خوشی فریاد مشتاقانه برگیر
چنیں شب گرکند یزداں میسر
ز دنیا و آنچه در دنیا ست بهتر

جو کوئی حقیقت کو ذرا سا بھی سمجھتا ہے اسے رات کو جاگنے کی عادت ہوتی ہے۔

سینے پر خوں سے پاک سانس نکال یعنی اللہ کا نام لے کیونکہ صبح تو ظاہر ہو چکی ہے لیکن تو ابھی تک لوٹ رہا ہے۔

رات کے وقت خدا کی بارگاہ پر دستک دے وحشی دل کو قابو میں لا۔

یا پاگل دل کو آزاد کر کے خوشی خوشی مشتاقانہ نعرے لگا۔

اگر خدا ایسی رات نصیب کرے تو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

دوسرا حصہ

جگانے والی حکایتیں

چونکہ دلوں کو غفلت سے چونکانے میں مؤمنوں اور متقیوں کے قصے سنانے کا خاصا اثر ہوتا ہے جو سننے والے کو عمل پر مجبور کردیتا ہے اس لئے یہاں توبہ کرنے والوں کے چند قصے اور ان کے بعد کچھ ایسے قصے جو اس کتاب میں لکھی ہوئی بعض باتوں کی تائید کرتے ہیں درج کیے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ محترم پڑھنے والے انھیں پڑھ کر فائدہ اٹھائیں گے۔

(۱)

مصابیح القلوب سبزواری میں لکھا ہے کہ جب شراب کو حرام کرنے والی آیت اتری تو رسول خداؐ کے منادی نے اعلان کیا کہ اب کوئی شراب نہ پیے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رسول خداؐ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک مسلمان شخص شراب کی بوتل ہاتھ میں لئے اس گلی میں داخل ہوا۔ اس نے جیسے ہی رسول خداؐ کو دیکھا کہ تشریف لا رہے ہیں بہت ڈرا اور دل میں کہنے لگا: "اے خدا! میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ شراب نہیں پیوں گا مجھے رسوا نہ کرنا۔" جیسے ہی وہ آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے پوچھا: "اس بوتل میں کیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "سرکہ ہے۔" آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر فرمایا: "ذرا سا میرے ہاتھ پر انڈیل دے۔" اس نے انڈیل دیا تو دیکھا کہ واقعی سرکہ ہے۔ وہ شخص رونے لگا: "اور بولا یا رسول اللہؐ خدا

کی قسم یہ سرکہ نہیں تھا بلکہ شراب تھی لیکن میں نے توبہ کی تھی اور خدا سے دعا مانگی تھی کہ مجھے رسوانہ کرنا اور ایسا ہی ہوا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "یہی ہوتا ہے۔ جو کوئی توبہ کرتا ہے خداوند عالم اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔" (اولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات)۔

(۴)

کتاب کافی کے باب وقت التوبہ کی حدیث ۴ میں معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ ہم مکے جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ ایک خدا پرست شیخ تھا لیکن وہ شیعہ نہیں ہوا تھا اور راستے میں پوری پوری نماز پڑھتا تھا (سنیوں کے مذہب میں مسافر کے لئے بھی پوری نماز پڑھنا جائز رکھا گیا ہے)۔ اس کا بھتیجا جو ساتھ تھا وہ شیعہ تھا۔ وہ شیخ بیمار پڑ گیا تو میں نے اس کے بھتیجے سے کہا: "کیا اچھا ہوتا تم اپنے چچا کو بھی شیعہ مذہب اختیار کرنے کی تلقین کرتے شاید خدا اسے بخش دے۔" تمام ہم سفر کہنے لگے: "اس شیخ کو اپنے ہی حال میں مرنے دو کیونکہ اچھا آدمی ہے۔" لیکن اس کا بھتیجا رہ نہیں سکا اور اس سے بولا: "چچا جان حقیقت یہ ہے کہ رسول خداؐ کے بعد قریب قریب سبھی لوگ دین اسلام سے پھر گئے تھے صرف چند لوگ اور حضرت علی بن ابی طالبؑ خود رسول خداؐ کی طرح خدا کے اطاعت مند رہے اس لئے رسول خداؐ کے بعد وہ لوگوں کی اطاعت کے مستحق تھے۔" وہ کہتا ہے کہ اس شیخ نے ایک آہ بھری، نالہ کیا اور بولا: "میں بھی یہی عقیدہ رکھتا ہوں۔" اور اس کی روح نکل گئی۔ ہم امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچے۔ علی بن سری نے یہ واقعہ امامؑ کے سامنے سنایا تو آپؑ نے جواب میں فرمایا: "وہ شخص جنتی ہے۔" علی بن سری نے پوچھا: "وہ کس طرح بہشتی ہو گیا جب کہ اس موت کی گھڑی کے علاوہ اس کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا؟"

آپؑ نے فرمایا: "تم اس سے اور کیا چاہتے ہو؟ خدا کی قسم وہ بہشت میں داخل ہو گیا ہے۔"

اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے اور خدا کی طرف رجوع کرنے کا وقت آخری سانس تک باقی رہتا ہے۔ (البتہ موت کا یقین کر لینے سے پہلے پہلے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے)۔

(۳)

بحار الانوار کی پندرہویں جلد کے باب الخوف والرجاء میں صفحہ ۱۱۷ پر حضرت علی بن الحسین زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک کفن چور تھا۔ اس کا پڑوسی بیمار پڑا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ وہ اب نہیں بچے گا تو اس نے کفن چور کو بلوایا اور اس سے کہا: "میں تیرا کیسا پڑوسی رہا ہوں؟" کفن چور نے جواب دیا: "تم میرے اچھے پڑوسی رہے ہو۔" وہ بولا: "تم سے میری ایک درخواست ہے۔" وہ کہنے لگا: "میں تمہارا کہا پورا کروں گا۔" پھر اس نے دو کفن نکالے اور بولا: "اے بھائی! ان میں سے جو بہتر ہو وہ تو اپنے لئے لے لے اور دوسرا کفن مجھے پہنا دینا اور جب مجھے دفن کر دیں تو میری قبر کھول کر مجھے ننگا نہ کرنا۔" کفن چور نے یہ بات نہیں مانی لیکن جب پڑوسی نے بہت اصرار کیا تو آخر کفن چور نے بہتر کفن اٹھا لیا اور چلا گیا۔ جب پڑوسی مر گیا اور لوگوں نے اسے دفن کر دیا تو کفن چور نے دل میں سوچا کہ مردے کو کچھ تو ہوتی ہی نہیں جو وہ یہ سمجھے کہ میں نے وعدہ خلافی کی ہے۔ اسی لئے میں جاتا ہوں اور اس کا کفن چراتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے اس کی قبر کھولی لیکن جیسے ہی اس کا کفن کھسوٹنا اور اسے ننگا کرنا چاہا ایک بلند چیخ سنی جو کہتی تھی کہ ایسا نہ کر۔ اس پر وہ ڈر گیا اور اس نے مردے کو ننگا نہیں کیا اور قبر پاٹ دی۔ جب

خود اس کی موت کا وقت قریب آیا تو وہ اپنے بیٹوں سے بولا: "میں تمہارا کیسا باپ رہا ہوں؟" انہوں نے جواب دیا: "آپ ہمارے اچھے باپ رہے ہیں۔" وہ بولا: "مجھے تم سے ایک بات کہنا ہے۔" وہ بولے: "ہم آپ کا کہا پورا کریں گے۔" وہ کہنے لگا: "جب میں مر جاؤں تو میرا بدن جلا دینا۔ جب راکھ ہو جائے تو میری آدھی راکھ خشکی کی طرف اور آدھی سمندر کی طرف اڑا دینا۔" یہ بات انہوں نے منظور کر لی اور جب وہ مر گیا تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر خداوند عالم نے اس کے جسم کی بکھری ہوئی راکھ جمع کی اور اسے زندہ کر کے فرمایا: "تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟" اس نے عرض کیا: "تیری عزت کی قسم مجھے تیرے عذاب کے ڈر نے اس وصیت پر مجبور کیا۔" اس پر خدا نے فرمایا: "میں نے بھی تجھے بخش دیا اور تجھے خوف سے آزاد کر دیا اور میں تجھ سے شکایت رکھنے والوں کو بھی رضامند کر لوں گا۔"

اس حکایت سے پتا چلتا ہے کہ جب گناہگار اپنے گناہوں سے شرمندہ ہو گا اور خدا کے عذاب سے ڈرنے لگے گا تو خدا بھی اسے بخش دے گا اور اس کے دشمنوں کو راضی کر لے گا۔

(۴)

کتاب الروضہ من الکافی میں حضرت امام صادقؑ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کبھی دنیا کا لالچ نہیں کیا تھا اور کسی ناجائز کام سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے تھے۔ شیطان نے آواز دیکر اپنے پورے لشکر کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا: "تم میں سے کون اس شخص کو دھوکا دے سکتا ہے؟" ایک بولا: "اسے میرے سپرد کر دے۔" شیطان نے پوچھا: "تو اسے کس طریقے سے گمراہ کرے گا؟" وہ بولا: "عورتوں کے ذریعے سے۔"

شیطان کہنے لگا: "تو اس کام کا اہل نہیں ہے۔" اس شخص نے عورتوں کو نہیں آزمایا ہے اور ان کا مزہ ہی نہیں چکھا ہے۔" ایک اور چھوٹے شیطان نے کہا: "میں اسے شراب خواری اور عیاشی کے طریقے سے بھٹکاؤں گا۔" شیطان نے کہا: "تو بھی اس کام کا اہل نہیں ہے کیونکہ وہ ان باتوں کی طرف مائل نہیں ہے۔" ایک اور شیطان کے چیلے نے کہا: "اسے اچھے سلوک اور اچھے عمل کے ذریعے سے گمراہ کروں گا۔" شیطان نے کہا: "تو اس کام کا اہل ہے۔" وہ شیطان بچہ اس جگہ گیا جہاں وہ عبادت گزار عبادت میں مشغول تھا اور اس کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ وہ عابد سو جاتا تھا لیکن شیطان بچہ نہیں سوتا تھا بلکہ نماز میں ہی لگا رہتا تھا۔ وہ شخص تھک کر آرام کرنے لگتا تھا لیکن شیطان آرام نہیں کرتا تھا بلکہ لگاتار عبادت کیے جاتا تھا۔ عابد اس کے پاس گیا، اس نے اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر محسوس کیا اور اپنے کام کو تھوڑا اور کم سمجھا۔ اس سے کہنے لگا: "اے خدا کے بندے! اس قدر نماز پڑھنے کی تجھے کس چیز سے طاقت حاصل ہوئی ہے؟" شیطان بچے نے اسے جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر سوال کیا۔ اس نے پھر جواب نہیں دیا۔ اس نے تیسری بار پھر پوچھا تو اس مرتبہ اس نے جواب دیا: "اے خدا کے بندے! تم سچ کہتے ہو۔ میں نے ایک گناہ کیا تھا پھر اس سے توبہ کر لی۔ اب جب بھی مجھے وہ گناہ یاد آتا ہے مجھے نماز کی طاقت آجاتی ہے۔" اس نے پوچھا: "مجھے بھی بتا کہ تو نے کیا گناہ کیا ہے تاکہ میں بھی کروں جس سے نماز کی قوت حاصل کروں۔" اس نے کہا: "شہر میں جا کر فلاں نام کی بدکار عورت کو تلاش کر اور اسے دو درہم دے کر اس سے اپنی خواہش پوری کر۔" وہ بولا: "میں دو درہم کہاں سے لاؤں میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ دو درہم کیا ہوتے ہیں۔" شیطان بچے نے اپنے پاؤں تلے سے دو درہم نکال کر اسے دیے۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا اور اسی

چادر میں جو وہ سر پر ڈالے ہوئے تھا شہر پہنچا اور مذکورہ فاحشہ کا گھر پوچھنے لگا۔ لوگوں نے اسے اس فاحشہ عورت کا گھر بتا دیا اور یہ سمجھے کہ یہ اسے نصیحت کرنے اور وعظ و پند دینے آیا ہے۔ عابد اس فاحشہ کے پاس پہنچا۔ اس کے آگے دو درہم ڈالے اور بولا: "اٹھ اور تیار ہو۔" وہ اٹھی اور گھر کے اندر چلی گئی۔ وہاں عابد سے کہنے لگی: "تمہاری وضع قطع ایسی ہے کہ تمہاری اس وضع کا کوئی شخص مجھ جیسی بدکار عورت کے پاس نہیں آتا۔ مجھ سے اپنا حال تو کہو۔" اس عابد نے اپنا مقصد بیان کیا۔ وہ عورت بولی: "اے خدا کے بندے! میں سچ کہتی ہوں کہ گناہ ترک کرنا توبہ سے زیادہ آسان ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی گناہ کر کے توبہ کے پیچھے گیا (یعنی اس نے توبہ کی) اس کی توبہ قبول بھی ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا رہنما کوئی شیطان ہے جس نے انسان کی شکل اختیار کرلی ہے۔ تو اپنے مقام کو واپس جا کر دیکھ وہاں تجھے کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

عابد پلٹ کر چلا گیا اور وہ عورت بھی اسی رات کو مر گئی۔ صبح ہوئی تو اس کے گھر کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: "فلاں عورت کے جنازے میں شرکت کرو کیونکہ وہ جنتی ہے۔" سب لوگ شک میں پڑ گئے۔ وہ تین دن تک ٹالتے رہے اور انہوں نے اسے دفن نہیں کیا کیونکہ سب کو اس کے متعلق شک تھا۔ خدا نے اپنے ایک پیغمبر کو جنہیں میں موسیٰ بن عمران جانتا ہوں وحی کی کہ فلاں عورت کے جنازے پر جا کر نماز پڑھو اور لوگوں کو بھی حکم دو کہ وہ اس پر نماز پڑھیں کیونکہ میں نے اسے بخش دیا ہے اور بہشت اس کے لئے واجب کر دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے میرے فلاں بندے کو گناہ سے منع کیا تھا۔

(۵)

تفسیر صافی میں سورۃ آل عمران کے تحت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ

وہ رسول خداؐ کے پاس روتے ہوئے پہنچے۔ انہوں نے سلام کیا تو رسول خداؐ نے سلام کا جواب دے کر پوچھا: "تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے؟" انہوں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! گھر کے باہر ایک خوبصورت جوان کھڑا ہے جو اپنی جوانی پر یوں رو رہا ہے جیسے ماں اپنے بچے کے لئے روتی ہے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔" اس پر رسول خداؐ نے فرمایا: "اسے بلالو۔" معاذ نے اس جوان کو پیش کیا۔ اس نے سلام کیا تو رسول خداؐ نے اسے جواب سلام دے کر پوچھا: "اے جوان تجھے کس بات پر رونا آیا؟" وہ بولا: "میں کیوں نہ روؤں کہ میں نے بہت گناہ کئے ہیں جن میں سے اگر تھوڑے سے گناہوں کی بھی خدا بازپرس کرے گا تو مجھے جہنم میں جلائے گا اور یہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے ان کی بازپرس ضرور کرے گا اور مجھے نہیں بخشے گا۔"

اس پر رسول خداؐ نے فرمایا: "کیا تو نے کسی کو خدا کا شریک بنایا ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں اس سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ کسی کو اس کا شریک بناؤں۔" آپؐ نے فرمایا: "کیا تو نے کسی کو ناحق قتل کیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "نہیں۔" پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: "خدا تیرے گناہ بخش دے گا چاہے وہ پہاڑوں کی طرح ٹھوس اور پکے ہوں۔"

جوان کہنے لگا: "میرے گناہ سخت پہاڑوں سے بھی بڑے ہیں۔" رسول خداؐ نے فرمایا: "وہ تیرے گناہ بخش دے گا چاہے وہ ساتوں زمینوں، سمندروں، سنگریزوں، درختوں وغیرہ موجودات کی طرح بھاری اور وزنی ہوں۔"

جوان نے کہا: "وہ ان سے بھی بڑے ہیں۔" تو رسول خداؐ نے غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا اور فرمایا: "اے جوان تجھ پر افسوس ہے۔ تیرے گناہ بڑے ہیں یا تیرا پروردگار؟" اس پر جوان سجدے میں گر پڑا اور کہنے لگا: "میرا خدا پاک و

پاکیزہ ہے۔ کوئی چیز میرے خدا سے بڑی نہیں ہے اور میرا خدا ہر بڑے سے بڑا ہے۔"

پھر رسول خداؐ نے فرمایا: "کیا خدائے بزرگ کے سوا بھی کوئی بڑے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟" جوان بولا: "خدا کی قسم نہیں، اے رسول خدا۔" پھر خاموش ہو گیا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: "اے جوان تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو اپنا کوئی گناہ مجھ سے بیان کر سکتا ہے؟" وہ بولا: "ہاں میں سات سال تک قبریں کھول کھول کر مردوں کو ننگا کرتا اور ان کے کفن نکال نکال کر بیچتا رہا۔ اس کے بعد انصار میں سے کسی کی ایک لڑکی مر گئی۔ جب لوگ اس کو قبر میں دفن کر کے چلے گئے تو رات کو میں نے اس کی قبر کھولی اور کفن نکال لئے لیکن جیسے ہی میں نے واپس آنا چاہا مجھے شیطان نے ورغلایا اور اس لڑکی کا ننگا جسم مجھے دکھایا۔ آخر میں نے اس سے زنا کیا اور جب میں نے واپس ہونا چاہا تو اپنے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی جو کہہ رہی تھی اے جوان تجھ پر افسوس ہے کہ تجھے قیامت کے دن سزا ملے گی۔ تو نے مجھے ننگا کیا اور مجھ پر غسل واجب کیا۔ تجھ پر افسوس ہے کہ تو جہنم میں جائے گا۔" پھر بولا: "یارسول اللہؐ! مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ میں بہشت کی خوشبو سونگھوں گا۔ آپ مجھے کیسا پاتے ہیں؟"

رسول خداؐ نے فرمایا: "اے فاسق مجھ سے دور ہو جا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تیری آگ سے میں بھی نہ جل اٹھوں۔ تو آتش جہنم کے کس قدر قریب ہے۔" آپؐ نے یہ جملہ بار بار فرمایا، یہاں تک کہ جوان آپؐ کے سامنے سے چلا گیا۔ پھر اس نے شہر سے توشہ لیا اور مدینے کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اپنے ہاتھ اپنے گلے میں ڈال کر نالے کرتا اور کہتا جاتا تھا: "میں تیرا ذلیل بندہ ہوں، میں گناہگار ہوں، اپنے کردار پر پچھتاتا ہوں، تیرے پیغمبرؐ کے پاس گیا تھا، انہوں نے مجھے واپس کر دیا اور مجھے زیادہ

خوفزدہ کر دیا، میں تجھے تیری عظمت و بزرگی کی قسم دیتا ہوں مجھے واپس نہ کر اور اپنی رحمت سے محروم نہ رکھ۔" وہ چالیس دن رات تک اسی حالت میں رہا۔ یہاں تک کہ جانور بھی اس کے لئے رونے لگے۔ پھر اس نے چالیس دن کے بعد کہا: "اے خدا! تو نے میرے ساتھ کیا کیا؟ اگر مجھے بخش دیا ہو تو اپنے رسول کو اطلاع دے دے اور اگر نہیں بخشا ہے اور مجھے عذاب دینا چاہتا ہے تو مجھے جلد ہی آگ میں جلا دے یا مجھے کوئی اور سزا دے اور قیامت کی رسوائی سے بچالے۔" اس پر خدا نے اپنے پیغمبرؐ کے لئے یہ آیات بھیجیں:

"اور وہ لوگ جب اتفاقاً کوئی بدکاری کر بیٹھتے ہیں یا آپ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کا بخشنے والا اور ہے کون؟ اور جو قصور وہ ناگہانی کر بیٹھتے ہیں تو دیدہ و دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھے چلن والوں کی بھی کیا خوب کھری مزدوری ہے۔" (سورۃ آل عمران آیات ۱۳۵ و ۱۳۶)

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول خداؐ گھر سے نکلے۔ آپ یہ آیات پڑھتے جاتے تھے اور مسکراتے جاتے تھے، پھر آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "مجھے اس توبہ کرنے والے جوان کی کون خبر دے سکتا ہے؟" اصحاب نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! وہ شخص فلاں پہاڑ پر ہے۔" پھر آنحضرتؐ اپنے اصحاب کو لے کر وہاں پہنچے تو اس جوان کو دیکھا کہ دو چٹانوں کے بیچ میں اپنی گردن میں دونوں ہاتھ حمائل کیے کھڑا ہے، اس کی صورت دھوپ سے سنولا گئی ہے، بہت زیادہ رونے سے اس کی پلکیں جھڑ گئی ہیں اور وہ کہہ رہا ہے: "اے خدا! تو نے مجھے بہت نعمتیں عطا کیں اور مجھ پر احسانات

کیے، کاش مجھے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ آخرکار تو مجھے بہشت میں بھیجے گا یا جہنم میں،
اے خدا! میرا گناہ آسمانوں، زمینوں، عرش اور کرسی سے بھی بڑا ہے، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تو مجھے بخش دے گا یا قیامت میں رسوا کرے گا۔" وہ یہ الفاظ برابر دہرا رہا تھا اور سر پر خاک ڈالتا تھا۔ اس کے گرداگرد جانور اور اس کے سر پر پرندے بھی اس کے ساتھ رو رہے تھے۔ رسول خداؐ اس کے پاس پہنچے، آپؐ نے اس کی گردن سے اس کے ہاتھ ہٹائے، اس کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا: "تو خوش ہو جا کہ خدا نے تجھے بخش دیا۔" پھر آپؐ نے اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "گناہوں کی تلافی اس طرح کیا کرو جس طرح اس جوان نے کی ہے۔" پھر آپؐ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی اور اسے بہشت کی خوش خبری سنائی۔

واضح رہے کہ رسول خداؐ نے جو اس جوان کو اپنے پاس سے بھگا دیا تھا اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کا گناہ جتنا بڑا اور سخت تھا اس کے خوف کی آگ بھی اتنی زیادہ بھڑک اٹھے بلکہ اس کے گناہ کی جڑ بھی جل جائے، اس کے آنسوؤں سے گناہ کے اندھیرے چھٹ جائیں اور وہ خدا کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔ چنانچہ یہ بھی توبہ کی ایک قسم ہوئی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دل کی ندامت اور غمگینی جتنی زیادہ ہوگی رحمت اور بخشش سے اتنا ہی قرب ہوگا۔ غرض رسول خداؐ کا اس کو واپس کر دینا اس جوان کے حق میں ایک مہربانی تھی جس سے اسے فائدہ پہنچا۔

(۲)

سفینۃ البحار کی جلد اول کے صفحہ ۱۲۷ پر یہ روایت لکھی ہوئی ہے کہ جب رسول خداؐ نے بنی قریظہ کے قلعے کا گھیراؤ کر لیا تھا جو مدینے کے قریب یہودیوں کی ایک جماعت تھی اور وہ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اور اس

مرتبہ رسول خداؐ کا خیال یہ تھا کہ یہ کانٹا ان سے لڑائی کے بغیر نہیں نکل سکتا۔ اس وقت انہوں نے آنحضرتؐ کے پاس اطلاع بھیجی کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے کام میں اس سے صلاح کریں چونکہ ابولبابہ سے ان کی پرانی واقفیت تھی۔

آنحضرتؐ نے ابولبابہ سے فرمایا کہ ان کے پاس چلے جاؤ۔ جب وہ گیا تو وہ اس سے پوچھنے لگے: "ہماری بہتری تیرے نزدیک کس بات میں ہے؟ کیا ہم رسول خداؐ کا حکم مان لیں؟"

ابولبابہ نے کہا: "ہاں۔ مان لو اور جان لو کہ تمہارے بارے میں رسول خداؐ کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔" اور اس نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔ اتنا کہہ کر وہ شرمندہ سا ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے خدا اور اس کے رسولؐ کی خیانت کی اور پیغمبرؐ کا بھید کھول دیا۔ چنانچہ وہ قلعے سے نکل کر شرمندگی کے مارے رسولؐ کے پاس نہیں آیا بلکہ مسجد میں چلا گیا اور اپنی گردن میں ایک رسی باندھ کر خود کو کھمبے سے باندھ لیا (یہ کھمبا رسول خداؐ کی قبر مبارک کے نزدیک ہے اور دوسرا کھمبا ہے اور استوانہ التوبہ کے نام سے مشہور ہے) اور بولا: "میں اس کھمبے سے اس وقت تک نہیں کھلوں گا جب تک مر نہ جاؤں یا خدا مجھے بخش نہ دے۔" اس کی اطلاع رسول خداؐ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: "اگر وہ میرے پاس آتا تو میں خدا سے اس کی معافی کے لئے درخواست کرتا لیکن اب کہ اس نے خود ہی خدا سے رجوع کیا ہے تو اس کے بارے میں خدا کا ہی فیصلہ کرنا مناسب ہو گا۔" ابولبابہ دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات کو اس کی بیٹی اسے اتنا کھانا دے آتی تھی جس سے وہ زندہ رہ سکے، ضرورت کے وقت اور پاخانے پیشاب کے لئے اسے کھول دیتی تھی، کچھ دن تک اس کی یہی حالت رہی، اس

کے بعد جب رسول خداؐ ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے تو خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس وحی آئی کہ خدا نے اس کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ آپؐ نے ام سلمہؓ سے فرمایا: "کہ خدا نے ابولبابہ کو بخش دیا۔"

ام سلمہؓ نے کہا کہ: "آپؐ اگر اجازت دیں تو میں اسے اس کی توبہ کے قبول ہونے سے اسے آگاہ کر دوں۔" آپؐ نے فرمایا: "آگاہ کر دو۔" اس پر ام سلمہؓ نے حجرے سے اپنا سر نکال کر اسے خدا کی بخشش کی خوش خبری سنائی۔

ابولبابہ بولا: "خدا کا شکر ہے۔" مسلمان آئے کہ اسے کھمبے سے کھول دیں لیکن وہ کہنے لگا: "نہیں! خدا رسول خداؐ ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں گے۔" چنانچہ آنحضرتؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: "خدا نے تجھے بخش دیا اور اب تو اس دن کی طرح گناہ سے پاک ہو گیا جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔" پھر اس نے کہا: "مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اپنی توبہ قبول ہونے کی نعمت کے شکرانے میں اپنا تمام مال خیرات کر دوں۔" آپؐ نے فرمایا: "خیرات کر دے۔" پھر رسول خداؐ نے یہ آیت پڑھی: "کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا تو اقرار کیا مگر ان لوگوں نے بھلے کام کو کچھ برے کام میں ملا دیا۔ قریب ہے کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے کیونکہ خدا تو یقینی طور پر بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے رسولؐ! تم ان کے مال کی زکوٰۃ لو اور اس کی بدولت ان کو گناہوں سے پاک صاف کر دو اور ان کے واسطے دعائے خیر کرو کیونکہ تمہاری دعا ان لوگوں کے حق میں اطمینان کا باعث ہے اور خدا تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اتنا بھی نہیں جانا کہ یقیناً خدا ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی خیراتیں بھی لیتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہی توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہے۔" (سورۂ توبہ آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴)

یہ دونوں قصے ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ توبہ کرنے والا پہلے تو اپنے گناہ کو بڑا سمجھ کر سخت شرمندہ ہو اور خدا کی رحمت اور مغفرت کو بہت بڑی نعمت سمجھ کر اس کے حصول کی کوشش کرے اور اپنے لئے اس کی سخت ضرورت محسوس کرے اور دوسرے جب تک اسے اپنی توبہ کے قبول ہونے اور گناہوں سے اپنے پاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے رونا گڑگڑانا اور مغفرت کی دعا مانگنا نہ چھوڑے اور غالباً یہ یقین موت کی گھڑی سے پہلے حاصل نہیں ہوتا۔

غرض جب تک فرشتے کی یہ آواز تیرے کان میں نہ آئے کہ مت ڈر، تجھے بخش دیا گیا اور تو بہشت میں جائے گا۔ (ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون)۔ اپنی توبہ قبول ہونے کی طرف سے مرتے دم تک جلتا کڑھتا امید اور ناامیدی کے درمیان میں لٹکا رہ جیسا کہ کتاب کے مقدمے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

(۷)

سید الحکماء میر داماد کے نواسے فخر المحققین سید محمد اشرف نے کتاب فضائل السادات میں شہید ثانی علیہ الرحمہ کے خط سے اور انہوں نے کتاب مدبخش ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ ایک نیک شخص مصر میں پہنچا اور ایک ایسے لوہار سے ملا جو کٹھالی میں سے تپتا ہوا سرخ لوہا اپنے ہاتھ سے نکال لیتا تھا لیکن لوہے کی گرمی اسے نقصان نہیں پہنچاتی تھی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص بلاشبہ اوتار میں سے ہے۔ اس نے اس کے سامنے پہنچ کر سلام کیا اور کہا: "اے خدا کے بندے! تجھے اس شخص کی قسم ہے جس نے تجھے یہ کرامت بخشی ہے میرے لئے بھی دعا کر۔" لوہار نے یہ سنا تو رونے لگا اور بولا: "اے شخص تو نے میرے بارے میں جو خیال قائم کیا ہے وہ غلط

ہے میں اپنے آپ کو نیک بندوں میں بھی شمار نہیں کرتا۔" اس شخص نے کہا: "تیرے اس عمل کی خالص اور نیک بندوں کے سوا کسی اور میں طاقت نہیں ہو سکتی۔" لوہار نے کہا: "اس کی ایک وجہ ہے۔" اس شخص نے کہا: "مہربانی کر کے وہ وجہ مجھے بتا دے۔" وہ کہنے لگا: "میں ایک دن اسی دکان میں کام کر رہا تھا کہ ایک ایسی خوبصورت عورت میرے پاس آئی کہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اور اس نے اپنی غریبی اور مفلسی کا مجھ سے دکھڑا رویا۔ میں اسے دیکھتے ہی اس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔" میں نے کہا: "اگر تو میری تمنا پوری کر دے تو میں تیری ضروریات پوری کر دوں گا۔" وہ بولی: "اے شخص! خدا سے ڈر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔" میں بھی بولا: "تو پھر چلی جا۔" وہ عورت پریشان ہو کر چلی گئی اور پھر کچھ دیر کے بعد پلٹ کر آئی اور بولی: "میری ضرورت مجھے یہاں تک کھینچ کر لائی ہے کہ تیری بات مان لوں۔" میں اس عورت کو فوراً گھر لے گیا اور اندر سے میں نے دروازے پر تالا ڈال دیا۔" عورت نے پوچھا: "تو نے گھر کے دروازے پر تالا کیوں لگایا؟" میں نے کہا: "مجھے یہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کو میری اس بات کا پتا چل جائے گا۔" اس نے کہا: "خدا سے کیوں نہیں ڈرتا؟" میں نے کہا: "خدا غفور و رحیم ہے۔" جب میں اس کے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ جس طرح ریحان کی شاخ تیز ہوا سے کانپنے لگتی ہے اسی طرح وہ بھی بہت بے چین ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگا۔ میں نے کہا: "تجھے کیا ہو رہا ہے؟" اس نے کہا: "میں اپنے خدا سے ڈر رہی ہوں جو ہمارے پاس موجود ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اے شخص! اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے ضمانت دیتی ہوں کہ خدا دنیا اور آخرت کی آگ تجھ پر حرام کر دے گا۔" اس عورت کی بات نے مجھ پر اثر کیا۔ میں اپنے ارادے سے باز آیا اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کو

دے ڈالا اور کہہ دیا: "اے عورت! سلامتی کے ساتھ چلی جا کیونکہ میں نے تجھے خوف خدا سے نجات دلادی۔" وہ عورت خوش خوش اپنے گھر پلٹ گئی۔ اسی رات کو میں نے خواب میں ایک بزرگ خاتون کو دیکھا جن کے سر پر یاقوت کا تاج تھا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا: "خدا تجھے اچھی جزا عطا کرے۔" میں نے پوچھا: "آپ کون ہیں؟" انہوں نے فرمایا: "میں اس عورت کی ماں ہوں جو تیرے پاس آئی تھی اور جسے تو نے خوف خدا سے آزاد کردیا۔ خدا تجھے دنیا اور آخرت کی آگ سے نہ جلائے۔" میں نے کہا: "وہ عورت کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی؟" وہ بولیں: "رسول خداؐ کی نسل سے۔" اس کے بعد میں نے خدا کی تعریف کی۔ اس دن سے آگ مجھے نقصان نہیں پہنچاتی اور مجھے امید ہے کہ آخرت میں بھی مجھے نہیں جلائے گی۔

اس داستان سے واضح ہوتا ہے کہ جو کوئی اپنے جذبہ شہوت کو حرام سے بچائے گا اور اسباب موجود ہونے اور شہوت میں جوش آنے کے وقت بھی اپنے آپ کو روکے گا خدا اس کے لئے آگ کو ٹھنڈا کردے گا اور اسے اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا۔ واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي الماوىٰ۔ (سورۃ نازعات آیت ۴۰) اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اور جی کو ناجائز خواہشات سے روکتا رہا تو اس کا ٹھکانہ یقیناً بہشت ہے۔

(۸)

مذکورہ کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسحٰق بن ابراہیم طاہری نے خواب میں رسول خداؐ کو دیکھا کہ اس سے فرماتے ہیں: "قاتل کو چھوڑ دے۔" وہ ڈر کر جاگ اٹھا۔ اس نے اپنے نوکروں کو بلایا اور پوچھا: "یہ قاتل کون ہے اور کہاں ہے؟" انہوں

نے کہا: "ایک شخص آیا ہے جس نے خود بخود قتل مان لیا ہے۔" انہوں نے اسے پیش کر دیا۔ اسحٰق نے اس سے کہا: "اگر تو سچ سچ کہہ دے گا تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔" اس نے کہا: "میں اور کچھ اور غنڈے ہر حرام کام کرتے تھے، بغداد میں ہر برے کام کے مرتکب ہوتے تھے اور ایک بڑھیا ہمارے لئے عورت لاتی تھی، ایک دن وہ بڑھیا ہمارے پاس ایک نہایت حسین لڑکی لے کر آئی، اس لڑکی نے جب ہمیں دیکھا اور وہ بات کو سمجھ گئی تو ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی اور زمین پر گر پڑی، جب اسے ہوش میں لائے تو اس نے فریاد کی اور بولی: "خدا سے ڈرو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس دھوکے باز بڑھیا نے مجھے دھوکا دیا اور کہا کہ فلاں محلے میں ایک تماشا ہو رہا ہے اور دیکھنے کے قابل ہے اور ایسی باتیں بنائیں کہ مجھے راغب کر لیا۔ میں اس کے ساتھ چلی آئی اور وہ مجھے یہاں کھینچ لائی۔ تم خدا سے ڈرو میں علویہ زہرؑا کی نسل سے ہوں۔" میرے ساتھیوں نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی اور اس لڑکی سے الجھنے لگے مجھے رسول خداؐ کی عزت کی خاطر غیرت آئی اور میں نے انہیں روکا۔ انہوں نے مجھے بہت زخمی کیا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ پھر میں نے بھی ان میں سے سب سے بڑے پر ایک سخت وار کیا اور اسے مار ڈالا اور لڑکی کو سلامتی سے چھڑا کر رخصت کر دیا۔ لڑکی نے مجھے دعا دی اور کہا: "خدا تیرا عیب چھپائے رکھے جس طرح تو نے مجھے بچایا ہے اور تیرا مددگار ہو جیسی تو نے میری مدد کی ہے۔" جس وقت چیخ پکار سے پڑوسی گھر میں دوڑ کر آئے ہیں میرے ہاتھ میں خون بھرا خنجر تھا اور مقتول خون میں لوٹ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور یہاں لے آئے۔ اسحٰق نے کہا: "میں نے تجھے خدا اور رسول کی خاطر معاف کیا۔" اس شخص نے کہا: "میں نے بھی تمام گناہوں سے توبہ کی اور میں اسی کی قسم کھاتا ہوں جس کی خاطر تم نے مجھے معاف کیا ہے کہ اب پھر کبھی گناہ کے

پاس بھی نہیں پھٹکوں گا۔"

آپ اس قصے میں دیکھتے ہیں کہ اس قاتل شخص پر حرام ترک کرنے، اس سے دوسروں کو روکنے اور خدا اور رسولؐ کی حرمت کی خاطر مظلوم کی مدد کرنے سے اس قدر گناہوں کے باوجود خدا اور رسول کی اس قدر مہربانی ہوئی کہ وہ قتل ہونے سے بھی بچ گیا اور اسے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی بھی توفیق ہو گئی۔

(۹)

مرحوم حاجی شیخ عباس قمی نے کتاب منازل الآخرۃ میں لکھا ہے کہ ابن صمہ نامی ایک شخص رات دن میں اکثر اپنے نفس کا حساب کیا کرتا تھا۔ ایک دن اپنی بیتی ہوئی عمر کا حساب کر رہا تھا تو معلوم ہوا کہ عمر کے ساٹھ سال گزر چکے ہیں۔ پھر دنوں میں حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اکیس ہزار پانچ سو دن ہوتے ہیں۔ کہنے لگا: "مجھے اپنے اوپر افسوس ہے کہ اگر میں نے روزانہ ایک گناہ بھی کیا ہو تو اکیس ہزار پانچ سو گناہ سمیت خدا سے ملاقات کروں گا۔" یہ کہا اور بے ہوش ہو گیا اور اسی بے ہوشی میں انتقال کر گیا۔

روایت ہے کہ کسی وقت رسول خداؐ نے کسی بنجر زمین میں قیام فرمایا تو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: "جاؤ اور لکڑیاں جمع کر لاؤ۔" انہوں نے عرض کیا کہ: "ہم بنجر زمین میں ہیں یہاں لکڑی نہیں ملتیں۔" آپؐ نے فرمایا: "جس سے جتنی بھی ممکن ہو لے آئے۔" آخر وہ لکڑیاں لاتے اور آپؐ کے سامنے ڈھیر کرتے رہے۔ جب کافی ڈھیر ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: "گناہ بھی اسی طرح جمع ہوتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ لکڑیاں اکٹھی کرنے سے آنحضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ اصحاب سمجھ لیں کہ جس طرح اس گھاس سے خالی بیابان میں لکڑیاں جمع ہو گئیں اور ان کا چنا

گناہگاروں کو دوزخ میں ڈال دیں گے تو وہ ایک تنگ و تاریک مقام پر آگ کی زنجیروں سے آپس میں بندھے ہوئے فریاد و فغاں کریں گے، جہنم کا مالک ان سے کہے گا کہ تم تو بہت جلدی چیخنے لگے ابھی تو تم بہت کچھ شور و غل کرو گے۔

جب شعوانہ نے یہ آیتیں سنیں تو اس پر بہت زیادہ اثر ہوا اور کہنے لگی: "اے شیخ! میں خدا کی بارگاہ کی ایک گناہگار ہوں، اگر میں توبہ کروں تو کیا خدا مجھے بخش دے گا؟" واعظ نے کہا: "بے شک اگر تو توبہ کرے گی تو خدا تجھے بخش دے گا، چاہے تیرے گناہ شعوانہ کے گناہوں کے برابر ہوں۔" اس نے کہا: "اے شیخ! شعوانہ میں ہی ہوں۔ اس کے بعد گناہ نہیں کروں گی۔" اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اس نے آزاد کر دیا اور خود عبادت میں لگ گئی اور اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ اس طرح ادا کرنے لگی کہ اس کا بدن گھل گیا اور وہ نہایت کمزور ہو گئی۔ ایک دن جو اپنے بدن پر اس کی نظر پڑی تو اپنے آپ کو اس نے نہایت کمزور اور لاغر پایا۔ بولی: "افسوس دنیا میں جب میں اس طرح گھل گئی تو نہ معلوم آخرت میں میرا کیا حال ہو گا۔" غیب سے اس کے کان میں آواز آئی: "خوش ہو جا اور ہماری بارگاہ میں حاضر رہ، پھر تو قیامت میں ہماری جزا دیکھے گی۔"

نیامد دراین در کسی عذر خواہ
کہ سیل ندامت نشستش گناہ

اس دروازے پر آکر جس کسی نے معافی مانگی، اس کی شرمندگی کے آنسوؤں نے اس کے گناہ دھو ڈالے۔

لگ گیا اسی طرح گناہ بھی جو بظاہر نظر نہیں آتے جب ڈھونڈے جائیں اور گنے جائیں تو بہت سے جمع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن صمہ نے جب اپنی عمر کے ہر دن کا ایک گناہ فرض کیا تو اکیس ہزار پانچ سو گناہ ہو گئے۔

(۱۰)

فاضل نراقی نے معراج السعادہ میں لکھا ہے کہ بصرے میں شعوانہ نامی ایک عورت رہتی تھی۔ بصرے میں فسق و فجور کی ایسی کوئی محفل نہیں لگتی تھی جس میں وہ موجود نہ ہو۔ وہ ایک دن اپنی کنیزوں کے ساتھ بصرے کی گلیوں میں سے گزر رہی تھی کہ ایک ایسے گھر کے دروازے پر پہنچی جس سے شور بلند تھا۔ کہنے لگی یہاں عجب قسم کا شور و غل ہے۔ ایک لونڈی کو اندر بھیجا کہ جا کر حال معلوم کرے۔ وہ لونڈی گئی لیکن واپس نہیں آئی۔ دوسری کو بھیجا وہ بھی نہیں پلٹی پھر تیسری کو اس تاکید کے ساتھ بھیجا کہ جلدی پلٹ کر آنا وہ لونڈی اندر سے واپس آئی اور بولی: "اے بی بی! یہ مردوں کا نہیں زندوں کا ماتم ہے۔ یہ بدکاروں، گناہگاروں اور سیاہ اعمال نامے والوں کا ماتم ہے۔" شعوانہ یہ سن کر بولی: "میں بھی تو جا کر دیکھوں کہ اس گھر میں کیا بات ہے؟" جب اندر گئی تو اس نے دیکھا کہ وہاں ایک واعظ بیٹھا ہوا اپنے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو وعظ کر رہا ہے اور خدا کے عذاب سے ڈرا رہا ہے اور لوگ گریہ و زاری میں مشغول ہیں۔ جس وقت وہ پہنچی ہے اس وقت واعظ اس آیت کی تفسیر بیان کر رہا تھا:

"اذا رأتهم من مكان بعيد سمعوا لها تغيظاً وزفيراً واذا القوا منها مكاناً ضيقاً مقرنين دعوا هنالك ثبوراً۔" (سورۂ فرقان آیت ۱۳) قیامت کے دن جب دوزخ گناہگاروں کو دیکھے گی تو غرائے گی اور گناہگار کانپنے لگیں گے۔ جب

حسن علی بکڈپو کی مطبوعات ایک نظر میں......

